

غالب کے دو سو سالہ جشن ولادت کے موقع پر

ماہِ نو

خصوصی اشاعت





PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081



پی ڈی ایف (PDF) کتب حاصل کرنے اور واٹس ایپ گروپ «کتاب کارنز»
میں شمولیت کے لیے مندرجہ بالا نمبرز کے واٹس ایپ پہ رابطہ کیجیے۔ شکریہ

مرزا غالب کی کمرے سے لی گئی تصویر



غالب کی تصویر آپ کی وفات سے تین چار ماہ پہلے لی گئی تھی۔
 اس تصویر پر لکھا ہے: مرزا اسد اللہ خان

یہ یہاں پر تصویر آپ کی وفات سے تین چار ماہ پہلے لی گئی تھی۔



مرزا غلام احمد

چند
 تلامذہ
 غالب



مرزا آصف علی خان



نواب سید احمد خان



نواب شہزادہ امجد علی خان



نواب امجد علی خان زکریا پوری

ماہِ نو

نثرِ غالب

3 حاضر اور اقبل

مرا غالب

مضامین نو

5 ڈاکٹر وسیم قریشی

عظیم غالب کیسویں صدی میں

7 بیانی کمران

غالب کا دور سوانحی نظم و نثر

10 ڈاکٹر سلیم اختر

غالب اور عصری مکتبہ

18 ڈاکٹر وسیم قریشی

بیانی اور مکتبہ ادبی کے قدام

25 مراد علی بیانی

قدام غالب

27 ڈاکٹر حسرت کاظمی

مکتبہ غالب غلامی کی روشنی میں

45 ڈاکٹر سلیم احمد

غالب اور عشق و محبت

50 ڈاکٹر محبوب علی

غالب کی شخصیات

57 فہم شمس کاظمی

غالب اور انیسویں

66 احمد علی

مکتبہ غلامی کی روشنی میں

ماہِ نو اور غالب

80 ڈاکٹر وسیم قریشی

ماہِ نو کی ادبیاتِ غالب

92 اقبال

ماہِ نو میں غالب پر کیا لکھا گیا؟ ایک جائزہ

95 محمد

پہلی کہیں

96 حاضر اور اقبل

انتخاب شعر

97 مکتبہ قدام رسول سر

غالب کے چند شعر

102 مکتبہ قدام علی حریفی

ماہِ نو میں غالب

108 احمد علی

غالب کا ادب کی تعلیمی مکتبہ

نگارِ انِ باطنی

سید طاہر عیسیٰ خاں

چند ایلے نثر

پر دین ملک

ایلے نثر

صفہ راج

مارچ 1998ء





وزارت اطلاعات خیرات کربلا پاکستان

بزنس میگزین
سید اشفاق شہید
لے آؤٹ
مقبول یا حیر

فون: ۳۳۰۵۳۳۱

فیکس: ۳۳۰۵۵۶۶

کپڑے لگے ہمارے ملک کو پریشان

آگ پاکستان پر کس کا دور۔

لیٹ

۲۵ روپے

لڑ سگند

۲۰ روپے

عالمی طبع کیلئے

۲۵ روپے

ہمیں "سمر" نام "موسیٰ" کہیں "تبی"

بگہ دیکھ "سودی" عرب "گیت" سری لنگا ۱۲۰

مردہ جان "نور" نیال "نور" دہلی

ہم بھی "نور" "نور" "نور" "نور" ۱۲۵

انگلستان "نور" "نور" "نور" "نور" "نور"

ہم بھی "نور" "نور" "نور" "نور" "نور" ۱۳۰

کپڑے "نور" "نور" "نور" "نور" "نور" ۱۳۵

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

عالمی طبع کیلئے

مارچ ۱۹۹۸ء



معلومات پاکستان ۱۹۹۸ء سے پہلے لکھی گئی ہیں۔
وزارتی رولڈ لکھنے سے شروع کیا





مرزا غالب

ٹھکرا انسان ہر تہی ہستی سے ید و دش ہوا
سے پر پر خچر خچیل کی دہائی تاکھا
تھا سرا پارح تو، بزمِ سخن پہ سیکر تھا
نیربہ عقل بھی رہا بھل سے پنہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اس شخص کی منظور ہے

ہیں کے سوزِ زندگی ہر شبیں جو ستور ہے
معلیٰ ہستی تری برابطہ سے ہے سرا پارح
تیرے فردوسِ محفل سے ہے محنت کی برباد
جس میں ندی کے نمونے سے گوشت کو ہر بار
زندگی مضرب ہے تیری شوقی تحسیر میں
تیری کشت بکھر سے اُگتے ہیں عالم سبز و دار

تائب گویائی سے جنبشِ جلبِ تصویر میں
نطق کو سوتا زہیں تیرے لبِ اعجاز پر
شاہِ منصورِ تصدق ہے خٹکے غبار پر
موجِ حیرت ہے ثریا ر فست پر وہ از پر
آؤ تو اُبھری ہوئی دلی میں لایید ہے
خندہ زن ہے غنچہ دلی گلِ شیراز پر
گلشنِ دین میں تیرا مسم غوا بیڈ ہے

طغی گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہر تحلیل کا نہ جب تک فکرِ کالِ ہم نہیں
ہائے باب کیا ہو گئی جہنمِ انساں کی مغربیں
آؤ اسے افکار و آہنِ بھگت ہیں
گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شان ہے
شمعِ یہ سو دلی دلِ سوزنی پڑا نہ ہے

اسے جہلیں آباد اسے گوارِ مسلم و ہنر
ہیں سرا پارح کا زخمِ شمشیر ہے ہم و ہر
فتنے فتنے میں تھے غوا بیڈ ہیں شمس و قمر
یوں تو پشید ہیں تیری خاک میں دھکوں گھر
دلِ تجھ میں کوئی خُرد نگار دیا بھی ہے
تجھ میں پنہاں کوئی سرتی آباد دیا بھی ہے

ہے کمال تمنا کا دوسرا قدم یارب

غالب کے تخیل تک پہنچنے کے لئے آج تک جو کوششیں کی گئیں ان سب پر غالب ہی کا یہ شعر منطبق ہوتا ہے کہ ہر دور میں دل نظر کو اس کی بے پناہ شعری قوتوں کے کسی نئے پہلو کا لوراک ہوتا رہا ہے۔ صدیاں ہونے کو آئیں فکر غالب کی جلوہ نمائی اپنے نئے مقام پر مطالب کے ساتھ ہوتی چلی جا رہی ہے۔

ماہ نو کے زیرِ نظر شمارے میں جن مضمینوں کو غالب کی علامتوں اور تشبیہوں کی ایک سو بیس صدی کے ساتھ مطابقت کا جائزہ لیتے نظر آتے ہیں وہیں ہم نے کوشش کی ہے کہ ان تشریحوں کو بھی نکجا کر لیا جائے جو ماہِ نو ہی کے مختلف شماروں میں نکمرے ہوئے تھے اس مشکل کام کو ڈاکٹر سید مصین الرحمن نے ہمارے لئے بے حد آسان کر دیا کہ ان ناکتب خانہ غالب سے ان کی محبت کا منہ پرور ثبوت ہے۔ لواں ان کا بے حد مشکور ہے۔

۱۹۶۹ء میں جناب رفیع خاور کے زیرِ ادارت ماہِ نو کا انتخاب غالب شائع ہوا تھا۔ ہم نے اس انتخاب میں شامل نہ ہو سکنے والے چند مضمین کے ساتھ ساتھ ۱۹۶۹ء کے بعد شائع ہونے والے مضمینوں میں سے بھی انتخاب کیا ہے۔ اس کے ساتھ مکمل ریویو ان غالب کی شمولیت سے تقسیم غالب کے امکانات روشن ہوتے ہیں۔

اس سب کے بخیر و بے

ہم نے دشتِ افسان کو ایک نقشِ پایلا

بخیر و بے



ڈاکٹر وحید قریشی

تفہیم غالب اکیسویں صدی میں

عظیم غالب پر دور کا مسلہ رہا ہے۔ غالب کی عظمت اس میں مضمر ہے کہ وہ ہر زمانے کی قلمی اور جذباتی ضرورتوں کو پورا کرتا چلا آیا ہے۔ وہ زندگی کی مرکب صورتوں کا ترجمان ہے۔ پیچیدہ تجلیات اور نرم و نازک احساسات کا بیان پیچیدہ صورتوں کا متعین ماحول ہے۔ ہر دور نے غالب کی بچان اپنے عصری رجحانات ہی کے حوالے سے کی، یہ اسی نے غالب مشکل پسندی کے باوجود آج بھی زندہ ہے۔

مطلی غالب کے پہلے ہاتھوں شاعر ہیں۔ جن کے عہد میں اردو زبان و ادب کا روشنی قاری سے بڑا ہوا تھا۔ مطلق نے غالب کے اردو اور قاری کام کو ایک ہانگے دیکھا اور قاری کے تفہیم شعرا کے حوالے سے غالب کی عظمت کی۔ مطلق کا عہد مضمونی اور اسلامی ادب کا علم بردار بھی تھا۔ کام غالب میں نیچری حاشا کا عمل اسی رشتے سے ملنے آیا۔ کام غالب میں فطری جذبات و احساسات کی عظمت انہیں عصری خصوصیات ہی کے حوالے سے ہوئی تھی۔

بیسویں صدی کے اوائل میں بھڑوی نے مطلق ادب کے حوالے سے غالب کے اردو کام کو جاننے کی سعی کی اور اسے عظیم شاعر کا مہربان دلائے ہوئے اس کا مقابلہ دنیا کے عظیم ترین مفسرین سے کر دیا۔ مطلق نے دور سائنسی علوم کی ترقی کا بھی قدر چاہا۔ غالب کے اظہار سے کشش عقل کے عارضوں کی حاشا عہد فنی بھڑوی ہی نے شروع کی اور بعد چہ اولیٰ شعر کو اس کے سائنسی شعور کا اظہار قرار دیا:

ہندو ہمارے ہی تھا ایک دن ایک شعور ہوں وہ بھی
سو رہتا ہے یہ انداز پختہ سرگنوں وہ بھی

یہی حاشا و تنقید مہدو کے اس پاس رہا جس میں سائنسی علوم کا روحانہ اور انسانی مطلق نیز شہادت کا سبب بن گیا۔ پچھلے برس انہیں ترقی اردو کراچی نے ایک کتاب پیر میں منتخب کا سائنسی شعور "شائع کی۔ جس نے غالب کے سائنسی شعور کی حاشا کرتے ہوئے اسے سائنس دانوں کی صف اول میں داخل کیا۔ ظاہر اس عمل کو تنقید کی حق قریشی ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

بھڑوی کے بعد غالب کے نقادوں میں ڈاکٹر لطیف نے شہرت پائی۔ بھڑوی نے عظیم مطلقوں سے موازنے کی طرح دانی تھی یہ صورت عمل بکھڑا ہوا ہی مہدو امیر تھی۔ ڈاکٹر لطیف نے دوسری انتہائی طرف اگل سمجھ انہوں نے انگریزی ادب کے بحر مطلق کی تہا۔ غالب کی عظمت کا تھیں حق دانی کے حوالے سے کیا اور کام کے عہد سے مجھے کو کام تسلیم کیا ہے۔ وہ مہربان سے اظہار کا بھی تھا اور عروجیت کا دور بھی لطیف نے غالب کے بارے میں کسی قدر تجویز کی، روش اختیار کی تھی۔ بیسویں صدی میں جب مطلق علوم نے بے اندازہ دستہ اختیار کی یہ اثرات مہدو ہی قبول ہوئے تو شرمندگی اور انہماک کا احساس تھا چنانچہ مہدو سرحد میں عہد کی تجدید عمل اور حرکت نے ہی تھی چنانچہ بیسویں صدی میں کام غالب کے وہ مجھے لیاں اگل توجہ مہربان جن کو زندگی سے جدا تھا ان کے ہاں زندگی کے فلسفیانہ پہلو زیادہ اہم سمجھے گئے۔ فلسفیانہ فقیر کا مطلق نقطہ کام غالب (شوکت مہزوری) تک جا پہنچا۔ غالب عقلی فکر کے وہپ میں لپٹا ہے۔ وہ سادہ زندگی اور اس کے تجلیات کے بارے میں فلسفیانہ مہزوریاں تھیں اور غالب کو ایک جہاں وہ دانشور کے طور پر دیکھتی ہیں۔ یہی روش بعد میں غالب اور وحدت جیسے موضوعات کی حق کا سبب بن گیا۔

بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں کام غالب کے قلمی پہلوؤں کے مطلق عمل اور حرکت پر بھی انداز دیا گیا اور غالب کے اس طرح کے شعروں کے جاننے گئے۔

نہ پہلے ہے عمومی پیش مقدم سیلاب
کہ پہلے ہیں پائے سر پہ سر دور و دھار
دگوں میں جھلنے پھرنے کے ہم نہیں چاکل
ہر آنکھ ہی سے نہ چٹا تو ہمارا لو کیا ہے

ترقی پسند تحریک کے لئے میں سیاسی شعور، ملتی شعور، کتب دہانے زندگی کی باتیں ہونے لگیں غالب کے ملتی شعور کے چہرے بہت
ہوئے۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۹ء تک کا دور مطالعہ غالب کا یہی انوارِ قلب جس میں ملتی شعور اور حرکت و عمل کے ایک سے زیادہ افسانے
ساتھ آئے۔ اس کے ساتھ غالب کی انسانی وجودی کے بھی بہت خاکے کے لئے اور غالب کو ایک ترقی پسند شعور تسلیم کیا جانے لگا۔
اسی زمانے میں ملحقہ ادیب ادبی کی پیدائش کی تحریک ابھری۔ غالب کے لسانیاتی تجزیے کے لئے اور اس کے افسانوں کے فضیلتی
پہلوں پر توجہ ہوئی۔ اس طرح غالب کی انفرادیت پر خصوصی توجہ کی گئی۔ اس سے تعلیم کی ایک نئی بہت سامنے آئی۔
ہر تحریک نے پھر غالب کو اپنے اپنے رنگ میں دیکھا اور اس کی تعلیم کو اپنی ہی عصری صورت میں کے ساتھ شلک کہا۔ ترقی پسند
غالب کا مطالعہ ایک دوسرے دوسرے سے کرتے رہے۔

وسط ایشیائی ممالک میں آزادی کا عمل اور دوسری مملکت کے انقلابی طور پر سمٹ جانے کا واقعہ دنیا کے لئے نئی سیاسی حالت کا پیش
نمہ ہے۔ اس بدلتی ہوئی حالت میں کام غالب کا ایک نیا رخ سامنے آئے گا۔ غالب کی لڑائی دلی اور شدت شعری کی قول سے مختلف تھی۔
دلی اور فن کے ساتھ جس قول کے سرشار تھے اس میں حسییت اور عقل فرائق کو کھیر کر اپنی اپنی حیثیت کی ترجمانی تھی۔ گویا غالب
کی شاعری وسط ایشیائی حوالے کی ترجمانی نہیں کی جا سکتی ہے۔ ان کی فارسی شعری روایت وسط ایشیائی رنگ کی اہم مثال ہے۔ غالب کی فارسییت
سے اقبال کی فارسییت کا عمل ابھرا ہے۔ اقبال کی شعری روایت بھی اسی 'افغانستان اور وسط ایشیاء سے رشتہ استوار کرتی ہے۔ دونوں
شعروں نے اپنی ہر کا بیشتر حصہ فارسی شعر گوئی میں صرف کیا۔ ان کا قاری وسط ایشیاء اور اسی ہی کا قاری تھا۔ وہ اپنا اپنا کام فنِ طاقوں
تک پہنچا پہنچے تھے۔ ۱۹۴۸ء سے وفات تک (۱۹۹۹ء) غالب نے زیادہ شاعری فارسی زبان ہی میں کی۔ اقبال بھی زیادہ تر فارسی زبان میں
شعر کہتے رہے۔ دونوں نے وسط ایشیائی شعری روایت کو اپنی فکر رکھ کر مطالعہ غالب آج اعلیٰ سے اس عقیدے سے بھی موتوں اور
مناہب جاتا ہے کہ ان سیاسی اور ملتی زندگی میں اعلیٰ سیاسی اور فنی رشتے اسی 'افغانستان اور وسط ایشیاء کی تمدنی زندگی سے اپنے
کپ کو مربوط کرنے کے عمل میں شریک ہیں۔ ایسے میں غالب اور اقبال کے کام کے وہی پہلو زیادہ قابلِ توجہ ہوں گے جن سے قری
اور جذباتی اشتراک کی راہیں کھل سکیں۔ غالب اور اقبال کا قاری کام جانے خود اہم قرار پائے گا لیکن ان کے کام کے وہ حصے
بھی اعلیٰ قری اور جذباتی مدافوں کی تبادلی کریں گے جن کا پہلی رخ وسط ایشیائی روایت کی طرف ہے۔ اسلوب غالب کی فارسی
آہستگی کے علاوہ زندگی کے وہ مظاہر زیادہ قابلِ توجہ ہو جائیں گے جن کا تعلق ان ممالک کی فنی زندگی یا قاری زندگی کی فنِ تمدنوں سے
ہو گا جو ہم میں اور ان میں اشتراک ہیں۔ تعلیم باب کو آج ایک نئے حلقے سے ملتا ہے۔ ایسے میں کام غالب کو نئے دوسرے سے دیکھا
ہو گا۔ نئے توجہیں عموماً ہوں گی۔ یہ کہ ۱۹ویں صدی دہائی، غالب اور اقبال کی تمدنی باہمیات کی صدی ہو گی۔

جیلانی کامران

غالب کا دوسرا سالہ یوم ولادت

غالب کا دوسرا سالہ یوم ولادت پہلی بار منایا جاتا ہے۔ پہلا ایک سو سالہ یوم ولادت ۱۲ ہرچسے شام کی بارش میں منایا جاتا ہے۔ غالب کے بارے میں منایا نہ جا سکا تھا کہ پہلا ایک سو سالہ یوم یوم ان کی دسمبر ۱۸۸۷ء میں چڑا تھا اور یہ دن انہیں تھا جب ۱۸۷۷ء کو گزرے پچاس سال ہوئے تھے اور لوگوں کے دلوں میں بدشعنی دانے کی بھی بارش تھی۔ اہم ۱۸۷۷ء میں ملک وکٹوریہ کی گولڈن جوبلی منائی گئی تھی اور کسی کو غالب کو ان منانے کا شاید خیال بھی نہ آیا ہو۔ گھاس لئے ایک سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ ۱۸۷۷ء میں غالب کا مقام کیا تھا؟ اور اس کا تین کہیں نہیں منایا گیا تھا؟ غالب کے تمام کو مولانا حالی کے مرنے کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے جس میں کہا گیا ہے:

ایک روشن دماغ تھا نہ بد شمس میں اک چراغ تھا نہ بد

دلک مئی دگر غالب شو
اسد افق علی غالب شو

غلامی کا یہ شعر نہ صرف مقام غالب کی وضاحت کرتا ہے بلکہ اس کا دوسرا صوبہ وقت غالب کی تاریخ بھی دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس مولانا حالی نے اپنے مرے میں غالب کو روشن دماغ اور شعر کا چراغ کہا تھا ۱۸۸۳ء تک مسدس کا شمار ہی نہ تھا اور دانے کی بد شعل صورت دیکھائی تھی اس میں مظہیر القصور بھی مظہر قدس لئے اگر خیال کیا گئی ہو گا تو اسے علی ہمدانی کے لئے موقع اور وقت حسب حال دکھائی نہیں دیتے ہوں گے۔ اہم یہ امر ہے کہ صرف یہ کہ غالب کا دوسرا سالہ یوم ولادت غلامی کا دوسرا سالہ تھا تو اس کا یہ ہرچسے کی گولڈن جوبلی کے وقت آیا ہے۔

گوشت ایک سو برس کے دوران غالب پر دیکھا گیا ہوا ہے اور غالب کو ان کا قتل دیکھا سے بخلاف اس کا کیا ہے ایک سو سالہ برسی کے موقع پر اس کی زندگی اور شاعری کا وسیع پیمانے پر ذکر ہوا تھا اور غالب کی زندگی شاعری کے انگریزی ڈراما بھی شائع ہوئے تھے لیکن خاص امر یہ ہے کہ اس کی سوانح حیات کا ترجمہ لکھا ہوا ہے۔ یہاں غالب سے لے کر دلف رسل کی تصنیف غالب کی شاعری اور زندگی (۱۹۳۹ء) تک حیات غالب کے تفصیل گشتے جان ہوئے ہیں اور غالب کی پڑھتیں اور لکھتیں کے حوالے سے اس کے عہد کی وضاحت بھی کی گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ غالب کی شخصیت کا کوئی پہلو اب نگاہوں سے گزر نہیں ہے۔ غالب اپنے عہد کی نگاہ دہی کے لئے ایک بے حد لہجوں نیکی تازہ کر ظاہر ہوا ہے۔ وہ شخصیت کے ساتھ تہذیبی استبداد کی گہلی دیکھا ہوا ہے اور اس کے درپے اور اس کی مدد سے تاریخ اور تہذیب کے فن لوگوں میں داخل ہوا بھی ممکن ہوا ہے اور دماغ ہوتے ہوئے اسلامی تہذیب کی یادداشتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

غیبت بہت ہی ظاہر ہوئی ہے کہ غالب اور اسلامی تہذیب کا ایک دوسرے کا باہمی انفرادی تعلق ہے۔ تہذیب و تمدن میں مسلمانوں کی عمرانی کا ذرا غالب کی زندگی کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور غالب نے فتح ہوتے ہوئے دانے کی دروازہ صرف دھجھ میں جان کی ہے بلکہ اس کے خطوط میں بھی ذکر کیا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ۱۸۷۷ء کا ذکر آتا ہے اور ان مسلمان بدشعنیوں کا بھی ذکر ہے جنہوں نے برصغیر و عربیہ عربیہ تک حکومت کی لیکن دنہر "اسنے دانے مسلمان کو دیکھا ہے اور اس کا اہل مسلمان کی کی طرف اپنا گزر کرتا ہے۔ دینی ہر عہد کے ساتھ ۱۲۰۰ سے ۱۲۰۰ تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی صورت اسلامی تہذیب کی ہے اور آخرت میں آثار قدسہ بن چکا ہے اور اسی طرح

سکھوں اور لاکھوں میں بھی برصغیر میں مسلمانوں کی تحریکی کے نسلے کا سہ کم ذکر ہونا ہے۔ اس لئے یہ بھی محسوس کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی بادشاہوں دولت دولت دہم دہم ہوا ہے۔ اور شاید ایک وقت تھا بھی کہ نسلے وہ اس کا ذکر بھی لیاؤ نہ رہے اور اسلامی بادشاہوں بادشاہوں کے خلاف ہوتے ہوئے تسلط میں کم ہو جائے۔۔۔۔۔ ایسے۔۔۔ ایسے کو غالب کا تدریجی دور ہو گا ہے۔ غالب کی عظمت اور شہرت ہو گئی ہے جس کے آگے نسلے اور نسلے کے ساتھ پرکرام ہونے کی خصوصیت ہو گئی ہے اور یہ کتنا قدامت ہو گا کہ وہ ایک غالب مہر ہے اسلامی بادشاہوں کی یادوں سے محو نہیں ہو سکتے غالب کے ذکر کے ساتھ اسلامی بادشاہوں آشکار ہوتا ہے۔ یہ شرف گمراہی ہوئی مسلمانوں کی دہشتوں میں بہت کم افراد کو حاصل ہوا ہے۔ اس اظہار سے غالب برصغیر میں مسلمانوں کے باقی اور فی کے آگے نسلے لاکھوں کے باقی ایک پائو اور راجے کے طور پر رونما ہوا ہے۔

مہر ہو کے بنا لو مجھے چاہو جس وقت

میں کیا وقت نہیں ہوں کہ ہر بھی نہ سکوں !

سورج مری کے تکرر سے غالب کے تسلط میں ایک اور سوال بھی موجب کیا ہے۔ یہ نسلے حکومت اور اقتدار کا دفاع نہ کرتی اور فی توہن جلیب ایک کیا مہر جس کو ایک عام شخص دہم گوارے کے لئے ہے جو عظیم دلیل خیال کرتا ہے۔۔۔ ایسے نسلے میں شاعری کیا اور دہم دہم ہے؟ یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا ایسے مہر آنا نسلے میں شاعری ممکن بھی ہے؟ یہ دہم نسلے ہے جس کے انکار میں مجھے شک نہ تھا ہے۔

دن کیا حشر غالب دا

برا مل ہو یا مہر دا

مجھے شک نہ تھا کہ یہ شاعر اسلامی مذہب کے دائرے کو پہنچ کر رہا ہے۔ اور غالب کا یہ شعر ہرگز نہ اسلامی مذہب میں اس نسلے کے انتقام کا ذکر کرتا ہے؟

دراغ فراق صحت شب کی جلی جلی

اک شمع نہ جلی تھی سو وہ بھی شمع تھا

غالب کی عظمت اس امر میں ہے کہ وہ اپنے نسلے کی کیفیت کے آگے گول مہر نہیں ہوا اور فی خاصوں نے اسے ناقص نہیں کیا جو کسی بھی شخص کے لئے مہر آنا جیت ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنے عہد سے بہتر اور بدتر مہر اور فی مہر آتوں کو پہنچ کرے میں کہیں نہ تھا۔ نسلے کی سرحدوں سے کہیں دور گزر گئی ہے۔ تمام جہت کی بات ہے کہ کسی نے غالب کو قرابت کا احترام نہیں کیا اور نہ اس کی شاعری کو عہد کے خاصوں سے قرار کیا ہے۔ اپنی سورج مری میں وہ نسلے کے ہے جو قریب دہم اور عہد میں اور فی اشعار میں کیا ہے جہاں وہ کہتا ہے؟

حشر مل کا دنہ دنہ ناک

تکے غول ہے ہر مسلک کا

کہا گیا ہے کہ غالب کی سورج مری ایک عجیبہ شخصیت کی عہد دہم دہم ہے اور یہ بھی کتا نہیں ہے کہ اس کی شاعری میں عہد کے بارے میں واضح اظہار صرف تو اظہار کی نظم میں ملتا ہے جو اس کے کسی دہم دہم میں شامل نہیں ہے جس کا ایک شعر کہہ دہم پہلے نقل کیا گیا ہے۔ اور جس کا پہلا شعر ہے۔

بلکہ نقل مہر ہے کہ

ہر شمع دور مہر ہے

۱۴

اس حالت میں کوئی خاطر ظہور جواب نہیں ملتا کہ جس نوع کی شعری غالب کے اردو کلام میں ہے اس کا اپنے عہد کے ساتھ کیا فرق پڑتا ہے؟ شعری کی زبان غزل کی ہے اور غزل اس قصب کے استغراقی مزاج کی حامل ہے جس کی فرائض الٰہی کے دن اپنے احکام کو پہنچ رہے تھے۔۔۔ اس لئے یہ سوال بھی زیادہ کاغذ پر اسٹیم ہے کہ غالب اپنی غزل کے ذریعے کون سے قریب اور کس دہلیت کا ذکر اور اقلیدہ کر رہا تھا جب کہ دہلی بدل رہا تھا ایک دور فوت ہو چکا تھا اور دوسرا دور نکل دھارت گئی میں مہولہ قہر اس سلسلے میں یہ سوال بھی ضروری ہے کہ جب ہم غالب کی عظمت کا ذکر کرتے ہیں تو کیا وہ اپنی شعری کے باعث عظیم ہے یا سوانح عمری کے حوالے سے کسی عظمت کا حق وار ہے یا عہدہ کے واقعہ کا کتنی گولہ ہونے کی وجہ سے عظیم ہے؟

غالب کی شعری کی ایک غزلی یہ دکھائی دیتی ہے کہ اس تک پہنچنے کے لئے ایک طرف انداز کمال نہیں ہے کہ ہم اللہ کو ہمیں اور سنی کے اللہ کیا کہتے ہیں بلکہ وہ طرف ہنگامی ضروری ہے۔۔۔ بلکہ غالب کہتا ہے اس میں اپنی توفیق کا ثقل کرنا بھی ضروری دکھائی دیتا ہے۔ غالب کے اللہ اور ہماری کی طبیعت دونوں کے ہم لئے سے غالب کا کلام منظر کرتا ہے۔ ایک غزلی یہ بھی ہے کہ غالب زندگی کے ہر دور قریب سے ہزار کا گزرا دکھاتا ہے اور ہزار اپنے اقلیدہ کے اریبے میں صدائیں کو دہرا کرتا ہے جو لفظوں کے ہرے بھللاتی ہیں۔

نہ کر دیکھوں کہ آئینہ داری

تجے کی تیرا سے ہم دیکھتے ہیں !

ہزار کے معنی تو بڑے واضح ہیں۔۔۔ آئینہ دیکھنے والے محبوب کا اپنے ہر گھل نہ کر۔۔۔ دیکھو دیکھو چن کر ہم آئینہ کا استغدا کبھی اور اس شادی عہد سے معنی تلاش کریں جو غالب کا عہد تھا اس بات تک پہنچیں گے کہ کائنات ایک آئینہ ہے جس میں وہ عکس مشاہد ہے۔ غیر غالب سے ذات ہادی قہر کی مراد ہے اس لئے یہ شعر کہہ میں اپنا بیان دیتا ہے۔

آہ اپنے تب کو عورت سے کہ نہ دیکھ

بلکہ یہ دیکھ کہ ہم تجے کی تیرا سے دیکھتے ہیں۔

اس غزل کا یہ شعر دراصل ہے جو اس غزل کے پہلے میں کہتا ہے۔

ہمیں تیرا شکل قدم دیکھتے ہیں

خیالیں خیالیں ارم دیکھتے ہیں

اس غزل کا آخری شعر شاعر کے ہر سدا کا ظہور کرتا ہے۔

دل کر فقیروں کا ہم بھی غالب

تکشاں قل کرم دیکھتے ہیں !

غالب کی یہ غزل ہماری کو مکالمے کی دعوت بھی دیتی ہے۔ شکل قدم کے ساتھ خیالیں خیالیں کی تکرار سرگوشی اور دھندلہ صرست کا اقلیدہ کرتی ہے قل کرم کی ترکیب میں عظمت کرنی کا عہد ہے اور فقیروں کی ترکیب سے قل طلب مراد ہیں۔۔۔ غالب کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے الفاظ گواہ کر رہی مطلب کو پہنچتے ہیں جو ہماری کے دامن میں گھسکتے ہیں غالب بات ہزار کی کرتا ہے لیکن اشارے میں خاکشیں کے ارسال کرتا ہے جو ہماری کے شعور میں سمورہ رہتے ہیں۔۔۔ غالب کا کلام ہماری کے مطالعے کی روشنی میں اپنی عظمت کو نہیں کرتا ہے۔ لیکن یہ عظمت کس نوعیت کی ہے اور کیا اس کا ساتھ شکل ہے ہزار اور حقیقت کو غالب کیسے بیان کرتا ہے یہ اپنے سوال ہیں جو مطالعہ غالب کے ایک نئے دور کا آغاز کر سکتے ہیں۔

جس تک دانی اور صف کا تعلق ہے وہ اس سے کہی بھی کوئی بڑا شاعر نہیں، لیکن سنگ چٹا انسان اور موشرف ہونا اور بڑا تخلیق کار ہونا عقلی طور پر وہ جدا جدا چیزیں ہیں، یعنی کے بعض حصے اور حال کے ایک مخصوص شعور کے بارے میں جو کئی مصلحت و منہاج ہیں ان کی روشنی میں ان میں سے "سب کمال" کو کم عرف ادا ہے۔ سب اچھے سے ایک حوالہ (امداد) پر قبضہ (ملائی) اور تمام طراز اور نہ جانے کیا کیا حالت ہوتے ہیں۔ "ہونا" کا تو سب "آب" حالت "میں" صحتی میر کی یہ تصویر صحت کی شاید اس میں مبالغہ کا رنگ بھی شامل ہو چکی ہو۔ میر نے اگلے اپنے بارے میں بہت کچھ کہہ رکھا ہے۔

اکی بھی بڑا حوالی در اندر میر تم کو !

ابھی ہے دیش سے بھڑا ہے آہلی سے

شاعرانہ فنی اور اسلوب کی عبادت کسی نہ تک نہیں ہیں۔ وہی بات۔۔۔ میں نہ دائم فنانی تعلقات۔۔۔ میں سے تخلیق کاروں میں ہنک تو آسکتی ہے اور شعر میں مس دہن کو بھی بھی بڑا ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ تخلیق نہایت کچھ تخلیق اور کچھ ناقابل حجت نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ ہے کہ بڑا موصوفی، مصلح بڑا موصوفی ہی حجت ہو سکتا ہے اس نے عقل سے کہا تھا۔

کچھ کہے تھے ایک آج بھی ہو آ ہے موشی !

یہاں وقت شاعرانہ سے بلکہ حاتم حاصل کر لیتا ہے تو وہ بھی اس بات !

یعنی کے برعکس اب تحقیقات میں پہلے یا بعد کی کلموں اور شعروں کے ذریعہ سے وہ طرے حاصل کی جاتی ہے وہ سرب کی صورت ہوتی ہے جس طرح قسم عقلی گانے یا کوئی چور "مصور" ہو جاتا ہے اسی طرح تخلیقی کا بہت آرتے ہی چڑھے لہذا میں سے وہاں بھی خراب ہو جاتی ہے۔

ان سب امداد کے مقابل میں شاعرانہ پیغام (صور رسد) (مصور حالت) (شعور و تفکرات) واقعی اہم حالت ہوتے ہیں اور اگر ان میں جان ہو تو یہ نہایت کا مقابل بھی کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حافظ کا اور علامہ اقبال کا دیکھا گیا ہے کہ شاعر کا طور اور طرز انداز بہت مشکل ہے۔ جسے حافظ اس لئے دیکھا میں کہ وہ اپنے شاعر بھی تھے بلکہ ان کی زندگی ان کے شعور سے بڑے ہیں۔ شعور کی بڑی اور سوچ کی ضرورت کے باعث ہے۔ علامہ اقبال اور پیغام کے سلسلہ میں یہ عربی بھی ہے کہ اگر حجاز کی فلسفیانہ باتیں رقم ہو جائے اور قری کرکے حجاز قرار پا جائے تو اس کا عکس پڑے وہی شاعری بھی کم اعتبار حالت ہو سکتی ہے۔

تو پھر وہ کون سی خصوصیات ہیں جو شاعر کو دیکھ کر کہتی ہیں ؟ اور خصوصیت کے کل میں سے اپنی شاعری میں دیکھیں گے والے خصوصیات کی تفصیل ممکن ہے اس ضمن میں خصوصیت کی اس فراہم کرنے والے دانشور کا اہل و عارف کا بھی کوئی فکر رکھنا ضروری ہے کہ ان ہی کی وجہ سے شعور کی کثافت میں خصوصیت کا سوا تخلیقی خصوصیت کے کون میں تبدیل ہو آئے ہے۔ تو میر کی مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے کہ طراز (حق) اور حوالی (مواہم) و زوری (تلف حوالی اور ان ہی سے مشورہ دیگر عقلی دیکھ کے جانے کی یہ اصول عقل سے "تخلیق" کے اہلیت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہ میر سے کہتا ہے۔

آہ دانی ہے قاری ہے کسی نے خالق

کیا جتہ وہ دیکھ بھی کے کی کو یہ آنکھ دہی

واقعی صریح شعر کہتا ہے تو یہ ہمارے عقلی دیکھنے اس کی تخلیقی خصوصیت کو قابل مہیا کرنے والے حجت ہوتے ہیں۔

تخلیق (مگر توجہ) اسلوب اور خصوصیت کے استخراج سے جو اپنی شاعری اہم لے گی اس میں اپنے صریحے ملوا کر کہ آئے والے دیکھ

۱۱۰

لم اگرچہ جانتا کسل ہے پ کسل بھی ک دل ہے
لم خلق کرت ہوا لم مددگار ہوا
مک سے دگر ہوا ہوا تو مست چاہا ہے مک
چشمیں مجھ سے ہائیں اتنی کہ آئیں نہ چھیں

غالب کے خطوط میں بھی بعض اوقات کار تو علی اذات ملتے ہیں لیکن اس خط سے یہ منہ بھاتی طرز
ابتداء شباب میں ایک مرثیہ کمال نے ہم کو یہ نصیحت کی کہ ہم کو دہدہ دروغ منظور نہیں ہم مانع خلق و بطور نہیں بچ کھڑے جسے
الافاخر یہ یاد رہے کہ مصری کی کہی ہو "شہ کی کہی نہ ہوا نہ میری نصیحت" علی رہا ہے کسی کے مرنے کا وہ تم کہے جو آپ نہ
مرے نہیں شک افغانی اعلیٰ کی مرثیہ غزلی آزادی کا شعر ہوا "م نہ کہتے۔"
اس انہیں کے بعد یہ شعر پڑھیں تو بات کمال سے کمال تک جا پہنچتی ہے۔

تو جلت وہ لم اصل میں دلوں ایک ہیں
موت سے پہلے توئی تم سے نہلت پائے کیوں

یہاں "علی" دوجہ اور اس سے بھی دھلی آموزی ہے جس کی وجہ سے غالب ہر لمحہ میں حیلن رہا ہے مگر ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ
وجہ ہے۔۔۔۔۔ طبعی !

غالب نزل کا شعر تھا اور "تکلیفے غزل" کا شکی بھی۔۔۔۔۔ مگر اس کے باوجود غالب کے ہاں بعض علی قصودات کے بارے میں تبلیغ
اثرات بھی مل جاتے ہیں۔ ہزار بارہ سو اشعار پر مشتمل دواؤں غالب مصلحتوں کے لئے لکھے دیکھ کا حال ہے کہ دواؤں کا مطالعہ گویا دستان
کمال کیا "کا عالم چوں کرتا ہے غالب کے کام کی ہر دلی کا یہ عالم ہے کہ بعض ہدیہ علوم کے حوالے سے اور ان سے حلقہ سے مہارت
کی روشنی میں اشعار کا تجزیاتی مطالعہ کرنے پر فکر و نظر کے لئے امکانات ابھارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسے لئے تعلیمات سے لے کر تعلیمات
تک حدود فلسفہ اور علوم کی روشنی میں اب کام غالب میں فکر و قصودات کے دوسرے حلقے کا ہر پہ ہے اور یہ دلی بات
ہے۔ واضح رہے کہ غالب حاضر اقبال کی مانند ہندو کا نام جلت اور ہندو کا حال ہوا مرنے فلسفہ وہ درد کی مانند علی صوفی قاتلہ فراتینہ کی
مانہ حیلن نفسی کا باہر اور نہ ہی طبعی اہم طبع کی مانند ترقی ہندو۔۔۔۔۔ مگر ان سب کے لئے دواؤں غالب میں سے اشعار دستیاب
ہیں۔ غالب نے طبع کے اس شعر۔

حق صراحت و قلم بھی کسی تو کیا تم ہے
کہ خون دل میں ڈوبی ہیں انگلیاں میں نے

سے کہیں پہلے یہ شعر کا تھا۔

لیکھتے رہے جنوں کی تعلیمات غریبوں
ہر چند ہاتھ اس میں ہوتا ہوا قلم ہوئے

دودھ دوتے ہوئے بھی یہاں شعر کو کیا۔

نہ تھا کہ تو خدا تھا کہ نہ ہوا تو خدا ہوا
تو تھا کہ تو کو نے نہ نہ ہوا میں تو کیا ہوا

اصلی ہے جس (APATHY) کی لفظی اصطلاح سے پہلے غالب کا یہ شعر رہا ہے
 ہوا جب تم سے یوں ہے جس تو تم کا سر کے کئے کا
 نہ ہوا کر جدا حق سے تو زانو پہ دھرا ہوا
 جب کہ فریاد کی جھیلی جس سے کہیں پہلے یہ شعر کہا

دوڑ پکے غنچوں پر (۱) ہے مجھے
 سدا شکر گل اچھی کھر (۲) ہے مجھے

جہاں کے سلسلے میں وہ یوں گویا ہوا ہے

سب کمال تکہ ادا دگر میں جھلیاں ہو گئیں
 خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پتلی ہو گئیں

غالب کہہ رہے ہیں کہ چکا قول

آئے ہیں غیب سے یہ عطائیں خلیل میں
 غالب صبر خلد لڑائے سرواں ہے

اغراض: اہمہ کھلیجہات معارفات مصری شعور و کشید ذات و طور و حال۔ زندگی کا شہرہ ہی کوئی ایسا پہلو تھا جو جس نے غالب کی نگاہ
 نہ گئی ہو اور اس نے اس کے بارے میں اظہار خیال نہ کیا ہو۔ غرض کہ وہی مختصر سی جگہیں یہاں اقتصاد و حیثیت کے طور سے منور

ہے۔

پور آخر میں غالب کی مصری معنیت کے حوالہ سے ایک سوال۔ کیا آج غالب کی ضرورت ہے؟

جی ہاں آج ہمیں نہ صرف غالب کی ضرورت ہے بلکہ اس کا پورا پورا۔ یہی لہذا ضرورت ہے کہ اس جیسے وسیع الشرب موجد ادب
 و سہم واسطے جہاں عربیہ زندگی پور صورت کی دہلی کا احساس ملنے واسطے شعر و نظم و نثر اور پڑھنے کی کئی کم کرنے واسطے صاحب
 ثم صاحب نظر اور صاحب دل۔ دانشور شعری ضرورت ہے کہ صبر جعفر میں یہاں غالب ہیں۔

حواشی:

۱۔ مقالات شعور "غالب شامی نو" نامہ نیاز "مربع"

۲۔ اکمل سلیم اختر، ۱۹۸۷ء

۳۔ سید محمد "مظہر" کراچی - ۱۹۸۷ء

۴۔ مقالات سید محمد "مظہر" انجیل پبلی کیشنز - ۱۹۸۷ء

غالب کے غزل: "آتشِ فرہادی پندگس کی شرفِ تحریر کا" جاپان میں ترقی

مستقیم و غیر مستقیم

越江是也。○

彼は愚心をこぼすやうに、首の端を方の氣紛れに
それぞれ人の道は、孰うも

秋娘の夜の新王座の苦しめば 聞かずにてくれ
夜を明かすのは 足利の運河を渡るうに同じ

死への命をくだす熱情は、見るに堪へず、
新の預め外にある。石の意は

賢人の聞く時を怠けても怠けても
わが言葉の色味は不変鳥のこゝろ

おま、おーり、ぶよ　おぼ、指ぬれの中、でも足裏に足が付いた者
紙を、坪を、傾の、輪は、越え、と、う、駈、走、る

[illegible]

こそ、イラシでは不承不慮の
 被害人は誰の咎を爲す能は
 ずの所へ打倒に付いた。
 是もエファルハートは心で喜
 びていた志人シーリー
 とうとうにシーリーンが
 園にまでほど運河を掘
 いた。ミルタ運河とは密
 かつくでなく、山を下
 へ流れる水は遠くから来る
 と昔々ころのうように思
 いたる。

کے شیعہ میں اردو پڑھانے پر مامور ہیں۔ اور اس شیعہ کے صدور کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

پروفیسر کٹو کا نے فیض کا منتخب کام اپنے تجربے کے ساتھ ۱۹۳۳ء میں شائع کیا۔ یہ کیفیت فیض کا ترجمہ بھی کر چکے ہیں۔ ایک طویل عرصے سے چینی زبان میں اردو ادب پر محققانہ کام رہا ہے۔ ڈاکٹر نسیم کاظمی نے ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۱ء تک کی دہائی میں شائع ہونے والے فیض حقائق کا مطالعہ کیا ہے۔

۱۹۸۸ء میں پروفیسر کٹو کا نے سنو کی کتاب "مٹی فلوئر" کے افسانوں کا چینی ترجمہ پروفیسر سوڈی ڈاکٹر کٹو کے ساتھ مل کر کئی صورت میں عرب اور شائع کیا۔ سنو کی بارہ کہانوں کے اس مجموعے کی سات کہانوں "خمشید سلاو"، "نارنگی"، "نوروز"، "نوروز"، "نوروز"، "نوروز" اور "نوروز" کے تراجم کٹو کا نے کیے ہیں۔ ۱۹۹۰ء میں سنو کی نو کہانوں پر مشتمل ایک مجموعہ "نوروز" کے شائع ہوا۔ اس کے عرب اور حرم بھی سوڈی ڈاکٹر کٹو اور پروفیسر سوڈی کٹو کا ہیں۔ اس مجموعے کے تین افسانوں (تک سوک کے کلمے اور مٹی) کا چینی ترجمہ کٹو کا نے کیا ہے۔

پروفیسر ایک اختلاف اور کیا کہیں پروفیسر سوڈی کٹو کا نے اقبال سنو اور فیض پر اپنے کہوں کے بارے میں مجھے لکھا کہ ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۰ء میں میں نے سنو کے افسانوں کے چینی ترجموں کے "مجموعہ پروفیسر ڈاکٹر سوڈی کے ساتھ شائع کیے ہیں (تین اقبال کے بارے میں "مجموعہ اور ادب" شائع کیا۔ چینی میں ترجمہ (اور) اقبال کے حلقہ پند مضامین۔ فیض کے بارے میں میرے کام کے "حوالے ہیں۔

(۱) "نوروز" فرائیڈ دوست بہاد افسانوں پر دوست اور سنگ تمام شہزادوں اور میرے دل میرے مسافر چینی میں ترجمہ کر چکا ہوں اور اپنی طرف سے شائع کر چکا ہوں۔
(ب) ۱۹۸۸ء میں فیض کی تھیں اور غزلوں کا انتخاب (میرا کیا ہوا) شائع ہوا۔ اس میں "تقریباً" ایک سو ستر تھیں اور غزلیں شامل ہیں۔"
ڈاکٹر نسیم کاظمی (میں ارمین ارمین کاظمی) (۱۹۸۸ء)

ڈاکٹر نسیم کاظمی کے بقول:

پروفیسر کٹو کا کا خصوصی موضوع اردو ادب ہے۔ کتا ہے جان ہو گا کہ اردو ادب ہی ان کا موضوع ہے۔ "اردو شعرا" میں سے اقبال فیض میرا کی رائے کوئی آخر شیرازی ناصر کاظمی اور دیگر پر محققانہ کام کر چکے ہیں۔ ان کا سب سے اہم کام غالب اور فیض کا مکمل چینی ترجمہ ہے۔"

پروفیسر سوڈی کٹو کا نے چینی میں غالب کے بارے میں اردو ادب کا ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمے کی کتابی اشاعت سے پہلے انہوں نے اردو ادب کا حدود و احاطے سے تنقیدی مطالعہ بھی کیا۔ چینی زبان میں ان کے چھ مطالعات اشاعت کا ایک مجموعہ "تحقیقات اردو"

۳۰ اس ضمن میں دیکھئے :

(۱) غالب کے کلام میں الملحق حاشیہ "علوم سنیہ" کی گرامی ۱۹۷۰ء میں ۸۵-۸۷

(ب) ضمنی : نکل داس گیتا دشا "غالب ہند" دہلی : انجوری ۱۹۹۷ء میں ۳۵-۳۶

۳۱ ڈاکٹر سلیقہ ذکی "محمد حبیب — حیات اور ادبی خدمات" دہلی ۱۹۸۳ء میں ۳۷

۳۲ پاول کی دشا "اعظم مکتبہ" ۱۹۹۷ء میں ۳۶

۳۳ رشید احمد صدیقی — شخصیت اور فن "از : ڈاکٹر سلیمان الطمر بلوچ" طبع کوسل ۱۹۸۸ء طبع ۱۰ حیدر آباد دکن : ہفتہ جون ۱۹۷۶ء میں ۲۲۵
اس مقالے پر جامعہ علیہ سے ڈاکٹر بیٹ ٹی۔ گران کار پروفیسر مسعود حسین خان تھے۔

۳۴ ڈاکٹر سلیقہ ذکی کا مقالہ "محمد حبیب — حیات اور ادبی خدمات" پر جامعہ علیہ اسلامیہ "دہلی نے بی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی۔ یہ تحقیق
مجم پروفیسر گوپی چند بارگہ کی گرامی میں انجام پلا۔ کتاب انجوری ۱۹۸۳ء میں دہلی سے شائع ہوئی (مجلت ۳۳۶) پروفیسر محمد حبیب کا انتقال
انجوری ۱۹۸۵ء میں ہوا۔



گاللیہ—

مکاتیب یاتک جلال بزل

کتاب—شوقی جاکہ جاکہ بزل

—

مولیٰ برقیہ کراچی

بکلائیہ

—

مولیٰ برقیہ کراچی

برقیہ کراچی

—

بکلائیہ بکلائیہ بکلائیہ بکلائیہ (پاکستان)

مولیٰ برقیہ کراچی

[1999]

خالد

جنوں کو کوئی چنگا آئی

—

مولیٰ برقیہ کراچی

—

مولیٰ برقیہ کراچی

—

خالد

سپ چنگو جنوں کی چون

مولیٰ برقیہ کراچی

مولیٰ برقیہ کراچی

—

مولیٰ برقیہ کراچی

مولیٰ برقیہ کراچی

مولیٰ برقیہ کراچی

خالد

کہ ہوگی آنیا سارا

خالد

چہ ہوگی آنیا سارا

مولیٰ برقیہ کراچی

—

مولیٰ برقیہ کراچی

—

غالب پنجابی میں



کہتے ہیں ہے غم دل اس کو سائے نہ بنے

کیا ہے بات جہاں بات بنا سکتے نہ بنے
میں بھلا تو رہیں اس کو گرا سہ جہنم دل

اس پر ہی جانے کیجیسی کہی آئے نہ بنے
کھیل بھلا ہے کس جھڑنے بھول نہ جانے

کاش بولیں گی جو کہیں میرے سائے نہ بنے
ظہر چہرہ ہے تے توں ترے خود کو اگر

کوئی بوجھے کہ یہ کیل ہے تو چھپائے نہ بنے
اس نزاکت کا بڑا ہو، وہ بھلے ہیں تو کیا

ہاتھ آدمی تو انہیں ادا لگاتے نہ بنے
کہہ سکے کون کہ چہ سہو گری کس کی ہے

پروہ جھڑا ہے خود اس کے کھاتے نہ بنے
موت کی راہ نہ دیکھوں کہیں آئے نہ بنے

تم کو چاہوں، کو نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
برجہ وہ سر ہے گرا ہے کہ اٹھائے نہ بنے

کام وہ آن پڑا ہے کہ سنائے نہ بنے
جنت پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب

کو لگاتے نہ گئے وہ بھلائے نہ بنے

اور ہوتے ہے جنت اسے لازمی حکم استایاں گ نہ بنے

اتھے گل کی پیری، سکری نے سچا گل دی بنایاں گ نہ بنے
میرے بند ہیں آؤ نہ انہیں تھے لازمی ایسے بچاؤ کی

وہ سے دل آؤ نہ کی وجہ سے ہے بنی نہیں آں گ نہ بنے
حال تے حالے دل لیاں، کتے بھلا بھلا بھل نہ بنے

نہب اوہ سے دل آؤ نہ پڑے ہیں نہیں بنایاں گ نہ بنے
جو غیر توں خود کہہ بیٹھیں، روٹی کے لئے لاہڑی چہرہ دای

کوئی دیکھ کے کچھ نہ بنے، اوہ سے بنی لکھیاں گ نہ بنے
میں نہ کیا آپ تے ہے جنگ، دیکھیں چند لوگ تھے بنی تیں

کوئی قسمت ہی ہے جتنے کوہ سے بھلا مال چہ لیاں گ نہ بنے
ہرے بوج تو نہ ہو گیا، کوئی دیکھیں والا آؤ نہ بنے

اور پروہ اوہ بنے سب سے بھلا مال چہ لیاں گ نہ بنے
کیوں موت دی راہ نہ بنی، جتنے کہہ آؤ نہ بنی تیں تریا

میرے تیرا ہے اترا ہے، اترا ہے نہ بنی بنایاں گ نہ بنے
بھٹوں چوڑی گنہ گری آؤ نہ بنی، گنہ گری نہ بنی تیں تریا

کوئی دیکھیں ہرے بھلا بنی، بھلا بنی نہ بنی تیں تریا
نہیں جنت ہر دہانے زور نہ بنی، اسراگ تے غالب نہ بنی تیں

کوہ چہ کس نہ بنے تیں تریا، ہائی مال نہ بنی تیں تریا

غالب سرائیکی میں

دائم کچھ ہوتے ہیں اتہ جس میں میں 'دائے' اس لئے کہ یہ ہے 'اردو طرزِ محفلِ مطنی پاکستان کی بولی' سرائیکی کو نہ جانتے ہوتے
 بھی اپنے محبوب شاعر غالب کو پہچان لیں گے۔ یہ میں زیر میں جلد کر ہے۔ حرم کے حسن سے وہ میں اردو قلم و کلم سرائیکی میں
 نقل ہو چکا ہے (اردو)

لہو نہ ہی اسوی قسمت 'جو وصل پار ہوتا
 دے دے دے تے ہیں چننے تے لیے ہائی کوڑ کھیر
 چننی تار کی کھوں پھوہا ہا قول ادا
 کوئی میڈے دل توں کچے میڈے تھر لہو چبے کوں
 یہ کھوں وی دوستی ہے جو بڑا ہے دوست باج
 جو بھر وچوں یہ دگرا تھی لو کڑا میں نہ تھوڑا
 یہ جو ڈک ہے جان کہہ س لیے دل ہے کالی کرا
 میں جو آکھن 'نیکوں' آکھن 'نکی دلت کہ با ہے
 تھنے مرے وی جو رسوا تھنے کیں نہ غنی دیا
 لوگوں ڈکھ کون کرا جو ہے کاکہ تے دگرا

اچھے سنے تے صرف یہ میڈا بیان غالب

نیکوں تھی دل بھرے جو نہ ہوا خواہ ہوتا

قلب کے خطوط کا دھرا مجھ کو "موت" سے قبل قلب کے تھکن کے ۱۸ روز بعد ۶ مارچ ۱۹۸۸ء ملحق اکمل افغان میں چھپ کر چھپا ہوا حصہ دوم ۱۹۸۸ء میں ملحق چھپائی دلی سے شائع ہوا اس کے ساتھ حصہ اول میں لکھا ہوا پہلے بھی چھپ چکا تھا حصہ دوم میں غصی

۱۰ مراد ہے جو خاتم المراحل کا تصور تھا۔ یہی حقیقت ہے شخصیت محمدی کی 'فردی' معنی میں رجعت اعلیٰ میں ہونے کے — باب اولیاد
لے کہ وہ افلا معلیٰ میں دیکھا کہ نقوش بشری پر دائم غالب ہے اور مخلوق دعوتِ دلت سے غلام رہ جاتے ہیں اور پھر ان کو کھانچیں گے
رہا ہے نہ انہیں کے 'بہار اطفال' دلاؤ کہ وضع کے ہر وقت 'میل' اس سے اچھی ہے اور وہ دلت دلت ہے غریبی ملتی رہ جاتے
قیقہ" یہ انتہائیت طویل ہیں لیکن ان کا ذکر یہاں اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ غالب کی ہی یہ خبر ہے اس ترکہ
چند کر اس دور کی ترکہ انوار نکلا جاسکتا ہے اب یہی وہ غالب کی ہی ترکہ کے نمونے سامنے آئیں گے جن سے
موازنہ کرنے میں آسانی ہو گی اس تبدیلی کا بھی انوار ۱۰ کا کہ غالب کی خبریں تھی تبدیلی آئی۔ اس میں منجھو کی
جاسکتی ہے کہ وہ کیا وہ بات تھی وہ غالب میں تبدیلی کا سبب نہیں۔ (ج۔ ک)

لیکن ہے غالب اس تبدیلی کی زد میں نہ گئے ہوں لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی ایک سری شخصیت ضرور
جانتے تھے جب انہوں نے اردو میں خلا گھسے شروع کئے وہ جہاں کہیں وہ تھا جیسا "ملتی" سماجی اور اخلاقی قدریں ٹوٹ رہی تھیں۔
غالب بھی سماجی مشکلات کا شکار تھے اسی کوئی نہیں تھی پہلے انوار میں تھے اس لئے نگ دست تھے اپنی خاموشی و دلیات کو زندہ رکھنے کے
لئے وہ قرض بھی لیتے تھے۔ ان باتوں کا ان کے خطوط میں بڑا اظہار ملتا ہے انہوں نے ہر طریقہ کھد کیا اور اس میں وہ جیتے جیتے
نور میں کو جس "موج" انتہام اور کمال کے ساتھ برآں اس میں وہ لیل بھی ہیں اور آخر بھی کبھی کبھی وہ غریبی میں بھی ضرورت کے وقت کھینچ
رہے لیکن ۱۸۷۸ء میں انہوں نے قاری نگاری قطعی چھوڑ دی اور اپنی وقت یعنی ۱۸۷۸ء تک وہ اردو میں ہی خطوط لکھتے رہے۔

ان کے خطوط کے چار سے زیادہ مجموعے ہیں یہ "قیقہ" نو سو صفحات ہیں۔ خطوط کی تعداد ۸۷۵ کے قریب تھی اگرچہ وقت کا شمار
تصنیف میں نہیں ہوتا لیکن یہاں مسدوم مجموعہ "قیقہ" غالب کی مستقل تصنیف کہلانے کا ان خطوط میں غالب کی لکھ کر طرزِ فکر ہے ان
کی شاعری "قرینت" واپس لکھتے ہیں داخلی میلاد یا اس کی تخریب یا شکرگوں کے کلام کی مصلحت ہیں عام خطوط کی نسبت ان میں جو بات
انہیں ہے وہ یہ ہے کہ اکتھب "کتاب مزاج پر ہی اور طبیعت نگاری پہلی نہیں یہ بات نہیں کہ ان باتوں کا ذکر ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ کیا کہ
ان باتوں اور ترحیب کے وہ قائل نہیں تھے کبھی وہ اول سطر سے ہی مضمون شروع کر دیتے کبھی لکھتے تھے ۷ سے "عطر" موندی اکتھب
لکھتے تھے "شا" میں "برخوردار" بعد "دور مدراج" جو "درد" "مندی" صاحب بھی جان کے کھن میں سرسوزا میں میرے صوفیا بھی جان
مردا "نقد" غنی "دلی" کبھی یہ سب غالب اور علا کا انداز ہے ہو کہ وہ صاحب تم کیا چاہتے ہو؟ یا "مردا" "لاحمی" جواب ملتی ہے اسی طرح "دعا
سلام" اور اپنا نام اور "مرد" لکھتے ہیں کبھی کوئی پنداری نہ تھی مثلاً "دور ختم راحت" میں میر سرسوزا میں بیٹے "دعا" اور خوش "دعا" "تجد" کبھی آپ
کو یہ بھی قیال آتا ہے کہ کوئی "علا" دوست غالب کہلاتا ہے وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیوں کر جیتا ہے۔

مکملے کا انداز ملاحظہ ہو

"مندی" کھ میں اور تم میں بندہ نگاری کا ہے کہ ہے اب حضرت سے باتیں کر چکا علا کو سرمد کر کے کہہ دو رہا ہوں"
————— میرا عطر سرمد ہے وہاں بیٹھا ہوا ہے علا کھ دہا میں جو غلی جگہ "دعا" سے نکلا یعنی جو غلی جگہ "نہاد" کی سوراں "دعا" وہ
تھیں؟

حضرت ابھی نہیں!

کیا آج نہ جائیں گی؟

آج ضرور جائیں گی قاری ۱۰ رہی ہے!

مراقبہ شہد کیم جون دقت ۶ بجے ۷ کے عمل میں ۱۸۷۸ء غالب

”کائنات کی جدت یہ ہے کہ کثرت ہے کہ خلقت کرتے کرتے قیام کر لیتے ہیں پہلی تک یہ لوگ حق کے انوار چاہتے سے رافت نہیں ہیں۔ اس کو کثرت ہے کہ فیئر کھ لیتے ہیں۔ ہر صدی انہیں کو لگتے ہیں ہر صدی ”جیتے رہو“ انہیں صد ہزار آفریں اور تجھے لایا لایا اچھا لوگ ہے کیا ہے کہ لگے رافت آئے گا ہے سنو ہاں کی تمام مل و حق و دود گروہ کی کثرت و جناب اعلیٰ میں مگی ہے یہ غور مہارت جس میں دلت تھی۔ سو ایک عالم بنی پت انسانوں کے کھلے کا رہتے دھانوت لے گیا مگر میں نے اس کو کھل کیا“ لڑ کر کہتے دے ”پہلی عالم سے مراد ہی ہر صدی ہیں

اگرچہ اس کی وجہ سے

[illegible]

مکملہ کو دیکھ کر انکار ہوئی نہ حقیقہ نہ توجہ نہ شک و دودش نہ غرض ہوئی نہ مالوش نہ سودا ہوئی نہ ذوق۔ چنے ہمارے ہوش کے جاتا ہوں دہلی روز کھاتا ہوں شراب کھ کھ چاتا ہوں۔ ہاپ سوت اگے کی سر دھائی کھ نہ شکر ہے نہ شکایت ہے جو حقیر ہے وہ مکملہ شکایت ہے ہمارے ہیں دوسری طرح رہ رہتے ہیں ایک بار ادا کھاتے

انہیں صاحب دیکھے ہی دو کہ با کبھی سو کہ اکی؟ اور اگر کسی طرح میں نکلے تو دیکھنے کی وجہ تو کبھی۔ میں اس غلطی میں صرف غلوں کے بیرو سے بچتا ہوں لیکن جس کا لڑا کا میں نے بھانک رہا تھا وہ غصہ تحریف قیاد۔ لڑا کا اسلئے ہے کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جو عطف و جہت سے دوچار نہ رہے۔ آج کل ہر ایک ایسا ہی دن ہوتا ہے کہ وہ دہرا دہرا کا ہر ایک خطا آتا ہے ایک دو بچ کو ایک دو شام کو۔ میری دل کی ہو جاتی ہے۔ دن دن کے پڑنے اور جواب کھینے میں گمراہ ہوتا ہے کہ صاحب؟ میں دس دن ہار ہار ہار سے تھک رہا ہوں کہ میری تم میں آئے۔ لڑا کھم صاحب۔ نہ کھینے کی وجہ کھم کرہ کہنے میں غلط نہ کر۔ لڑا ہی ہے تو جیگ کھینے۔

ازب اکھن لڑاں اور خان کو کھینے ہیں :

”— اہل قضا باپ و بیٹوں سے ملنے لگے کہ اچھا ہے۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا چہ کر جا۔“ مجھے انھوں نے کئی ہی طرح دیا ہے۔ یہ شعر شاعر نے کئی کئی بار کہا ہے۔ یہ شعر آج بھی کہہ رہا ہے۔ یہ شعر آج بھی کہہ رہا ہے۔ یہ شعر آج بھی کہہ رہا ہے۔

”صاحب! زہد نہیں اصرح سخر اداس سے فرض کیا اصرح روپاری ملی کو دلا اصرح ٹوب چاہتے تھے نہ کسی کو بھی چاہتی۔ ہر ایک کے پاس تنگ مٹی سے بھر کر لکھا۔ چلتا نہ ملتا نہ سوتا اس سے بڑھ کر کہ ہمت کو دہلی کا طریق چاہتا ہے کہ سب پانی پھر بھی خلیا لے کر دے دیا بھی فور سے کہہ دیا دیا بھی ملے سے ڈرے سے بھیجے دیا۔ گزرا مشکل ہو گیا دوسرا دوسرا لاکھ ہزار دے لگ سوا کر کیا کہو؟ کنلی سے گھاسٹل لٹاں قرصہ لٹاں نیلیں دھاتل میچ کو تھپہ حلوہ چاہتے لاکھشت تو معلہ رات کو شراب و گلاب سوتولے۔“

— ہاتھوں نے پچھا حمید شراب کب تک نہ پیے گئے؟ کہا کیا ہب تک وہ نہ پیا کیے پچھا نہ پئے تو کسی طرح پیے گئے؟ جواب دیا کہ جس طرح وہ چاہی گئے۔“

مہلک بیماری صحت میں ہول مچا سکتی ہے۔ پختہ ایسے کام ہے جنہیں ٹھک رہی ہیں۔ فوری پہل کرنا چاہئے۔

”میں نے گزری دن چڑھے پہنچ کر درخواست کر کے رہی ہوں۔ قصہ یہ تھا کہ بکھرے رہیں وہاں قاضی کی کھانچن نہ پائی۔ ہمارا ڈاکو روایت ہوا۔ وہاں پر خود مار باقر علی اور حسین علی کھواں ہیں۔ سارا مال دینے چار گزری دن سے میں باقی ڈاکو سوائے میں پہنچا۔ وہاں ہاتھیوں کو چھلے ہوئے گوشت لودھوں کو کھلنے ہوئے پلا۔ گزری بھر دن سے بھلا کر۔ میں نے ہتھاک بھر کی دوا کھلا۔ دو ہاتھی کھپ اس میں اڑل دینے دھرتی ہو گئی تھی۔ شرباب بی بی کھپ کھائے لڑکوں نے لوہے کی پیموری پکھلی۔ سوپ کھلی ڈال کر کھپ بھی کھلی اور سر۔

نے اپنے غلوں میں کہیں کہیں اپنے احساسات اور جذبات کا بڑا اظہار بھی کیا ہے کہیں مٹھ کر کیا ہے کہیں ہاتھ میل ڈالنے میں اتارا دی ہے اصل میں یہ بھی غم کی ہی صورت تھی۔ غالب کو بھی کیا سمجھتے تھے۔ ہندوؤں نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا اور مسلمانوں کو مستوجبِ کیا گیا۔ اس کا اثر بھی غالب کے غلوں میں ہے یہ خود ہے کہ وہ اپنا قصیل میں نہیں سمجھے۔ خد کہ دور غالب کا آخری دور ہے وہ بہت حساس ہو گئے تھے اگر وہ شاعری اور استعارہ شاعری میں زیادہ وقت صرف نہ کرتے تو شاید ملی کی چٹی پر اور بھی اشتراک کرتے ہر حال انہوں نے اپنے دور کے ملی کا بار بار بد تشبیہ سمجھا ہے اور چٹی کے ہر حاضر پیش کیے ہیں۔ وہ گریخ کے غالب غم کے لئے بھی بد تشبیہ رکھتے ہیں اس لئے کہ گریخ کی نکلوں میں ختم و دھماکہ کم ہوتے ہیں۔ دوسرے اس دور میں سورجی نے بھی مسکیت سے کام لیا ہے اس لئے وہ بھی تصویریں ان گریخ کی نکلوں میں نہیں ہیں جن کی حقیقت حقیقی ہے۔

ملتی تھو کہ گھٹتے ہیں :

”..... میں جس شرم میں ہوں اس کام بھی ملی اور اس جیسے کام ملی ملوں کا ملہ ہے لیکن ایک دوست اس جنم کے دوستوں میں سے نہیں پڑا ہانک دلاؤ اور صحت کو سلطان اس شرم میں نہیں جھک گیا ابھر کیا غیب کیا اعلیٰ خوف اگر کہہ ہیں تو بار کے ہیں بدو جہت کہہ کہہ ابد ہو گئے ہیں۔“

اب پھر تو ان کے ممکن قسم میں بیٹا ہوا صاحب ہند میں تحکم اور حسن حال مرحوم کے مکان میں نو دی سی سے کہلے کو رہتا ہوں اور وہاں غیب کیا چلوں پڑا چلی گھر جہاں کے اور وہ فکر ہیں۔ راجہ نندو سنگھ بہادر دلی بیٹا لکے دیا صاحب نے صاحب ملی شرم سے خود کا قیام بد تشبیہ دوست ملی یہ ایک ہے۔ چنانچہ راجہ راج دھانی کے چچی میں اگر بیٹھے اور یہ کچھ غلوں راجہ دند میں کہیں اور یہ شرم کیوں؟ یہاں نہ چلتا ابھر غیب سب اکل گئے وہ گئے تھے کھالے گئے۔ ہاکیچا دار’ ہاشمی دار’ دولت مند’ اعلیٰ حرفہ ملی بھی نہیں ہے۔ مسلسل مسکیت گھٹتے ہوئے دارا ہوں۔ ہندوئی غم پر شدت ہے۔ ہار پر ہی اور دارا گیر میں جھکا ہیں۔ گردہ فکر ہو اس بنام میں اگر ہوتے ہیں اور ہنگامت میں شریک ہوتے ہیں۔ میں غیب نامور دی سی سے گریخ گھٹتے اور شعری اصطلاح دہنہ پر حلق ہوا ہوں تو اس کو فارسی سمجھو ’لوہی جوہری ہار اس شدت غلوب میں کسی مسکیت میں میں نے دلی نہیں دلا۔ صرف اشعار کی خدمت بجا آتا دارا اور نظرائی ہے کہیں پر شرم سے اکل نہیں گیا ابھر شرم میں ہوتا بنام کو معلوم ہے گردہ فکر بھی طرف بد تشبیہ دفر میں سے یا چھو کے بیان سے کوئی بد تشبیہ نہیں پائی گی قلم اعلیٰ نہیں ہوئی دند جہاں بڑے بڑے چاکر دار بڑے ہوتے بڑے آئے ہیں بھی کیا حقیقت تھی غرض کہ اپنے مکان میں بیٹا ہوں۔ دودھالے سے پھر نہیں اکل سیکہ سوار ہوا اور کہیں جھکا ہوا بہت ہی بد تشبیہ ہے نہا یہ کہ کہی میر۔ ہر کوئے شرم میں ہے کون ہو تو سب گھر کے گھر کے چلنے پڑے ہیں۔ غم سیاست پاتے پاتے ہیں“۔ تھو کو ہی ایک دوسرے غلوں گھٹتے ہیں :

”یہ کہی نہ کہے کہ میں اپنی ہے روحانی اور چٹی کے غم میں مر رہا ہوں“۔ یہ دیکھ کہ کو ہے اس کا بیان تم کو معلوم نہ کر اس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ انگریز قوم میں سے ہوں وہ دیکھ کہیں کے ہاتھ سے اکل ہوئے۔ ان میں کوئی میرا امید کہ تھا اور کوئی حقیقی اور کوئی میرا دوست اور کوئی دارا۔ اور کوئی میرا شاعر ہندو متفقوں میں کہہ ’وجہ‘ کہہ ’دوست‘ کہہ ’شاعر‘ کہہ ’مشعل‘ سو د سب کے سب خاک میں مل گئے۔ ایک ’وجہ‘ کا نام نکھ خضہ ہوتا ہے ’ہر اسے عرویں کا نام دارا ہو اس کو تھکے کہ گردہ دھار ہو۔ ہاتھ اٹھتے دارا مرے کہ خواب میں ہوں کا تو میرا کوئی دوسرے دلا بھی نہ ہو گا۔“

گھٹتی کی چٹی کی طرف بھی اشارہ کیے ہیں مرزا حاتم علی ایک مرزا گھٹتے ہیں :

”ہاتھ گھٹتی ایک نہیں کہتا کہ میں کہتا کہ اس بار صحت پر کیا گردہ؟ سوال کیا ہوئے؟ انہیں کہیں گئے؟ غلامی غلام اللہ

کے لئے و مرد کا اہم کیا ہوا؟ قید و کلب جیسے اصرار کی سرگزشت کیا ہے؟ گھٹ کر آہوں کو یہ نسبت میرے تم کو بہت زیادہ آگئی ہوگی۔
 افسوس وار ہوں کہ اگر آپ یہ معلوم ہے وہ کھ پے کھل نہ رہے۔ پتا نہیں مہارگ کا کھینچی چادر سے زیادہ نہیں معلوم تھا ہوا ہی قدر اٹلی
 ہو گا ورنہ آپ زیادہ سمجھتے۔

غالب کے خطوط میں انتہائی شعور کا اظہار ملتا ہے جنہوں نے ذہنی سطح پر محنت کو دیکھنے کی کوٹھلی کی وہاں اس ذہنی روح کی کامی
 اظہار کیا ہے جس کا تعلق تاریخی ماحول سے تھا۔ ان کی محنت انہی دور دورہ روشنی نے ہمیں اگلے واسطے واقعات سے باہر رکھ کر قوت کو سمجھتے
 ہیں۔

”غالب تم جانتے ہو کہ یہ محنت کیا ہے اور کیا داغ ہو؟ وہ ایک جہم تھا جس میں ہم تم ہم سے سست تھے اور غرض طرح کے ہم میں
 تم میں مرد محبت درپیش آئے شعر کہتے؟

مزا شایب لکھیں اور غرض غالب کو سمجھتے ہیں:

”قوی تو آئے جانتے رہتے ہیں خدا کرے میں کا مل کی لیا کرتے ہو اگر چہ رہے اور خدا غیب ہوا تو کیا جانتے گا ورنہ قصہ مختصر
 تمام ہوا سمجھتے ہوئے ڈرا ہوں اور وہ بھی کون سی خوشی کی بات ہے جو تمہیں؟“
 حکیم کا مکتبہ خلی کو سمجھتے ہیں

”..... ضیاف کو؟ تمہیں تو کیا تمہیں؟ تم کو کھ سکتا ہوں؟ تم کو کھل گئے کے ہے تم نے کھ کھ کھ تو کیا کھ اور اب جو میں
 کھتے ہوں تو کیا کھتے ہیں؟ اس بات ہے کہ اب تک تم تم جیتے ہیں زیادہ اس سے نہ تم کھو گے نہ میں تمہیں کھ
 انگریزوں کی عمل داری انہوں کی ہے یہ دہلی پر کتہ چلی کرتے ہیں۔

”..... حکم ہے یہ وہاں حکم انصاف میں پڑھتے“ ایک اور علامہ میں کھلی کا ذکر کرتے ہیں۔ کھ کر اس ہے صحت اور اس ہے
 میرے کے ماحول انہی کا ہے تو کھلی مکتبہ“

ان خطوط میں اپنے دور کا مزاج دیکھنا ہے۔ انہوں نے اور انہوں کے ساتھ نہ کسی نئی محنت اور واقعات پر تجربہ ضرور ہیں وہ
 خود حجاز تھے اور وہ اس ماحول اور معاشرے سے ایک کر بھی کسی طرح کھتے تھے۔

غالب کی شخصیت میں ان کا دور ہے کی کھلی اور جولائی قس ان کے ہاں لطیف نئی لہریاں ہے ان کی بات بات میں لطیف ملتا ہے۔ وہ
 لطیفہ ڈالتا تھا اور کھتے مزاج تھے ان خطوط میں وہ پختہ کرتے پختہ رہتے تھے پختہ شاعر کے کام پر اصلاح دیتے۔ ان سے قس
 ذہنی کی باتیں کرتے۔ طبع لہری بحث مباحث میں شریک ہوتے اور قندلہ کو دیکھتے اور سمجھتے ہوتے ٹھکراتے ہیں۔ ان کے خطوط میں اعلیٰ
 غرض ہے یہ کھلی اور یہ دلی ہے یہ برکتی ہے ان میں ایک باتیں لکھتا ہے یہ ایک کھلی ماحول ٹھکراتا ہے۔ ان میں ان کے اپنے
 ذہنی اور فنی مسائل ہیں یہ سب ان کے اپنے خیالات ہیں۔ ماحول کی یہ تصویریں پیش کی ہیں وہ ان کی اپنی تصویریں دیکھتی دیتی ہیں۔
 وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ جن لوگوں کو خطوط لکھتے ہیں ان سے اس دور پر قرب ہو جاتے ہیں اور ان کی شخصیت میں اس طرح کھلی
 ہوتے ہیں کہ ان کی یہ باتیں دلوں کو ہلاتے لگتی ہیں۔ ہر شخص ان سے اتنا قرب ہو جاتا ہے کہ انہیں کا تصور ہی قلم ہو جاتا ہے۔ لیکن
 کے حالات، تعلیم و تربیت، شعری اور اس کے اوقات، وہ چوں کی ہر طرح کی پوری پوری ذہنی واری، اعیان و خطبہ کی فنی باتیں اور
 پریشانیاں اور ہر اس سلسلے میں دور دورہ حالات کا سفر پائیں کا حصول اور اس کی کھلی ان کی زندگی کا ماحول پر مددگار بن جاتا ہے۔
 انہوں نے اپنی فکر میں دور دورہ ماحول رکھا ہے۔ لیکن ان کے ماحول میں وہ ایک صاحب رائے سمجھتے ہیں ان کی یہ رائے کا
 اظہار دینا ان کے ماحول میں ضرور ہے۔ کی وجہ یہ کہ ان کی شخصیت دور دورہ ماحول میں پوری طرح بہ خوب ہے۔

”مگر غلط کی وہ شہرت ہے کہ خدا کی پناہ۔ غلط کہیں کر نہ ہو۔ جس دن صاحب فرائض دیا ہوگا۔ ستر برس کی عمر بھلا طویل بدلی میں تھا ہے مہلکہ تو جاساں میں سے پیپ ہو کر نکل گیا۔ مئی کوئی دس عجب ہر قید و دم صلح ہو۔ ہر عمل زندہ ہوں اور جاکوں۔“

غالب کی شخصیت میں ایک بے انتہائی شہنشاہی تھی۔ انہوں نے اردو شاعری کو ایک نئے انداز سے سمجھا کیا بلکہ اردو نثر کو بھی ایک نیا اسلوب دیا جس اعتبار سے وہ ہماری نظم نثر دونوں میں ایک انقلابی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے یہ خطوط اردو نثر کا ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ ان کی بے تکلفی، سادگی، سادگی، اسلوب اور طرزِ فکر، ”ڈیل انگیزی“، ”ڈیل انگریزی“، ان کی شخصیت کا بے قہر مزاج کا ہر فرد ان خطوط سے لیلیاں ہے۔ وہ جنگ آزادی کے اثرات سے بہت متاثر تھے۔ ان خطوط میں ان کی دل کی کیفیت بڑا سمجھ ہے۔ انہوں نے اپنے ”یا ہی“، ”مائی“، ”تو جی“، ”انگریزی“، ”مائی“ اور ”ڈیل“ ناول کو اپنے خطوط کا ایک اہم حصہ دیا ہے۔ تدریجی انقلاب کا پس منظر نامہ انہوں نے یہ خطوط اور ان کے خطوط پر چڑھنے کی کمرانیوں سے لکھے گئے ہیں۔ عام مضامین اور لوگوں کے ساتھ گفتگو کے خطوط قلمی واردات کے نمونے بھی سمجھ

ہیں۔ ہم ان خطوط پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے، بلکہ آزادی ان کے سامنے لڑی گئی۔ اگرچہ بھی حکام جبر اور برہمنی قوم جس کے پاس حکومت کے علاوہ ہر طرح کے اختیار رکھتے تھے، انہیں قومی فوج تھی، جدید اسلحہ تھا اور ذرخیز نظام جنگی صورت میں سمجھ تھے ان سے ٹکرانہ اور وہ بھی ایک بے حکم قوم کے لئے یہ سراسر غلطی کی حالت میں ایک ایسا مرحلہ تھا جس پر تاریخ نے کسی روشنی ڈالی ہے۔ سارا نظام بدام، بدام، بدام ہو گیا تھا اور یہ نوعیت کا انقلاب تھا۔ لوٹ مار، قتل و غارت عام تھا۔ غالب اس زمانے میں اپنے مکان میں ہی شہرہ رہے اور وہ کیونکر خطوط دے اس کا ذکر انہوں نے اپنے ایک خط میں کیا بھی ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ غالب کو اس وقت کے زمانے میں بے شمار تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے حقیقی بھائی یوسف مرزا اس زمانے میں دہلی کے عالم میں مرگے۔ ان ساری باتوں کا تذکرہ انہوں نے اپنی کتاب ”تذکرہ“ میں کیا ہے۔ وہ ایک تاریخی حیثیت ہے، بلکہ یہی واقعات انہوں نے خطوط میں ایک ایک ٹوکوں کو لکھے تو ان کے دل جذبات اور کیفیات کے فلاں گئے غالب ساری زندگی ایک کشتی میں رہے۔ زندگی ان کا ساتھ نہ دے سکی۔ لیکن انہوں نے زندگی کا بچلہ ساتھ دیا وہ اس زندگی کے حالات سے خوش نہیں تھے لیکن ہر کرنا جانتے تھے انہوں نے زندگی اور اس کے بدلتے ہوئے حالات سے بچنے کا ایک سبب چھوڑ دیا کرتے تھے اپنی ہی کو خوش کیا۔ ان حالات کو سمجھا بھی ہے اور انہیں سمجھ کر رہا بھی ہے۔ وہ زندگی کے گہرے باطن میں تھے اس کے ہر پہلو پر ان کی نگاہ کمرانی کے ساتھ پڑتی تھی اور وہ اس میں سے نئے پہلو نکال لیتے تھے۔

ان کے مزاج میں کمرانی کے ساتھ بہت پسندی بھی شامل تھی کسی چیز کا نہ ہونا انہیں لباس اور حقیقتیں خوار کرتا ہے لیکن وہ اس کے حاصل کرنے کے لئے فکر کر نہیں دیتے جانتے تھے۔ اس کو حاصل کرنے کی دھن میں گئے دیتے تھے شاید یہی ان کی زندگی کا انتہائی پہلو بھی ہے۔

یہ خطوط ان کی زندگی کا کمرانی کے ساتھ ساتھ کرنے میں ہماری خاص راہنمائی کرتے ہیں۔ ان خطوط سے غالب کی وہ صورتیں بھی سامنے آتی ہیں جن کا انہوں نے کی شاعری میں مشکل سے ہی لے سکے۔

غالب اور فلسفہ وجودیت

شمار اور فلسفہ میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دونوں کے ذہن میں قاری حقیقت کے بارے میں ایک ایسے حقائق پر ہوتے ہیں اور قاری شمار سے دونوں ایک طرح سے ہی جڑے ہوئے ہیں لیکن اپنے داخلی تجربے کے اعتبار کے لئے دونوں ایک ایک راستے اختیار کرتے ہیں۔ شمار اپنے قریبی رد عمل کو محسوس اور جذباتی دھارے میں بیان کرتا ہے جب کہ فلسفی اپنے افکار کو عقلی استدلال کے قالب میں پیش کرتا ہے۔ اگر دیکھنا چاہئے تو ہر شمار کی دیکھیں توئی کے پس پردہ ہمیں خصوصیات افکار و عقائد کا ایک عقلی ڈھانچہ نظر آئے گا جس افکار سے غالب دیگر شعرا میں ایک خصوصیت اور مندرجہ حتم رکھتا ہے کیونکہ اس کی دیکھیں توئی حالت و انکسار کے لہری سمون کے قاصر میں محض ایک جذباتی اور محسوس رد عمل ہی نہیں بلکہ ایک خصوصیت تمام فکر کا افکار اور افکار بھی ہے۔

غالب قاری وجودیت کے وسط سے قدم شمار دھارے کے افکار دنیائے سے کھنکھاتے وقت قلم ہی وجہ ہے کہ اس کے کام میں پنجاب خصوصیت کے مسائل اور فلسفہ و فلسفہ کے دہشتہ سوالات کی سوائے ہر فلسفہ عقلی روح ہے۔ غلط دعوت وجود تو غالب کا خاص موضوع ہے اور اس نے حدود جنموں پر افق دعوت وجودی مسائل کو فلسفہ وحدت کے ساتھ اپنے شعراء میں پیش کیا ہے۔ غالب کے شمار میں نے بھی بہت تفصیل کے ساتھ اس کے دعوت وجودی عقائد کی تشریح کی ہے لیکن اس کے افکار میں غلط دعوت (Existentialism) کے جو دھارے پائے جاتے ہیں اس سے کسی نے قرض نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دعوت کا غلط غالب کے بعد کی پیدوار ہے اور اس کی نشوونما بھی روپ ہی میں ہوئی تھی لیکن چونکہ غالب کی شعری کا بیسیارہ مصرع میں مذہبی و عقلی قاصر قادیانی یا قاصر روپ میں دعوت کا احساس ہے ہمیں غالب کے افکار اور دعوت کے عقائد میں حیرت انگیز مماثلت نظر آتی ہے۔ اس میں ہم دعوت کے چند اہم نکات کا شعرا ذکر کرتے ہیں اور ہمارے قاصر میں غالب کے بعض افکار کا جائزہ لیں گے تاکہ اس کے مذاہم و عقلی کی ایک نئی سمت ہمارے سامنے آسکے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ جب روپ میں جتنی بھی تھل ڈال کر قریبی تجربیں امریں (Hegel) کے قلم کے رد عمل کے طور پر امریں۔ ونگسٹن کا عقلی نقطہ ہو یا لائل لائل کی جدائی جلتے ہو یا کبر کبر کا ذی دعوت 'سب کے سب ونگ کے کام فکر کے جواب میں ہی امرے تھے۔ ونگ کے کام کی مناسبت (Abstraction) اور عقلی تجزیہ ذہنیت نے قاری حیرت کو باطل قسم کر دیا تھا۔ ونگ نے دینی نقطے اور اطوار کی صورت کو اس حد تک فروغ دیا کہ قاری حقیقت شعرا کا محض ایک عمل یا عقلی اعتبار قرار پلا جس کی اپنی کوئی مستقل حیثیت نہیں تھی۔ اس کے نزدیک قاری حقیقت اس میں ہے کہ وہ دعوت منطق میں اپنی جتنی کو کم کر دے۔ اسی بات کے اس دور کو کبر کبر کا ذہن نے پسند نہیں کیا۔ کتا ہے کہ سب میں یہ سوچا ہوں کہ میں ایک کام کا محض ایک حصہ ہوں یا کل کا ایک ہے اس جو ہوں تو میں کتب افکار ہوں۔ چنانچہ کبر کبر کا ذہن نے دینی نقطے اور بالخصوص ونگ کے نقطے سے جڑت کر دی جس میں اصل حقیقت (Essence) کی قلم اور دور (Existence) کو افکار اور حاضی قرار دے کر نظر افکار کر دیا جانا تھا۔ دعوت کا شعور ہے "Existence precedes Essence" یعنی دور وجود اور ہر فلسفہ پر حتم ہے۔ کبر کبر کا ذہن کہ دعوت کا کام ہے اپنی قاری قوت اپنے دور پر مرکوز کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے ماحول اپنے ماحول اور ہوا جس سے کہ اس امر پر غور کرتا ہے کہ میں کون ہوں اور میری حقیقت کیا ہے؟ اپنے کہہ کو کہ کسی پادشاہ کی دعوت یا حقیقت منطق کی تجزیہ میں مدغم کرنے پر چار نہیں۔ چنانچہ پہلا انکسار اس پر ہوا ہے کہ وہ میری دنیا میں آیا ہے اور اسے ایک طرح کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا

جس اس طرز زندگی کو جو اسے اپنے وجود پر اور خود کو کے معاشرے سے ملی وہ خود مستعد تھا ہے یعنی اس طرز زندگی کو اس نے خود
 اخراج نہیں کیا بلکہ وہ سہولت سے اس کے لیے وضع کیا ہے۔ اپنی زندگی کو وہ دور غیر صدقہ (Inauthentic existence) بھی کہتا
 ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے کبیر کبگزار ایک ایسے گاڑی بان کی مثال دیتا ہے جو سو باہر اور گھوڑوں کی آغوش آگے اس کے ہاتھ میں
 ہوں انھیں گھوڑے خود بخود سترہ دانتے پے چلے جا رہے ہوں۔ گھوڑا بان گھوڑوں کو نہ چا رہا ہو بلکہ گھوڑے اسے لیے چلے جا رہے
 ہوں۔ اس مثال سے کبیر کبگزار یہ جہت کرتا ہے کہ معاشرے میں اکثر لوگ چلتے بڑے کام کج کرتے نظر آتے ہیں لیکن ان کی
 حقیقت ذرا باطن کی ہی ہوتی ہے کیونکہ وہ رسوم و رواج کے پابند ہوتے ہیں اور ان کی زندگی جو انہیں درستہ میں ملی ہوتی ہے وہی
 بر کرتے چلے جاتے ہیں، انہی وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کون ہیں اور ہمارے وجود معنی کے کیا لگاتے ہیں۔

کبیر کبگزار جب رسوم و رواج اور معاشرتی طوائف و دلدلا سے کٹ کر صرف اپنے وجود پر اور کرتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ اس کے
 دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے وہ ایک شیعہ قسم کی تنہائی (Loneliness) اور مفارقت (Alienation) کا ہے۔ اس لیے وہ کہتا
 ہے کہ میری مثال ایک غرض رسیدہ درخت کی تھوڑے شارب پے بیٹھی ہوئی اکیلے لکڑی کی سی ہے۔

تنہائی اور مفارقت وجودی نظریے کے لئے وجود کی ابتدائی شرط ہے۔ جب بھی ہم اپنے وجود پر اور کرتے ہیں اور اسے ملتی و جلتی
 دلدلا و طوائف سے معزلی کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ تنہائی اور مفارقت کے احساس کی صورت میں نکلتا ہے۔ ہر جب وجود کی نوعیت پر مزہ
 خود کرتے ہیں تو یہ پتا ہے کہ یہ وہ انتہائی پیرا اکیلی اور موت کے آئین کا ایک واقعہ ہے۔ موت اور پیرا اکیلی انتہائی ہیں جن پر ہمیں
 کوئی اختیار نہیں، ہم ان سے ہم انھیں نہیں چا سکتے۔ ہم اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئے۔ ہم نے جب شعور کی آگ کھلی تو خود کو دنیا
 میں پلایا۔ اسے وجودی تنہائی (Thrownness) کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی نے ہمیں منہ وجود پر دیکھل دیا ہے۔ ہر جب ہم
 اس بات پر خود کرتے ہیں کہ ایک وقت آئے گا جب موت ہمارے وجود کے دانتے کو مسدود کر دے گی۔ تو ہم مطلق ہو کر وہ جانتے
 ہیں۔ موت کا اوریشہ دہشت (Dread) کو پیدا کرتا ہے لیکن جب ہم موت کو ایک ایسی حقیقت کے طور پر قبول کر لیتے ہیں جسے ہم حل
 نہیں کئے تو دہشت سے ہلکت پالیتے ہیں لیکن خوف (Fear) سے ہم نہایت نہیں پانکتے کیونکہ خوف کسی شے کا خوف نہیں ہو سکتا یہ
 ہمارے وجود کے ساتھ لگا ہوا ہے اور جب تک ہم زندہ رہتے ہیں اس کے سامنے ہمارے وجود پر پیلے رہتے ہیں۔ ہم موت کو ایک ناقص
 انداز حقیقت کے طور پر قبول کرنے کے بعد ایک مثبت رویہ اختیار کرتے ہیں کہ جب تک ہم زندہ ہیں ہم صدقہ (Authentic) زندگی
 گزاریں یعنی اپنے وجود معنی کے تقاضوں کی تکمیل کریں اور اپنے شعوری فیصلوں کی روشنی میں ثانویہ حیات کا سفر طے کریں۔ یہی
 وجودی نظریے کا وہ مخصوص تصور اختیار کرتا ہے جو انتخاب اور آزادی سے متعلق ہے۔ کبیر کبگزار حضرت ابراہیمؑ کی مثال دیتا ہے۔
 حضرت ابراہیمؑ کو جب وہ تین دینی راج فرزند ایک ہی طرف نظر آیا تو وہ فیصلہ نہ کر پائے کہ یہ واقعی تم ہیں یا کوئی شیطان دوسرے
 اس کو گمراہی کی کیفیت سے کرب (Anguish) کی کیفیت پیدا ہوئی لیکن جب انہوں نے ایک فیصلہ کر لیا اور ایک واقعہ میں غلبہ کر لیا تو
 انہیں کرب سے نہایت آگے گئی۔ زندگی جو فیصلے کی مروجہ صورت ہو صدقہ ہوتی ہے لیکن جس طرز زندگی کا ترک فیصلہ کا فیصلہ اور
 انتخاب نہ ہو تو غیر صدقہ ہوتی ہے۔ اسی لئے سارترے کے خیال "حقی" (Hautain) کا یہ ایک طویل عرصہ تک کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا
 اور کرباک اور غیر صدقہ زندگی گزارتا ہے۔ سارترے کے پاس آزادی ایک ایسا بوجھ ہے جسے انسان کو طوعاً و کرہاً اٹھانا ہی پڑتا ہے
 "Man is condemned to be free" (Man is condemned to be free) یہ لوگ اپنا حق آزادی اور حق انتخاب استعمال نہیں کرتے وہ غیر صدقہ اور کرباک زندگی
 گزارتے ہیں۔

وجودی نظریے اندر سے باہر کی طرف نہیں بلکہ باہر سے اندر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اپنی انفرادیت کو کسی خارجی وحدت میں

کام کرنے کی بجائے اس کا اثبات کرتے ہیں اور اپنی موضوعیت کو صداقت دیتے ہیں۔ لہذا سے باہر کسی حقیقت کو صداقت (Truth) قرار نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک عقلی، منطقی، منطوق کرب، منطق اور آزادی ایسی بنیادی ضروریات ہیں جو کہ عقلی صورت حال (Human Predicament) سے متعلق ہیں۔

مولانا کبیر کج گارڈ کی الہیاتی دعویت وہ یا سار کی عقلی دعویت اس کے بنیادی ضد عقل وہ ہیں جو اور جان کے گئے ہیں۔ اگر ہم طالب اور دعویت کے عقلی اور عقلی حالات پر غور کریں تو دونوں میں گہری مماثلت پائی گئی۔ دعویت کی تحریک وہ بنی جنگوں کے بعد ابھری۔ جب عقلی قوتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی اور جنگ کے عقلوں نے شیروں کے شر راہ کے دھمکانے والے تو عقلیت پسند اور عقلمندوں کے خلاف رد عمل پیدا ہوا اور فرد کی انفرادیت کو چیلنے کا ارتقاء لہذا وہ بڑے بڑے تئو لوجسٹ جن کے پیچھے عقلی وابستگی تھی اور سیاسی مذہبی اختلاف پوشیدہ تھے اور جن کی بیعت ہزاروں لاکھوں عقلی جانیں چند بجلی نہیں سماس منظرین کی نظموں سے کر گئے۔ انہوں نے گہری اور قوی عقل اور انسانی نظام کو چیلنے کی بجائے فرد اور اس کی انفرادیت کو چیلنے کی کم شروع کر دی۔ طالب نے بھی جب شعور کی آنکھ کھلی تو اپنے اور گرد سیاسی و مذہبی عقل کے مناظر دیکھے۔ ایک عظیم عقلی طاقت کے حدام کے آخری مراحل اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اگرچہ ان کا عقلمند عقل فریادوں کی بے بسی اور بد عقلیوں کی ذمہ داری اور عدم عقل کی عقل و فطرت کے واقعات نے اسے بھی عقلی صورت حال کو اسی ذوق اللہ سے دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے عقلی منظرین نے جنگ کے بعد یہ روٹی عوام کو دکھا تھا۔ چنانچہ یہی منظر کی مشابہت نے طالب کی داخلی واردات کو دعویت کے کمرے رنگ میں رنگ دیا۔ اس لیے ہمیں طالب میں عقلیت سے بڑا ہی اور فرد کی انفرادیت کو چیلنے کا قوی رجحان نظر آتا ہے۔ بنیادی عقلی صورت حال کے بارے میں اس کے بعض افسانے اس سے بڑا اور واضح ہیں کہ دعویت کا فلسفہ اس کی گرد کو بھی نہیں چھو سکتا۔ بلکہ اس میں ہم طالب کے چند افسانہ کا جائزہ لیتے ہیں جو بنیادی عقلی صورت حال کی دعویت کے رنگ میں لکھائی گئے ہیں۔

تو کو سخت جانی ہائے عقلی نہ ہو

مج کو شام کا آواز ہے دوسرے شاعر کا

اس شعر میں طالب نے عقلی صورت حال کی ایک بنیادی کیفیت یعنی عقلی کو اتنی ظاہر نہیں کیا اور فطرت و صداقت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ خود عقلیت پر عقلی عقلی طرح بھی اس طرح اسے پیش نہیں کر سکتے۔ جس طرح سائنس دان اپنے مخصوص طریق کار اور طریقوں سے موضوعی سائنسی حقائق کو منظر عام پر لاتا ہے اس طرح ایک ایسا اثر عقلی حالت کی موضوعی صداقتوں کو اپنے افسانے میں پیش کرنا ہے۔ دعویت کا فلسفہ بھی انسان کی اس موضوعی صداقتوں سے قرض کرتا ہے اور اس ضمن میں عقلی کی کیفیت کا سب سے پہلے ذکر کرتا ہے کہ کہ انسان جب بھی اپنی صورت حال پر غور کرتا ہے تو عقلی کے احساس کا اسے سب سے پہلے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ عقلی محسوس کا طریقہ یا لہذا سے چلنے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا مستقل احساس ہے جو دعویت عقلی کے طے میں گھومنا ہوا ہے۔ خود عقلی کیفیات مثلاً فطرت، عقلیت اور صورت و اس دنیا عقلی کے اسی احساس سے پھرتے ہیں۔ ایک عظیم فطرت میں احساس عقلی بہت زیادہ ہوتا ہے کہ کہ وہ عوام کی بیز بھڑ سے گریز ہوتا ہے۔ کیونکہ کج گارڈ کی طرح طالب بھی عوامی بیگز بھڑ اور عوام کا فلسفہ نہ تھا۔ اپنے فطرت کی جوت طبع اور بنیادی خیال انہیں عوام انہیں کی اپنی سچ سے بہت دور لے جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے فطرت کی عوامی سچ پر قدر نہیں ہوتی اور وہ ایک قسم کے احساس عوامی کا فطرت رکھتے ہیں۔ کیونکہ کج گارڈ نے سب کو ایک عقلمند بھی کہا کہ ایک فطرت و فطرت کی طرح پر فطرت ہوا ہے تو دراصل اس نے اپنی اپنی فطرت اور عوامی کا عوامی ہی دیا ہے۔ طالب کا بھی یہی حال تھا۔

میں ہوں اور امریکی کی گرد غلبہ کر چلی

دیکھ کر طرز چاک لٹل دیکھا اہل کیا

دراصل ایک بڑے فنکار کی حسین دستاویز کے لیے اہل طرف کے ساتھ ذہنی ترقی کا وسیع ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ عوام انہیں اس صفت سے قبیح ہوتے ہیں اور غلبہ کے افکار تو دیکھ ہی اپنے صدمہ سے متکے تھے اسی لیے اسے اپنے ہم وطنوں سے بڑا گھرو تھا۔

ہم کہیں کے دھاتے تھے جس ہجر میں بیکار تھے

بے سبب ہوا غلبہ دشمن آہیں اپنا

لوگوں کی بخودی عظمت اور کرب کا انہیں غلبہ کو دو سطروں پر قتل ایک سزا تو صرف باور پانے دکھانوں کے لیے مخصوص ہے۔ اپنی عزت فکر اور طبع معمولی عظمت کی وجہ سے وہ عام لوگوں سے کٹ جاتے ہیں۔ دوسری سزا یہ کہ تمام نئی فروع انہیں کے ساتھ عقلی عظمت اور کرب کا دکھ ہوتے ہیں۔ یعنی یہ صورت حال مخصوص معاشی سطح و تکنیکی حالت کی پیدا کردہ نہیں بلکہ خاصہٴ انسانی صورت حال ہے اور تمام انسانی کیسوں طور پر اس کا دکھ ہے۔

قید حیات و بے قلم اصل میں دونوں ایک ہیں

صدمہ سے پہلے آتی قلم سے بھرت پائے ہیں

یہاں غلبہ نے قید حیات اور بے قلم کو اسی علوم میں اشتعل کیا ہے جس میں گریک بیکارڈ نے کرب حیات کو مریخ کا رنگ (Sickness unto death) کہا ہے۔ سادہ سادہ اسے اسی کرب کے بارے میں کہا ہے "Anguish is natural to man"

گریک بیکارڈ اور سادہ سادہ دونوں نے اس بنیادی صورت حال کی تشریح و توضیح کے لئے اپنی پوری ہمیش کی ہیں لیکن غلبہ نے معرکہ دار ایک ہی شعر میں دنیا کو اسے میں بڑا کر دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑا دکھ دو سطروں پر عظمت اور عقلی کا دکھ ہوتا ہے۔ ایک عقلی سزا یہ جس پر کہ تمام انہیں اس کا دکھ ہوتا ہے۔ دوسرے مخصوص سزا یہ ہیں اسے عقلی دکھ ہونے کا کرب بھیلنا پڑا ہے۔

غلبہ کے انداز کی تحسین کی ایک عام اور ذہنی سزا ہے جس پر کہ اس کے انداز کو سمجھا جاتا ہے لیکن اس میں یہ عظمت بھی موجود ہے کہ انہیں ایک بانہ تر بعد الضیعیات سزا پر بھی سمجھا جائے۔ ایک حکیم نے اپنے کا یہ وصف ہوتا ہے کہ وہ لندن ونگٹن کی حد بلذوں کو محسوس کر کے لیدی صداقتوں کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ کام غلبہ کا بھی یہی معاملہ ہے۔ چونکہ یہ ایک کمری روشنی وارادت سے اٹھتا ہے اس لیے اس میں ہمیں وحدت الخلود خصوصاً انسانیت دوستی اور دولت کی فیضانی صداقتوں کا انداز ملتا ہے۔ صورت میں جس طرح عقلی عظمت اور کرب بنیادی انسانی صورت حال سے متعلق ہیں اسی طرح انسانی 'اختلاط اور اولاد بھی اسی سے متعلق ہیں۔ اگر ہم وحدت کے تصور 'اختلاط و آزادی کے تاثر میں غلبہ کے بعض انداز کا جائزہ لیں تو دیکھیں گے غلبہ ہمارے سامنے آئیں گے۔

عقل فریبی ہے کس کی عشق قہر کا

کھڑی ہے جہاں ہر جگر قصور کا

مکھن میں بندوبست رنگ پر ہے کج

قہر کا طوق مٹانے والا ہے آج

کہ کسی تلاش یک مشکل شیری تھا اسد
 سبک سے سہارا کر اسے نہ پیدا کیا
 روحانی شکاوتوں کے حل اور علم و نور کو حقیقی طور کے ایک پائے پر مرتب ہے گاڑ رکھا ہے۔
 شعور اپنا بھی حقیقت میں ہے دوسرا لیکن
 ہم کو تعلیم شک عرق نہ مصور نہیں
 یعنی ہماری اصل بھی اگرچہ حقیقی ہے لیکن ہم مصور کی کم عرق میں اس کی طرح کا خلق کا نمونہ نہیں لگاتے۔ تعلیم سے گرجہ دور سے
 ہونے کی تلاش غالب میں اتنی شدید ہے کہ وہ کہتا ہے۔

دیں لی زخم کہ گرد و قعر و درخ جانے میں
 جانے کر پائے ہمیں اسوار میں طوائف میں

یعنی مجھے "درخ" سے لگا ہوا نہیں لگتا جتنا اس بات سے لگتا ہے کہ کہیں بھی کم پائے زندگی ہو نہ کر آئے اور میرے اسوار و طوائف دنیا
 و آخرت میں یکساں ہو جائیں۔ غالب کے نزدیک یکسانیت اور ایک ہی ڈگر پر چلنے چلا کر "درخ" سے بھی جدا ہے۔
 بعض لوگ غالب کو قریبیت پرستی کا طعن دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غالب میں ہمیں اقبال کی طرح کی رجحانیت اور
 اولوالعصری فکر میں آئی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ قومی قدماں کو پتہ تھا کہ اس کی تہذیب و ثقافت کی عظمت بتا دینا صدمہ ہو
 رہی تھی۔ وہ دود و دغا اور بھڑکی اور ستاروں کو سارا دے کر زمین پر اس دوسرے سے بچا نہیں سکتا تھا۔ لہذا اس نے وہ دوسرا اپنا یا نہیں میں
 انسان اپنی صورت میں (Predicament) پر تکیہ کی سے غور کرتا ہے اور دود کی امن شرارت و کیلیات کو نکلے دل سے قبول کر لیتا ہے
 جن سے طرح طرح میں ملتا تھا۔ قومی محاورات عرب سمیت لڑکے دایم و فیہ کا اس نے ناقابل تردید حقیقتوں کی حیثیت سے اپنی شعری و سنی
 فکر میں اس کا کیا ہے اس سے اسے قومی سمجھنا صحیح نہیں بلکہ اس کی اپنے تئیں سے داخلی اور بحیثیت ایک فکری حقیقت کو سمجھنا
 سمجھنا کہ حقیقت پہلو ہے جس نے اقبال جیسے اولوالعصر اور رجحانیت پرست شاعر و حکیم کو اس وقت تک کہ اس کی ہی بک کر "تہذیب قائم" کے
 بعد "تہذیب نو" کا عمل ہماری ہو چکا تھا۔

غالب کی تخیلی فکر

غالب کی شاعری کو بحیثیت مجموعی تین عوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تدریجی طور پر پختہ دور وہ ہے جس میں بیدار کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس دور میں غالب نے فارسی شاعری میں اپنی حیثیت سونپنے پر توجہ مرکوز کیے اور غزل کو فارسی کی شعری روایت کا حصہ سمجھتے تھے اور اپنا مقام صرف 'نظیری اور بیدل کی صف میں دیکھنا چاہتے تھے اپنی شعرا کی طرز پر شعر کہنے کی بجائے غالب کو مشکل پسند نادار اور ان کی عرصہ شاعری پرستان سازی کا قائل بن گئی۔ دوسرے دور میں فن کے اظہار میں نمایاں تدریجی واقع ہوئی۔ یہی دور وہ ہے جس پر ان کی شاعرانہ عظمت کا انحصار ہے۔ تیسرے دور میں غالب کا کام سل دسے کی عرصہ متنازع ہے۔ غالب کے پہلے دور کی شاعری کو سمجھنے کے لئے فن کا ایک شعور دیکھئے۔

گفت رہا این دلی غفلت دعا کج

شری کرے ہ سرگرمی صمل غالب یا کج

بیدار این دلی سے دلچسپ اور حالت مراد ہے جس کے درمیان رہا اور ہم آہنگی کی کو مشعل کو زندگی کے مقصد سے غفلت قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ غالب کے نزدیک افسانے کو چاہئے کہ وہ شری کو رہا کرے اور اگر پڑاں لکھ بھی جائیں تو سر کے بل چنا چاہئے کہ حرکت ہی زندگی ہے اور رک چنا موت۔ حکیم اس مضمون تک پہنچنے کے لئے انہی خاص ذہنی و درویش کی ضرورت ہے اس دور میں غالب جس طرح غری و تراکیب و طامات کے ذریعے کیفیتوں کو مجسم کرتے ہیں اس کی ایک مثال فن شعرا میں ملانے چاہئے۔

جان دار فنا ہو گیا صول غول نہیں

بہار ہم رنگ تو صرت تاب بقی ہے

نہ صرت ہنم ساقی کی نہ صحت دور ساقی

موی صمل میں غالب گردش خاک بانی ہے

اس وقت تک عرصہ شاعری بہت آگے جا چکی تھی اس لئے غالب کا یہ عرصہ اس لئے ہی کہیں میں لپل پڑا کرنے یا زیادہ سے زیادہ ان کی انفرادیت کا ایک عقل قائم کرنے کے کوئی مینا بننا یا ایسی جہان نگاہ پیدا کرنا جس کی وسعت اور شدت سے طبیعت کو عرصہ کشش کی لذت نصیب ہو سکتی۔ غالب ہی کے بقول۔

جان گسے سے دل ہم غلام گردہ

لذت عرض کشہ عرصہ مشکل نہ پوچھ

غالب سے پہلے عرصہ شاعری دو نہایت شعور عوار دیکھ چکی تھی جن میں سے ایک دور دلی کا تھا جس کے قاصد شعرا میر، سہرورد اور سمنی تھے اور دوسرا دور گھسٹو کا تھا جس کے سرگرم شعرا میں اقل و فرا کا نام لیا جا سکتا ہے۔ شعرا شعرا میں غالب نے جس نوع کی شاعری اردو میں کی اسے نہایت معمولی دھندل کے بعد فارسی میں عقل کیا جا سکتا ہے۔ یہی اساتذہ فارسی کے طبقہ اس کا ایک سبب ہے بھی تھا کہ غالب کے شعری مطالب اس زبان میں تواضع کے جائزے تھے جن کے عرصہ کی زبان تھی اور جس کے قاصد شعرا دہلی تھے۔ دلی کی شاعری اپنے عرصہ کی دلی کے عواروں اور دوسروں سے مزین تھی اور وہ ہے کہ وہ انار کے حوالے سے غالب سے بحر شاعر کہتے تھے اس وقت ایک طرف تو دلی کی واسطیت پسندی اور عوارہ بندی تھی اور دوسری طرف گھسٹو کی قدریت پسندی اور خیال آفرینی۔ حالانکہ غالب کی شاعری نیز دیگر است کے

صحیح و بدھن سے اگلی ہے جب ہے نور تجلیں کی فضا میں سانس لیتی ہے اور فکر کی پونوں کو سر کرلی ہے شعری کے پر و بار پر غبار چاہے جس کو ان کی تقریباً ہر روزی شامی میں دے جاتے ہیں۔

عالم کی شاعری کا اولین دور شاعرانہ میلہ و ملامت کی شجہ کا موطع ہے۔ ہر بڑا شاعر عالم کے سنے سے درگاہت و دیانت کرتا ہے۔ جس عہد میں وہ رہتا ہے اس کا طرز چلن اس کے سنے کا طرز ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے وہ کبھی دیانت سے دھڑک اُٹھتا ہے تو کبھی اپنے انفرادی تجربے اور عقیدے کو دیکھتے ہوئے اپنے اور ہمارے ان دونوں کے امتزاج سے ایک نئے تجربہ 'ایک نئی دیانت اور ایک نئے اسلوب' کو تشکیل دیتا ہے۔ غالب کا سب سے پہلا شعر انیسویں کے فارسی شاعری کے بحرینِ ابراہیم کے ذریعے اردو شاعری میں موجود اور ایک لڑکی کی شعری زبان و تہذیب و نئی سے علم و سطر و نون کی مہارت پر مبنی تھا۔ وہاں غالب تک پہنچتے پہنچتے اردو شاعری کی دیانت و حقیقت نگاری اور طوطا پر نہ ہو بلکہ حقیقی غالب نے اسے ایک نئی و پہلی مدافعت اور اپنے انفرادی شعری تجربے سے اس کے حق و سواد میں نئی دھڑک دی۔ غالب کے اسلوب شاعری کا سب سے پہلا ذکر پہلے ہی ہے کہ اس نے اردو شاعری کو افکار عالیہ کا حصول دیا۔ وہاں غالب سے پہلے بھی فخری اور ابراہیم شاعری میں موجود تھے۔ جس طرح ہر بڑی شاعری میں یا نثر میں خود پہاڑ ہوتے ہیں لیکن اردو شاعری میں یہ فکر کسی بڑی عقلیات سوچ یا تجربہ کی آئینہ دار نہیں تھی۔ حقیقی غالب سے پہلے کی اردو شاعری میں کمرے کا خطاب کم ہی، صرف دو دو چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے۔۔۔ کے واسطے سے کسی قدر فخری محاسن مل سکتے ہیں۔ اسی طرح روایتی طور پر انصاف کے فلسفیانہ چھوٹے سچے ہر شاعر کے یہاں موجود ہیں۔ اس عقیدے سے دیکھا جائے تو غالب کے یہاں پہلی مرتبہ انسانی عقلیات سوچ اور کسی نہ کسی مروجہ فکر و مکتبہ کی رو سے۔ غالب ہی نے شاعری میں عین فکر کی کھانکھان پیدا کی۔ عقلیات اور نیکیرات شاعری میں یہ قوی امکان ہوتا ہے کہ شعریک را مروجہ سلیقہ ہو جائے یا اس میں شعیت نہ پائی نہ دے جیسے غالب ہی کا یہ شعری دھڑک رہا ہے۔

$\Gamma_0 = \{ \gamma_i : i=1,\dots,n \}$

$$\Gamma_{\mathcal{M}} \not\subseteq \Gamma \text{ and } \Gamma_{\mathcal{M}} \cap \Gamma = \Gamma_{\mathcal{M}} \cap \Gamma_{\mathcal{M}'} \neq \emptyset$$

باب کو امر واقعہ ہے کہ شامی ہند ہے اور عقل کی تعمیر مل کا نام ہے اور قطعاً ذہنی رجحان اور سوچ کے مختلف رجحانوں کی تلاش کی گئی ہے۔

مقررہ قلم سے دیئے گئے

$$\text{He} \rightarrow \text{He} \in \text{He}^{\text{He}} \in \text{He}^{\text{He}} \rightarrow \text{He}^{\text{He}}$$

یہ خیال حسن میں حسن اعلیٰ کا تھا

ظہر کا آگ اور ہے مہر کی گود کے اندر کھلا

ہے۔ رنگہ اللہ و گل لہری ہوا ہوا

٢٠٠٠ ٢٠٠١ ٢٠٠٢ ٢٠٠٣ ٢٠٠٤ ٢٠٠٥

وہی اک بات ہے جو یہاں نفس وں تحت گل ہے

ہمیں کا ایک وقت ہے میری رہنمائی کا

فہم جی کا کہنا ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی

فتح ہر رنگ میں ملتی ہے ہر سونے کی

کہیں گردشِ مدام سے کھرا نہ جانے دل
 خلائق ہوں چلا د سفر نہیں ہوں میں
 دہر ۛ جلو بکلی مشتاق نہیں
 ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودی
 ہو تھا سو صبح رنگ کے دھوکے میں گر گیا
 اسے دانے بل لب نہیں دانے گل
 چشم خوابِ خاموشی میں بھی لہا پرواز ہے
 سر پہ تو کہو کہ وہ شعلہ آواز ہے
 دم و دم تہمتِ عمارِ فنا
 دہش کی شوقِ تراشے ہے ہاتھ
 گلہ ہے شوق کو دل میں بھی چلی جا
 گھر میں محو ہوا اضطرابِ دنیا کا

غالب نے فن کے دامن کو لیبائی پارک چنی تھیں طبعی اور اعلیٰ درجے کے شاعرانہ فکر سے مبرا ہے انہوں نے نہ صرف اردو غزل کا
 رد واد سے تجاہت اور نئی آکاشوں کے لئے کھوکھ بگل فن کو نظر و احساس اور جذب و تحلیل کی نئی دنیا بنا دی بلکہ بڑا دل کی ذریعہ وضع کی جس
 کے ذریعے سے طرزِ احساس کی صورت گری ممکن ہوئی۔ اگر غالب کی شاعری نہ ہوتی تو شاید اقبال کی شاعری کو وہ فکری احساس مہیا نہ ہوتی جس
 نے اقبال کی شاعری میں کھینچا اندازِ فکر اور عقیدانہ نقطہ نظر کو پیدا کیا اس اعتبار سے غالب اردو کے پہلے عقلی شاعر اور اقبال مجددِ نظم و نثر
 شاعری ہیں۔ غالب کی شاعری میں فکری عناصر اسی طرح موجود ہیں جیسے غالب میں احرارے ہوئے ایک تہ پر بھی لکھ کا کہیں ہوتا ہے۔

ابرا ہوا غلب میں ہے ان کے ایک تہ
 مرنا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی لکھ ہو

جب کہ اقبال مجددِ نظم و نثر شاعر اس لئے ہیں کہ ان کے یہاں فکر کا پورا نظام حرکت کر رہا ہے۔ غالب نے اردو شاعری کے مضامین کو
 قدیمیت سے نکال کر انہوں نے زندگی اور اس کے دواؤں کا نظام اور اس کے عین و اس اور فطرت اور اس کی پیمائشوں کو آشکار کیا اگرچہ
 بعض صورتوں میں غالب کا نقطہ نظر بھی کھینچ رہا ہے تاہم ان کی شاعری میں شخصیت اور حسرت یک وقت موجود رہتی ہے جس کی ان کی شاعری
 کا خصوصیت آہنگ ہے جو صرف اور صرف غالب کی پہچان ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ غالب کے بہت سے لمبا دی فکر قدری شاعری سے آئے ہیں
 اگر ان کی یہ دونوں زبانوں کی شاعری کو سامنے رکھا جائے تو غالب کے یہاں ایک ایک قصہ انسان اور تہ نظر آتا ہے وہ خود بھی ایک پہلے پرواز
 انتخابِ ازل شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں خصوصاً ان کی فارسی شاعری بڑی دلورہ انگیز ہے اس میں وہ چاہتے نظر ہے جو ہمیں قدری
 میں حقی کے یہاں دکھائی دیتی ہے۔ غالب اپنی قدری شاعری میں حاشی حیات کے قریب دکھائی دیتے ہیں ان کی شاعری میں گرمی شعلہ اور دھور
 تھپتھپ کے پیچھے دنیا کو اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کے مطابق بدلنے کا موسم ملتا ہے اگر ان کی اردو اور قدری شاعری کو ملایا دیکھا جائے تو وہ ایک
 عقلی انتخابِ اقریں شاعر نظر آتے ہیں۔

غالب کا اندازِ ہیئت نہ جتنی کا تھا شاعری میں مضامین فرسودہ اور خیالات پرانے تھے ان میں ان کی ایک نہ تھی محض کا احساسِ فاقہ میں

دست گرد و نگر کوئی نا اور اک با حضور حیات سرے سے بید تھا اس برس مقرر میں غالب و دست کی ملاقات میں ملنے ان کی شاعری میں ایک حیرت انگیز شخصیت نمودار ہوئی۔ شاعری کو دیکھیں تو یوں لگتا ہے جیسے تاریخ کی بے رنگ اور سنگلاخ زمین سے خالقیت کا ہنر پھوٹ چکا ہو۔ غالب کے یہاں الٹیا میں اصرارے والے ایک سے کلام 'ایک' کی تفسیر اور ایک سے خون کا تجزیہ اور مشرق کی فنی 'ملی' اور اپنی مدح و نوحہ تک انہیں محدود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے یہاں زندگی کے نفسیاتی حقائق کا گہرا شعور ملتا ہے جس سے کام لے کر انہوں نے اردو شاعری کو دنیا کی عظیم شاعری کا رتف بنا دیا۔

یہاں شاعر اپنے ساتھ زبان و خیال کی وسیع دیا لے کر آتا ہے کہ غالب کے یہاں بھی فکر کی گہرائی 'ہندہ' کی شدت احساس کی تاریکی 'تخیل' کی قدرت اور شاعرانہ تجربے کی دست نگر آتی ہے۔ وہ دلیات کی تختی سے پلندی کے قائل نہیں بلکہ قفسوں سے جان اور بوجھل دولت کو ترک کرتے نظر آتے ہیں ان کی شاعری میں افکار کی ایک نئی دنیا 'مقل' کا ایک نیا جہاں اور اسلوبیات کا ایک نیا آئینہ موجود ہے انہوں نے اپنے تفسیرات اور تصورات کے ذریعے ایک نیا کشف حیات پیدا کیا وہ خود اگرچہ قدیم و جدید کی سرحد پہ کھڑے تھے اور انہیں اپنی تفسیر حق اور توفی دلیات سے جھگڑانے کا مست فہم بھی تھا لیکن وہ ماضی پر دست ہرگز نہ تھے 'آئینہ' تو سے دارا اور طرز کمن پہ اذان ان کی قدرت میں ہی نہ تھا اس لئے انہوں نے نئے نئے لہجے اور نئی تفسیر کا استعمال بڑے پڑھائی طریقے سے کیا۔ سرمد احمد خاں کی ایک آئینہ انگریزی 'پ' انہوں نے ہر مضمون تقریباً یہ زبان جاری رکھی اس میں سرمد کے کام کو مودہ پردہ کی سے تعبیر کر کے نئی تفسیر کی اور کاملاً ان تفسیر میں کیا۔

نغمہ ہائے زمرہ اور سدا آورد

عرف میں طائر بہ پردان آورد

غالب کی مستقبل کی طرف گہرائی آگے نے ایک نئی دنیا کا تصور پاتے ہوئے دیکھ لیا تھا نکلنے کو کہ انگریزوں کی مرکز میں کام کرنا غالب اپنی جوانی میں دیکھ آئے تھے اور وہاں کی رونقوں اور دلچسپیوں سے بے چارہ حشر ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ غالب کی شاعری میں قدیم انسان کے شعور سے ایک نئے انسان کے اور اک نیک کا سفر دکھائی دیتا ہے۔

اس ساری بحث کا مقصد غالب کے فلسفیانہ شعور کا کتبچہ لگانا ہے۔ غالب سے پہلے اردو شاعری میں فکر کا عنصر محض تصوف کے مضامین کے حوالے سے ہے مگر مشکل یہ ہے کہ تصوف میں ہمارے عوام جتنیوں اور مدعوں کو موضوع بنایا جاتا ہے ان موضوعات کا زندگی کے انوس کے شعور و حقائق سے کچھ تعلق نہیں یہی وجہ ہے کہ تصوف کے مضامین محدود و پھوڑ کر اردو کے تمام مضامین کے یہاں دوانی طور پر موجود ہیں۔ خواہ محدود چوں کہ خود علامہ مصطفیٰ تھے اس لئے ان کے یہاں تصوف کی واردات خلعت تصوف کی اصطلاحوں میں بیان ہوتی ہے تمام انہوں نے اسی حقیقت کی محفل تک پہنچنے کے لئے ہمارے ہی کی پیڑھی کو استعمال کیا کئے کا مطلب یہ ہے کہ غالب سے پہلے اردو شاعری میں تصوف کے مضامین کو پھوڑ کر زندگی کے بارے میں حقائق کا غلط فہم تصور موجود تھا۔ غلط فہم یہی سہی اٹھایا جاسکتا ہے کہ کیا شاعری اور فلسفے میں کوئی جاکر تعلق ہے؟ کیا شاعری فلسفے ہی سکتی ہے؟ یا فلسفہ شاعری میں اصل سکتا ہے؟ غلط تو زندگی کی بنیادی حقیقتوں کا سراغ لگانا چاہتا ہے۔ جی کیا ہے؟ کیا ہے؟ کیسے ہے؟ کس لئے ہے؟ غلط ان سوالات کو محفل کرنے میں محفل کا کردار ادا ہوتا کرتا ہے۔ غلط کا یہ بھی یہی ہے کہ ہم محفل کے ذریعے حقائق اور پہلی کو جان سکتے ہیں۔ غلط سائنس کے نام مولو سے اپنے اصول وضع کرتا ہے اور خالص عقل کے ذریعے حقائق تک پہنچتا چاہتا ہے انسان چوں کہ اپنے عوام اس کے ذریعے علم حاصل کرتا ہے اس لئے غلط کا عقلی لقیات سے بھی ہے جب کہ شاعری میں غلط عقلی اصولوں کے قوت نہیں بلکہ ایک مذہب کے قوت آتا ہے لہذا ہم شاعر کا غلط حیلہ کہتے ہیں یہ دراصل ایک عمومی دوج ہے جو ہر شاعر کے یہاں موجود ہوتا ہے خواہ وہ عقلی شاعر ہو یا نہ ہو۔ شاعر کو کہ چوں کہ عقلی اور اک دیکھتا ہے اور کچھ چوں کہ صرف محسوس کرتا ہے۔ اور وہ چار ہوتے ہیں یہ اس کا عقلی اور اک ہے یا جیسے لغت کا حسن محسوس کرنے کی چیز ہے اسی طرح محبت 'قربت' 'فہم' 'جاد' دلچسپ اور رنگ بنیادی

طور پر امتیازات ہیں اس لئے شاعری اور فلسفہ دو فلک فلک مسائل میں اور فنی کی صورت میں ہیں شاعری فلسفہ ہی تو کہتی ہے مگر فلک اس کی شمعیت قائم رہے مینہ فلسفہ شاعری میں داخل نہ سکا ہے بلکہ بنی شاعری میں تو آکر لیا ہوتا ہے تاہم شاعری فنی طور پر جذبات اور امتیازات سے متعلق رکھتی ہے اور انہی کے دریغ سے ہمیں حقائق سمجھتی ہے شعربند ہند۔ امتیاز کے درجے حقائق ہم تک پہنچاتا ہے تو وہ محسوس کو محسوس اور محسوس کو محسوس بناتا ہے جب ہی وہ ہمارے حواس کو متاثر کرتا ہے شاعری اور فلسفہ میں ہی حقیقت ہے اسی لئے شاعری اور فلسفہ یکجان تو ہو سکتے ہیں لیکن شاعری کبھی عمل طور پر فلسفہ یا فلسفہ کبھی عمل طور پر شاعری نہیں ہی سکتا مگر ہم کو یہود شاعری سے جو رہا ہے اس لئے کہ شاعری ہر صورت منطق نہیں ہے شاعری عقل کی دست پر ہوا کام ہے منطق تو فکر میں رابطے تلاش کرتی ہے اسے منہجہ کرتی ہے مگر شاعری فکر کو عقلی سطح پر حرکت دے کر فکر اور ہندسہ کو ہم تنگ کر دیتی ہے اور یہی ہم غالب کی شاعری بنے گی کیا ہے۔

درازدہ تو نے اپنے نظریے شاعری کے بیان میں کہا تھا کہ شاعری میں فکر ہندسہ کی آنچ سے پھسل اٹھتا ہے غالب کا کمال یہی ہے کہ انہوں نے فکر اور ہندسہ کو یک جان دو قالب بنادیا ہے۔ فلسفیانہ شاعری وہ نہیں جس میں کسی کسی کو محسوس کر دیا جائے فلسفیانہ شاعری وہ ہے جو ہمیں زندگی کے بعض پریشیدہ امکانات سے آشنا کرے اور جس میں حقائق کی جستجو کا عمل تو خوب دینے کی حد تک موجود ہو۔ دنیا کی حکیم بنی شاعری یہ آزاد اپنے اندر لازمی طور پر رکھتی ہے وہ ہمیں زندگی کا کمال اور انسان کے ہر سے میں کوئی نہ کوئی نئی بصیرت عطا کرتی ہے۔ غالب کی شاعری اپنی خیال افروز نئی بصیرت سمیڑی اور خود مدعی کی ہدایت زندگی بنی شاعری کی ہم پہلے سے اقبال نے تو انہیں بجا طور پر جو سلی کے منظر شاعر گوئے کا ہم پہلے قرار دیا ہے۔ غالب کا ہر مصرعہ اقبال نے لکھا تھا اس کا شعر ہے۔

کہ تو آزادی ہوئی دل میں تیرا مہد ہے

کھنکھن دھڑ میں تیرا ہم نوا ٹولیدہ ہے

غالب کا مزاج ایک شاعر اور عقلی کا مزاج تھا جس وقت سے ان کا دل دھڑکا تھا ہی عجز سے ان کا دامن سونپنا تھا ان کے نزدیک ہند۔ عقل اور فہم و داخل یکساں حقیقت رکھتے تھے وہ جس چیز کو اپنے حواس کے دریغے محسوس کرتے تھے اس کا عقلی تجربہ بھی کرنا چاہتے تھے ان کا یہی تجویزاتی رویہ انہی کی حقیقت کو جاننے کا طریق اور فلسفیانہ شعور غالب کے یہی ہم تنگ ہو جاتے ہیں۔ سدا وصل ان کے لئے بڑا اسباب توفیق ہے ہی مگر یہاں ہونے کا خوف جان لیوا ہے غالب کا فلسفیانہ دامن وصل سے شکاک ہونے کا ہر اثر تلاش کر لیتا ہے۔

گر مجھے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا دھال

میرج' عیند آب میں مارے ہے دست دوا کہ یوں

اسی طرح غالب زندگی کے ہمسے کو حل کرنے کی آخر تک کو مشق کرتے نظر آتے ہیں۔

ہمیں کو ہے نشہ کار کیا کیا

دہ ہر مہر تو چپنے کا مڑا کیا

گویا غالب کتاب پہنچتے ہیں کہ زندگی کی ساری ہر ہی اور سارا نصف مرنے کی وجہ سے ہے یہ زندگی کا انحصار ہی تو ہے جو زندگی میں زیادہ سے زیادہ نصف اٹھانے پر آمنا ہے اس حقیقت تک پہنچنے کے لئے غالب نے نشہ کے اس مہر کو کسی کو کہ چھری اپنی ضد سے چھپاتی ہائی ہیں ایک ہر ہر شعری جواز کے ساتھ پیش کیا ہے۔

لیکن لوگ غالب کا دست پر ہی انسانی تاریخ سے غلطے ہیں ان کا کہنا ہے کہ غالب کی فکر میں جامعیت ہے اور دنیا ہر کے داخل اور باہر نکلتے وہ دنیا فلسفیانہ دانشمندی اور شاعری کی فکر کا انکار غالب کے یہی موجود ہے لیکن ہمے کسی لوگ ہیں جو غالب کی شاعری کا حقیقی این دھڑا پہل میں ہیں اور علامہ فضل حق خیر آبادی کی فکر سے قائم کرتے ہیں تاہم غالب کے سوانح مولو کو سامنے رکھ کر ہی ان کی شاعری کو سمجھا جاسکتا

ہے اور شاعری کو سمجھنے کے بعد ہی ان کی باطنی زندگی اور ان کے قصود و اہم کی وسعتوں، بلندیوں اور گہرائیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ غالب کی شاعری کی تقسیم کے لئے تاریخ، تہذیب، روایات، ادب، شعری، فلسفہ، تعلیمات، مطلق تصانیف اور دیگر کی علوم، عقل و عقل کا پختہ شعوری ہے غالب کی شاعری میں چاہا فکر کے اثر، انگریزوں کے ہاں نہیں تھا صرف علوم کی مدد سے ہی سمجھا جاسکتا ہے وہ عقل طور پر فلسفی شاعر نہ تھے ان کے یہاں عقل جیسا کوئی مرتب فکر نہیں ہے بلکہ غالب کا ذہن خواہ صورت "دل" پر اور باطنی عقلوں کا توازن تھا۔ یہ عقلیں خود بھی ہیں انوکھی بھی اور رکھتی بھی۔ انہی عقلوں کی جدوت غالب اپنے علمی تجربات کو بھی اداسیاتی رخ دے دیتے ہیں۔ غالب کے فہم کی ہدایات پر ان کی خواہشات عقلوں کے حوالے سے کام کرنے کی خاص سمجھ بھل ابھی باقی ہے۔ غالب اداسیاتی مظاہر سے الگ کیلیات لفظ کر کے زندگی کا سراغ لگاتے ہیں یوں غالب کی منجھ سے زندگی کو عقلی کی فکر سے دیکھا ہے اور شاعری کی حیثیت سے جان کیا ہے۔

دل آئینہ کہ سائل دیکھائے ہوں ہے اب

اس دیکھنے میں جلوہ گل آئے کرہ کا

نچو پھر گنا کھینے "تج" ہم نے اپنا دل

ہوں کیا ہوا دیکھا "گم" کیا ہوا پلا

نچو "سنگسنگ" ہر گناہ عیث معلوم

بہار دل بیچ غلاب گل پریشاں ہے

ہے گل "گل" ہار دل "ہار" ہر چراغ عقل

جو تری رزم سے لگا سو پریشاں لگا

جلوہ گل نے کہا تھا وہاں چراغیں آج ہر

با دہاں چرخچن چشم ترے ہوں غلاب کا

آگ ما ہے در و دیوار پہ سبز غالب

ہم دیہاں میں ہیں اور گھر میں بہار تلی ہے

تخل ہر جلوہ نیرنگ عقید

ہستی ہم ہے آئینہ کر معنی دہ

ہجوم فکر سے دل شعلہ سوچ لڑے ہے

کہ شیشہ نازک و سبائے آئینہ گہرا

آئینہ کا بلبل بازی ہے جس کے انہی مغل۔ منہ دیکھتے وہاں ٹیڈی بوری۔ خشخشا۔ دوش۔ چرخاں تاجا۔ صاف نور اجالہ کے ہیں جنک
جہاں میں آئینہ کو آگزی۔ اور جن نور آگیا کتے ہیں اسیر فدا کی ایک کہ کوئی ہے کہ۔

ہدی بول-کلی نہ شکی احمدی پانی نہ
ہدی بول آری گئے خسرو گئے نہ کوئے ہاتھ



فیروز اللغات حضرت الحاج سہابی فیروز الدیوبند میں آئینہ کے عکس سے زیادہ سچی اور صاف عکس ملتی ہیں مگر غالب کے ہاں اس سے بھی زیادہ۔ میر نے آئینہ کی جگہ کی حتم، شیشہ سے بھی آئینہ کا ہی مفہوم لیا ہے۔

غالب کا خیال تھا کہ "غالب فتنہ کے بغیر کون سے نظم بند ہیں" یہ تو غالب کا خیال تھا لیکن وہرا خیال یہ ہے کہ غالب کے بغیر اور نظم بند ہوتے نہ ہوتے اردو شاعری کا ایک وسیعہ ضرور بند رہتا جس میں جنگل ٹپنے کے بعد ہمیں نئے نئے خیالات سے آگاہی اور انسانی نفسیات کی بچہ در بچہ گیمیں سلجھانے کا موقع ملتا ہے۔ حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ فکر صاف و عفاف آئینہ ہے۔ سادہ اسی فرمان کی روشنی میں دیکھا جائے تو اردو میں بھول نہیں گور کیجیو کہ غالب کی کواڑ بولی کواڑ ہے، ہر دل و دماغ دونوں کو چھ لگاتی ہے غالب کے اشعار اس میں دگر دونوں کو پیچھرتے ہیں دونوں کو سمجھ کرے ہیں۔

انسانی تخلیقات کے مختلف رعب جس چاند سنی اور غریبوں کی کے ساتھ مرزا غالب نے دکھائے ہیں انکی مثال چندی امرو شاعری میں
کسی صفت تھی۔ تنہا کے ہی موضوع کو لکھنے غالب سے پہلے امرو شاعری میں دل دیکھتی میر تقی میر، خواجہ میر درد کا کام بدلتی صفاتی لطیف
چند نئی آتش نے بھی قاری شاعری کی روایت سے گزرا اثر قبول کیا ہوا صدیقوں کے معمولات سے رہیں نہ چاہتے تھے اور محنت و مشورت یا
قبول کے دی مضمون انہوں نے رقم کیے جو قاری کے صوفی شعرائے کرام کے بلا حصہ غالب کے پاس پہنچے سے پہلے ایک سرسبز جاہلوں
تھے امرو شاعری کا پیش کرتا ہوں کہ۔

جو تھو ہوں منتقل وہ شرم سوں لب نہیں
جیوں کس آری میں گر فوق تب ہوئے

میر تقی میر

چشم ہو تو آئینہ طالع ہے دور
سہ نظر آتا ہے رازوں کے بچ
ہر سر آئینہ رہتا ہے ترا سہ نکلا
دل کی تھید نہ کرنا تو نہ جیوں ہوا

خواجہ میر درد

وحدت میں تھی حرف عدلی کا نہ آنکھ
آئینہ کیا بھل تجھے سہ دکھا سکے
مخلص و کس اس آئینہ میں جلو لرا ہو سکے
ان نے دکھا اپنے تئیں ہم اس میں پیدا ہو سکے

علامہ عدلی سہیل

ہم بھی ہیں ترے حسن کے قربان اور دیکھ
کیا آئینہ دیکھے ہے میری ہان اور دیکھ

خواجہ سید علی آتش

دکھا دی ہے دل کی صفا وہ جلی کی میر
کیا آئینہ لگا ہوا اپنے منکلی میں ہے
آئینہ سید صاحب نظروں ہے کہ یہ تھا
چو شہر حضور میاں ہے کہ یہ تھا
دل لپا آئینہ سا صاف صفت پاک دکھتا ہے
تجھ دکھتا ہے حسن اس میں خود لپٹی کا

مرزا غالب نے بھی آئینہ کے استعارے کو روایت کی تعریف میں بھی استعمال کیا اور بے زبوں اور بے انداز اور بے پلوس سے بھی
روشناس کر لیا بھلاں گور کچھوری مرزا محسن طرہ و نظر کے ہی ہوتے نہیں بلکہ ان کا "استعارہ چلی" بھی اور ہے غالب کے اسلوب میں ایک
روایت منتقلی قریب اور ہادہائی تذبذب کا احساس ہوتا ہے الفاظ ہوں ڈانگھولت و استعارات وہ انہیں بڑی تکیرانہ فراوانی اور
حسن کلام طریقہ سے استعمال کرتے ہیں

قاری شامی کی روایت اور اردو کے قدیم شعرا کے کلام سے ملتی ہو آ ہے کہ آئینہ غالب سے نقلِ نقول کے لئے کم اور حکمت و تصوف کے موضوعات کے حوالے سے اردو شامی میں لکھیاں دیا اور آج بھی ہے مگر آج آئینہ کا استعارہ میر جعفری آغلی کے عہد سے بھی کم معنی میں زیرِ استعمال ہے۔

صوفیہ کے نزدیک وجود و دراصل وحدت سے متعلق ہے کائنات بھی دراصل خدا کا خیال ہے خیال کا صاحب خیال سے الگ کوئی وجود نہیں ہو گا۔ خدا وجود حق تعالیٰ پر موقوف ہے اس کا تصور غائبانہ ذریعہ سے ہے دنیا میں ۔۔۔ جو مظاہر نظر آتے ہیں یہ دراصل عدم کے آئینے ہیں۔ جن میں حقیقت نے اپنا جلوہ دکھایا ہے وہ آئینہ کے سامنے کوئی عکس ہو کر آتا تو آئینہ میں برائیاں نہ ہائیں گی اس طرح کائنات کے جو نقوش نظر آ رہے ہیں معدوم ہو جائیں گے۔ وہ کی ضمیر حق تعالیٰ کے لئے مشغول ہے۔ جو غالب کے نزدیک صفت میں ذات ہے اس لئے کائنات حق تعالیٰ ہے اور تمام اشیاء وہ ایک ہی ذات کی مظہر ہیں تو ہر نام ممکن حق کی مختلف حرکات یا چینی کہیں رہیں گی۔

نوحا طوطی فلسفیوں نے حقیقت کی مادی اصل پر کی ہے کہ حقیقت مطلق اور تو ضرور ہے مگر وہ اپنے اظہار کے لئے بلا کا مکنج بھی ہے اور غالب بھی شاید یہی سمجھتے تھے کہ خود کی جلوہ گری کے لئے ہمیں حالت کا وجود ضروری ہے۔ غالب کہتے ہیں کہ۔

حالات ہے کائنات جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
ہمیں زائر ہے آئینہ باز بیداری کا

غالب صوفی مشرب تھے کہ نہیں یہ ایک الگ بحث ہے مگر غالب کسی بھی مسئلے کو دینی نقطہ نظر سے نہیں سمجھتا تھا چاہے نئے رنگ کے لئے کائنات کے ساتھ ساتھ الکی ذات بھی ایک اہم مسئلہ تھی اور وہ فرماتے ہیں کہ

نہاں ہے گوہر حضور حبیب طو شامی میں
کہ ہاں لہاس ہی نقول اور آئینہ دہا ہے
آئینہ دلہا جوت و جوت کنگا ہاں
سحاب بہتر از و سہ بہتر از

لہ و گلی نجم آئینہ انوار حق ہاں
ہوں میں وہ دلہا کہ پھولوں میں ہوا ہے مجھے
دعا کو تڑپائے فکرت دل ہے
آئینہ غدا میں کوئی لئے ہوا ہے مجھے

میرا نے تصوف کے علاوہ حکمت نقول سے ہر پر مطالعہ بھی آئینہ پر ہونے اور تحریرات موضوعات کی تجربہ بدھنے کے ساتھ ساتھ روایت سے ہٹ کر اسلوب اختیار کیا غالب کے یہاں ایسے اظہار میں داخلی شدت بھی پورے صوبہ پر ملتی ہے وہ فرماتے ہیں۔

لب میں ہوں اور نام یک شر آرد
درا جو قوس آئینہ نقول دار تھا

ہلو تو ایک تھکنے تھک کر رہا ہے
 اور کینہ بھی چاہے دکھائی دے
 کیا کینہ جانے کا وہ تھک رہا ہے
 کہ ہے تو خودیہ عالم تبسوں کا
 یک طرفہ پیش میں کینہ ہلو
 چاک کر رہا ہوں میں جب سے کہ گریہیں سمجھا

عالم کسی نظریے کسی فکر کو آسانی سے قبول نہیں کرتے اور قبول کرنے کے بعد بھی اس کے بارے میں طعن ہو کر رہتا نہیں جیسے ہر ایک نے اندر کا جیتا نہیں ہر ایک مشغول دیگر دیکھتا ہے کسی وجہ سے عالم کے بارے میں دیکھنے کے بارے میں کوئی فکر اٹھتا ہے وہاں نہیں کہیں اس پابندی سے انداز بھی پرانی صورت سے نظر آتا ہے۔

بقول ڈاکٹر ابوالیث صدیقی کے "مذہب میں کوئی خاص فکری راستہ چلا مشکل ہوتا ہے مگر دین میں عالم کے بطور مفکر سے رہنمائی واضح طور پر نظر آتی ہے زندگی اور زندگی کے حقائق و مسائل کا واضح فکری میلان ہے۔ عالم کا احساس خودیہ سے محبت کے روپے کو دیکھ کر رہا ہے انہوں نے ظاہر اور باطن کو رشتے کے سلسلے سے مربوط سمجھا۔ عالم کے اس انداز فکر نے انہیں کبھی موت یعنی فنا سے خوف نہیں کیا اور حضرت علیؑ سے ایک خاص محبت و حمیت کے حوالے سے بھی عالم کے لئے موت کی کوئی حقیقت نہیں جڑا ہے کہ وہ اسے ایک اور ستر خیال کر لیں اور کہیں۔

ہر ہے کینہ طاق ہلو
 تھکنے تھکنے سے پیدا ہے کل
 وہ حیرت نعل و طور شد پرانے طیل
 وطن جلم سے رہا کینہ قہر میں آ
 ہلو ہے فکر ابد ہم جتنی دہم
 سہ ہے کینہ فراق ہلو و نسکوں

ہر شعر و نصیب کے چند مخصوص استاد ہوتے ہیں جو دل کی گونجوں میں اتر کر انکی دماغ میں جا پہنچتے ہیں انکے دماغ میں رسالت کر جاتے ہیں اور وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ان استادوں پر طعنیں قائم کرنا چاہتا رہتا ہے کسی کو اس امر کا احساس ہوتا ہے اور کسی کو فخر نہیں ہوتا جیسے میر تقی میر کی شعری کی فضا، حق "دل" "خاک و پل" "انوار ہل" "ایر" "آئینہ" "ایک" کے استاد نے ہماری طور پر چھائے ہوئے ہیں اور میر بھی اپنے قدیم سے زیادہ۔۔۔۔۔۔ ہر چہرہ محفل میں استادوں سے کام لیتے رہے مگر مرزا غالب کی سی حدت و ترکیب اور ہلو دماغی انداز کے نہ کسی قدیم شعر کے بل جتنی ہے اور نہ آج کے کسی شعر کو نصیب ہوتی ہے انکے کام میں حدت اور اور حدت جلی اٹھا اور وہاں اور ہونے کا محبت ہیں اور اس شعری پہلو داری دیکھئے۔ مرزا فہم ہے۔

ایک ہے تم جگر دیکھتے ہو کینہ
 جو تم سے شرمیں ہوں ایک وہ تو کہہ کر ہو؟

اس شعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انسانی طرح کے ایک دو ممکن شرمیں اور ہوں تو نہ معلوم شرم کا کیا حال ہو اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تم آنکھیں میں لپٹا کر کسی ہی دیکھ کر اس سے لپکتے ہو اگر ایک دو ممکن شرمیں اور بھی ہوں تو چاہئے بارے حد کے انفرادی کیا حال ہو۔

مرزا غالب نے بدلتے ترکیب اور پیلوڈی سے اور زبان میں دسمت و ارتقاء کے حیرت انگیز امکانات پیدا کر دیے اور اردو زبان میں نہایت عقلی افکار و خیالات کے اظہار کی راہیں نکالیں اور ان کا مطلب کے مطالعہ سے ایسی نئی نئی ترکیبیں اور اشعار مل جاتے ہیں جو مرزا غالب کی قلمیاد طبع اور بدلتے مزاج کے آئینہ دار ہیں اور ہم اپنے مضمون کا اداس صرف آئینہ کے حوالہ تک ہی محدود دیکھیں گے) مرزا کے زبان (مروجہ کل داس پگندنا) میں آئینہ کے حوالے سے ۲۲ کے لگ بھگ اشعار ہیں اور ۱۰ غزلیں ایسی ہیں جنکی مدح آئینہ ہے

بکہ ناکی ہے وہ دلف بخت آئینہ ہے
ہے شرم نہ شعلہ آئینہ آئینہ ہے

س نمبر ۳۳

اور غزل سات اشعار پر مشتمل ہے
جبکہ دوسری غزل کا مطلع ہے۔

اور مرزا بے درد دل و دل ہے آئینہ
طولی کو شعلہ بخت سے متقل ہے آئینہ

س نمبر ۳۴

اور غزل سات اشعار پر مشتمل ہے۔ جبکہ نو گہر (۱۸۸۲ء - ۱۹۰۰ء) بمطابق زبان غالب کا کل مروجہ کل داس پگندنا) اور زبان غالب کا کل کے باب حقوق (۱۸۸۲ء ۱۸۸۳ء) میں (۱۹۰۰ء ۱۹۰۱ء) میں ایک شعر بھی آئینہ کے حوالے سے دستیاب نہیں ہے جبکہ نو گہر (۱۸۸۵ء) کے باب شعلہ زبان کا کل (۱۹۰۱ء ۱۹۰۲ء) میں آئینہ بے مرزا کے صرف دو شعر ہیں اور دونوں اشعار میں آئینہ بے مرزا کی ترکیب اشعار میں نئی ہے گہر اشعار کے مطالعہ میں بہت تقویت ہے۔

چا کہتے ہو تو میں دلوں کرا ہوں نہ کہوں ہوں
بیٹا ہے بہت آئینہ بے مرزا آگے
سب کو حیل ہے دعویٰ تیری یکتائی کا
دودھ کوئی بہت آئینہ بے مرزا دھوا

اور نو شیریں (۱۸۸۲ء ۱۸۸۳ء) کے (۱۹۰۰ء ۱۹۰۱ء) بمطابق زبان کا کل کے بھی صرف دو اشعار میں آئینہ کا استفادہ ہے

کب گھٹے کوئے یاد میں رہنے کی وضع یاد تھی؟
آئینہ دار میں گئی حیرت عقل پا کہ یوں

اور سادگی درائیک کی ترتیب میں ہے کہ

ہام ہر آئینہ۔ آئینہ ہاں شربہاں ہر آئینہ۔ آئینہ نور ہر آئینہ۔ خد شمع آئینہ۔ آئینہ عاز ہے خاک۔ آئینہ ہوا
 خوب۔ آئینہ دار۔ حیرت۔ مٹانے حیرت آئینہ۔ آئینہ غرار قند۔ جاہلین ہر آئینہ۔ آئینہ مد خلوت۔ محل ہے آئینہ۔ محل ہے
 آئینہ۔ افوق گل ہے آئینہ۔ آئینہ بھی در طاعت۔ شرم آئینہ تراں۔ آئینہ محراب۔ آئینہ انوار ہوا۔ آئینہ ہر آئینہ
 آئینہ۔ آئینہ حلت تب۔ قتل در آئینہ آئینہ فریض شمس۔ زنگار نور آئینہ۔ آئینہ افراس گہ۔ آئینہ دست بہ دست۔ آئینہ
 ہادی گویہ۔ جلت کرخی آئینہ۔ آئینہ حسن یقیں۔ ہر آئینہ سنگ۔ آئینہ غلاب گری شیریں۔ آئینہ بخت ہوا۔ آئینہ ہر آئینہ
 آئینہ۔ آئینہ ہوا زلف خیال آئینہ ساز۔ بت آئینہ جملہ آئینہ گداز عاب۔ ہم آئینہ قصور لہ۔ آئینہ ہر آئینہ قلم آئینہ۔ آئینہ شبن
 اعدا قتل۔ ہمار آئینہ۔ آئینہ فریض جن و نمکس۔ آئینہ تیرا کھل۔ آئینہ برگ گل۔ فن درائیک کے سرسری مطالعے سے بھی یہ احساس
 ہوتی شہوت کے ساتھ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ غالب کسی بھی چیز کو ایک رخ سے دیکھنے کے قابل نہیں تھے انکی عواطف ہر وقت ہر طرح
 انہیں کسی حکم کے زیادہ دیر غور نہیں کرتی تھی وجہ ہے کہ غالب کے استعاروں تشبیہوں اور درائیک میں سے فن کا نظر جھٹکتا ہے
 اور یہی نہیں کہ غالب کے ہاں صرف آئینہ کے حوالے سے انکا عواض اتنی عدوت اور درائیک کی بدلت ہے بلکہ وہ معنی کثرت لفظی کے
 قابل تھے اور محض دو الفاظ دو لفظوں میں نہیں سمجھتا تھا اسی لیے ان کے ہاں خیال۔ قند۔ تہل۔ شبن۔ حور۔ وچ اور دیگر کے حوالے سے بھی
 جی شاعرانہ دھڑکن کی تصویریں نظر آتی ہیں اور اس کے علاوہ بھی انکا اور استعمال ہے جنہیں غالب نے دندہ و ہلہ کا نام اور کوئی بھی
 لکھتے بعد اس مقام ارفع و ادنیٰ تک نہیں جاسکتا۔

مگر غالب چونکہ لفظ اور غیر آشنا زندگی پر یقین دیکھتے تھے غریبہ کا تفکیک کے معیار رہے اور بھی کسی حکم سے کسی کام سے
 مطمئن نہ ہونے اور یہی فکر تفکیک انہیں عالم حیرت میں لے گیا جہاں سے ان کے حلق میں کیوں اور کیا ہے؟ انکا ہوا۔ اور ایک نوع
 کی اتھا پندی اور انداز ان کے لوہوں مراحت کر گیا اور انکی فکر پر چھائی وہ زندگی کے ہر لمحہ لڑتا پڑتا ہونے پر یقین دیکھتے تھے اور بہت
 دباؤ آواز کے شیکسیر کی طرح غالب کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آخری تجربے میں وہ قبولیت پسند تھے یا رہنما پسند
 ان کا تصور حیات الہی تھا یا طریقیہ کیونکہ غالب کے مؤرخ میں سب عناصر شامل تھے اور وہ زندگی کو اپنی عناصر کا مرکب سمجھتے تھے غالب نے
 بطور شخص زندگی کو ایک حقیقت پسند نقطہ نظر سے دیکھا برآ اور قول کیا اور زندگی کے بارے میں ان کا یہی وہی مواد ہر لمحہ باطنی
 حقیقتوں اور لڑتا کے بدلنے دیا ان کو وہ سوال کی نسبت آسانی سے قبول کرتے رہے اور شعر میں غالب نے اپنا مقصد "آئینہ زلف و
 صورت معنی نمود" قرار دیتے ہیں چنانچہ معنی لفظی کا ہر شکل غالب کی شاعری میں نظر آتا ہے وہ اپنی شکل آپ ہے معنی آفرینی اور
 حقیقت پسندی کی اس کوشش میں غالب کے غلو خیال کی سرری ایک ہی رخ ہے نہیں ہمیں اور نہ انکے سوا ہیں یہ ایک ہی لے کے نکلے
 پھرتے ہیں غالب "تیرنگ صورت" اور تیرنگ تھا اور آئینہ ہر جہاں کے دراصل تھے ہفتہ جانی پریشان لفظی غالب کی پہلو اور یہ قصوں
 شخصیت کی ہی عکس ہے یہ ان کا سرمایہ بھی ہے اور ان کا اکتیاف۔

آخر میں آئینہ کے حوالے سے مرزا غالب کے غلو احساس کو چھ لادینے والے اشعار کا انتخاب کیے مرزا کے آئینہ جادہ میں چلے ہیں
 اور جادہ حوصلہ محقق جہاں رجی کرتے ہیں۔

غالب پر رفیق خلود کی دو قدیم تحریریں

۶۵ برس پہلے نگارشات کی ہدایت

میں محمد رفیق حسین خلود "۱۹۱۶ء" کی سہولت میں جیل کے باغ پرچا ہے۔ ڈاکٹر صدیق حسین خلود اور ڈاکٹر محمد صدیق کے پاس سے پہلے جسے رفیق خلود ۱۹۵۸ء کو ۱۹۵۷ء میں پڑھا وہ سنہ ۱۹۵۰ء کو کراچی میں فن کا اہلکار ہوا۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے (آنرز) کیا۔ پوری فن کا خاص مضمون قندیلواکس عربی سے انہیں گھنے کا شوق تھا۔ "راوی" (پندرہ گورنمنٹ کالج لاہور) میں فن کی نگارشات نظم و نثر ۱۹۵۷ء اور پندرہ کے شماروں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

میں صدیق حسین خلود (۱۹۱۶ء - ۱۹۷۷ء) نے ۱۹۵۳ء میں لندن یونیورسٹی سے فن کی ڈی گری کی۔ تحصیل کے لئے دیکھئے: پندرہ شماروں میں اردو تحقیقی ڈاکٹر یحییٰ حسین ارمیہ اور ۱۹۵۸ء میں ۳۰ ڈاکٹر محمد صدیق (۱۹۵۸ء - ۱۹۷۷ء) نے محمد حسین خلود کے تحقیقی کام کر کے ۱۹۵۰ء میں انہیں پندرہ فن کی ڈی گری سے ڈی گری کی ڈی گری حاصل کی۔ دیکھئے: پندرہ شماروں میں اردو تحقیقی "ایڈ" میں ۱۹۷۷ء۔

رفیق خلود کو غالب سے بڑھ کر دل دہی "راوی" میں فن کا ایک مضمون "غالب کی ادبیت کا تاریخ" ۱۹۵۷ء کے شمارے میں پہلا "راوی" میں پہلے دہائی غالب کے پہلے تنقیدی مقالے کا آغاز حاصل ہے۔ یہ مضمون غالب کے عہدے اور رفیق خلود کا پہلا مضمون بھی ہے۔ اس وقت وہ چار برس کے تھے۔ انہوں نے دہائی برس کی عمر میں "غالب سے فن کا شوق" کے نام سے ایک نظر تک دہائی نگار دیا۔

مجھے غالب اور مصر غالب کے بارے سے ڈاکٹر یحییٰ حسین ارمیہ کے کتب خانے میں رفیق خلود کی دو کتابیں ملیں۔

۱۔ "غالبی ادب" مطبوعہ لاہور ۱۹۵۳ء، صفحات ۲۲۲

۲۔ "غالبی ادب" لاہور مطبوعہ کراچی ۱۹۵۸ء میں ۵۶

پہلی کتاب "غالبی ادب" ذوق کا تنقیدی مطالعہ ہے۔ اس کتاب سے مجھے غالب کے بارے میں رفیق خلود کی ایک "غیر مطبوعہ" کتاب کا سراغ ملا

"دور النک کے ماحول اس مختصر مضمون میں میں نے دیکھا۔ "دور النک" میں مرزا غالب کی شخصیت اور کام پر تبصرا کیا گیا ہے۔

(غالبی ادب، ص ۲۳۸)

"غالبی ادب" ص ۲۳۰ پر فتح ہو گئی ہے۔ ص ۲۳۱ تا ۲۳۲ میں رولرز کی تصنیفات "غیر مطبوعہ" کے قسط میں صدیق حسین خلود میں محمد صدیق اور میں رفیق خلود کی مجموعہ "تصنیفات" (غیر مطبوعہ) کا تبادلہ کرایا گیا ہے۔ محمد صدیق دیگر "غالب کے بارے میں رفیق خلود کی کتاب کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ۔

"دور النک" بخاری مرحوم کے طرز میں غالب کی شاعری پر ایک پرستی تبصرا ہے۔ "یہ امر

غالب" کے بعد وہ دوسری کتاب ہے جس میں مرزا غالب کے کام اور شخصیت پر ہر پہلو سے نگراں

مٹی ہے۔ غدار کے نزدیک کتاب اور کاتب سے بڑا شاعر ہے۔ مٹی کہ میر اور انجیل مٹی جھیل مٹی اور شخصیت کے لحاظ سے اس کا مطالعہ نہیں کر سکتے۔ غالب کی عظمت کا دلاؤ اس کی شہرت "دردِ مطلق" تعلیم "انفلاق" جدیت "اصلی مقامی اور دیگر اہم امور میں صبر ہے۔ غدار کی اس شخصیت میں غالب کی طبیعت اور کلام کاتب سے اچھا آہٹاج اور پے لطف مطالعہ کیا گیا ہے۔"

(دہلی، ۱۹۳۲ء، ص ۳۲-۳۳)

لیکن میرا شک "کے پیچھے کی جانب" نسبت نہیں آتی۔

مثنوی غدار کی "دوسری کتاب" "نورِ شاہ" "بزرگوار" "غالب کی فارسی مثنوی "بزرگوار" کی مضمون اور تکنیک اور اس کی تنقید وغیرہ جس کتاب کے مولفوں نے سوانح و تاریخ رائے گزاردہ "کراچی کی جانب سے کتاب کے بارے میں مثنوی غدار کی دو کتابوں کی فہرہ جھیل دی گئی ہے۔"

(۱) "رنگِ دلف فارسی مثنوی غدار۔۔۔ جس طرح رنگت میں گفتو غالب رنگِ دلف فارسی ہے" اسی طرح یہ فرائض بھی یہ غالب کی فارسی فرائض (اوراد و کلام) کا اردو روپ جس میں رنگت رنگِ دلف فارسی "ہیں۔ ایک دستِ چوٹی چوٹی سخن جس سے غالب کے مثنویوں کی دہائی کے غدار اس کے فارسی و اردو کلام کے موازنے کا موقع بھی ملتا ہے۔"

(۲) "GHALIB COUNTER - POINTED" ان مثنوی غدار قیس قصور کے ہندے میں بھی عیاں نکلتے ہیں۔ اگرچہ انظم کا ہند ہے جس پر غالب کی اردو غزلیات (اور: رنگت) (اشارت) کی جھیلی نظر آتی ہے۔ ایک بصیرت افروز مقدمہ "میں جھیلیں کو اور بھی لہر کرنا ہے۔"

یہ کتابیں رائے گزاردہ "کراچی کی جانب سے بچھا گئیں۔ پروفیسر ڈاکٹر سید محمد الرحمن دہلی جی کہ ۱۹۶۹ء یا اس کے بعد بھی اگر یہ کتابیں جھیلی قیس کے علم "اور انجیل دہلیات میں نہیں۔ ڈاکٹر سید محمد الرحمن کے انجیل دہلیات میں لکھے "غالب سے حلق" مثنوی غدار کے مطالعین غزوہ قلم کے درج ذیل حوالے بھی ملے:

۱۔ غالب کی شہرت:

(۱) دہلی "غدار تاریخ اپریل ۱۹۳۲ء میں صفحہ ۵۶

(۲) دہلی "غدار تاریخ ۱۹۵۵ء میں صفحہ ۳۰

۲۔ غالب ایک نا قصور: دہلی "غدار تاریخ ۱۹۵۱ء میں صفحہ ۳۰

۳۔ کتبہ غالب کے بارے میں (فارسی): دہلی "کراچی فوری ۱۹۵۳ء میں صفحہ ۳۰

۴۔ احوال غالب (ڈاکٹر فارسی) پر تبصرا: دہلی "کراچی اپریل ۱۹۵۳ء میں صفحہ ۵۸

۵۔ کتبہ غالب کے بارے میں (فارسی): دہلی "کراچی فوری ۱۹۵۵ء میں صفحہ ۶

۶۔ غدار غالب: سرحد "کراچی تاریخ ۱۹۵۶ء میں صفحہ ۲۸

۷۔ مثنوی غدار (غالب):

(۱) دہلی "کراچی فوری ۱۹۵۸ء میں صفحہ ۳

(۲) دہلی "کراچی فوری ۱۹۶۸ء میں صفحہ ۲۴

- ۱۸۔ جولائی ۱۸۵۹ء کو "کراچی فروری ۱۸۵۹ء" میں صفحہ ۲۱
- ۱۹۔ سرب فزولے قزوے "لہ نو کراچی فروری ۱۸۵۳ء" میں صفحہ ۳۸
- ۲۰۔ کلام غالب (نسطجیل قدوائی) پر تبصرہ "فروری ۱۸۵۳ء" میں صفحہ ۵۶-۵۷
- ۲۱۔ غالب۔ لیتھائی دور "ڈاکٹر خورشید مسعود" پر چھ سطریں "لہ نو کراچی فروری ۱۸۵۳ء" میں صفحہ ۵۷
- ۲۲۔ گنجشہ ہار شہل (مضمون پر سلسلہ غالب):
- ۳۳۔ یوم قدح (پیش لفظ غالب نمبر) "لہ نو کراچی فروری میں ۱۸۵۳ء
- ۳۴۔ رشتہ دلکش فارسی (غالب) "لہ نو کراچی فروری ۱۸۵۵ء" میں صفحہ ۳۸-۳۹
- ۳۵۔ DE PROFOUNDERS (ڈاکٹر جی ڈیٹر غالب) "لہ نو کراچی فروری ۱۸۵۵ء" میں صفحہ ۳۲-۳۳
- ۳۶۔ ڈی رائے حقیقت پر غالب کا تذکرہ "کراچی" فروری مارچ ۱۸۵۹ء
- ۳۷۔ غلام غالب کا تذکرہ "کراچی فروری مارچ ۱۸۵۹ء" میں صفحہ ۴۰-۴۱

یہ تصدیقات اس امر کی توثیق کرتی ہیں کہ غالب "مدۃ العمر" رفیع غلام کے مطالعے کا مرکز اور ہی کے لئے پہلی تحریک توجہ اور تخلیق کا سرچشمہ رہے۔

ایک محفلت میں رفیع غلام کی بہ نادر حالت غصہ کی باری ہیں۔ اس میں پہلی قرآن (غالب کی افتخار) دہلا "اروی" دہلا کے شانہ مارچ اپریل ۱۸۵۳ء میں چھپی۔ اور دوسری قرآن (مؤلفانہ لفظ و غالب) اس کی تیسرے صفحہ کتاب غلطی پر ملاحظہ اور آخری صفحہ ۳۳ کے آخری باب کا چھ حصہ ہے۔ ان ۳۵ برس سے زیادہ قدیم تعلیمی پادہ ہائے ادب کو "لہ نو" کے نام غالب نمبر میں چھ دیا اس حوالے سے داسی ہوگا کہ رفیع غلام برسوں "لہ نو" کے بارے میں غور و فکر میں رہے اور اس حیثیت میں انہوں نے دہلا کے حصہ "غالب نمبر" پیش کیے۔

۱۸۵۶ء میں سید وقار عظیم نے "لہ نو" کے بارے کی حیثیت سے "فروری" کے پہلے کو مطالعہ غالب کے لئے مخصوص کرنے کی روایت ڈالی۔ یہ خصوصیت بعد کے برسوں میں "لہ نو" کا انتہائی نشان بنی رفیع غلام نے "لہ نو" کے بارے کے طور پر ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۶ء تک ہر برس فروری کی اشاعت میں ایک گوشہ غلطیات کے لئے مخصوص رکھا۔

فروری ۱۸۵۳ء کا غالب نمبر غفر قریشی کی ادارت میں شائع ہوا۔ اس شمارے میں رفیع غلام کو "انگراں لہ نو" کہا گیا ہے۔ فروری ۱۸۶۶ء کی خصوصی اشاعت غالب پر رفیع غلام کا نام بطور "مشیر" درج ہوا ہے۔

غالب کی ذہنیت

محمد رفیع غلام

غالب کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دو باتیں خاص طور پر محسوس کرتے ہیں اس کی عام انسانی سرشت اور خلی تخلیق (High Minded men) بطور یہ دونوں باتیں مفصل معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کا امتزاج بھی شانہ و بار و قریب میں آتا ہے۔ غصہ کے لئے

دلی یا شیعہ بھی اپنی محبوبہ کا مزاج ان الفاظ میں نہ لکھتے۔ بدلی بھڑکیں یہ نظم سوسن کی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر ہم غالب کی طبیعت کا اندازہ رکھیں (۱) ہم، حقیقت اصلی اندازہ ہو جاتی ہے۔ اس عام اللہ طبیعت کا نتیجہ ہے کہ مرزا دلکش۔ اصلی حسن و جمال کی تعریف، ہر دیکھ، دلچسپ و دلجو کے مطابق اس کثرت سے رقم فرماتے ہیں۔ جنوری مرحوم نے دوست فرمایا ہے کہ "مرزا غالب کی مستحقہ شہرت نہیں، جو خیالی غیر سے پاک اور جنس متعلق سے پاک ہے۔ بلکہ زیادہ ہے۔ وہ خود پسند نہیں بلکہ سری کلین۔ اگرچہ آپ کرشن اور بیکس کے علی الرغم حسن سے زیادہ متاثر نہیں ہوتے۔

اس کے برعکس غالب از عقل و محبت کا ذکر نہایت لطیف طریقہ سے کرتے ہیں۔ اور اس کا مدنی پلو داغ فرماتے ہیں۔

گرتے ہی میں ہو خیال واصل میں شوق کا نڈال صبح میرا آپ میں بارے ہے دست و پاکیاں
دائے دواگئی شوق کہ ہر دم اچھ آپ چاہا فوج اور آپ ہی جیوں ہوا
بھونڈا سر لکھنے کی طرح دست بھانے خود شید ہوا اس کے برابر نہ ہوا تھا

یہی غالب کی رخصت پسند طبیعت دکھاتا ہو گی ہے اور اس حالت میں اس نے جو شعر کہے ہیں، ان کا شوقی شعرا کے دلوں میں جواب نہیں۔ بعض اشعار میں آپ نے دلی اور آکری کی مانند خصوصیات اور کسی کہیں کیرات شعر کہے ہیں۔ یہ شخص ان کی جلی بند نظری کا نتیجہ ہے۔ وہ نہ ایک عقلی صفت نہیں۔ ان کی تعلیمات سرشت خود بخود ان کو ان تعلقات کی طرف لے جاتی ہے۔ اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ غالب کے شوقی اشعار دو قسم کے ہیں۔ ایک ارض و آسمانی اور دوسرے عام شہرت کے آئینہ دار اور یہ شخص ان کی دورگی طبیعت کی ظاہری علامت ہیں۔

اس طرح اگر ہم مرزا کے طرز فکر "شاعرانہ زبان، صورت (imagery)، اور کلمہ، آہستہ، قدرت، خدا، غائب، انسان و حیوان کی نسبت خیالات کا لحاظ کریں اور ان کا قدرت یا زندگی کو سمجھنے کے لیے طریقہ دریافت کریں؟ ہمیں ان کی طبیعت کی دورگی صاف طور پر محسوس ہو گی۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی تصویر کشی کی اہلیت نہیں رہا، اس لیے ہم فرض کئے جاتے ہیں کہ مرزا کی طبیعت نسبت (Durability) پائیدار نہیں تھی۔ اب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ اس شخص کے ترکیبی عناصر کیا ہیں؟

غالب کی طبیعت میں ہوش و فرنگ (Intellect) کا ایک لہلہا حیثیت حاصل ہے اور اس نے ان کی تمام خصوصیات اور عملی مرکز میں پے اڑایا ہے۔ یہی سب کہ بعض اصحاب غالب کو محض عقلی شاعر تسلیم کرتے ہیں اور جس۔ ہم ان سے اس بارے میں حقیقی نہیں، ہم اس شعری استعداد کی انکشاف نہیں ہو سکتا۔ غالب کے لئے یہ جو ہر ایک دوست صلیب قدرت تھا ایک طوفانِ فکر تھا۔ قدرت اس نے ان کو ایک باطل جدید رنگ اور چہرہ طبیعت کا نقشہ بنا دیا اور اپنے اندر کی کوئی شاعری سے بھر کر کے ان سے بے غوراء اجلاص صادر کر دی۔ مرزا نے اپنی سادہ فطرت سے ہم نے کہ اور غزور خطا فطری کا رنگ ہی چل دیا۔ اس دو فنی طبع اور تصور نے ان کو پہلے "ناصر علی سہری اور قصوری اور دیو کے بخور سے بھنے میں مدد دی اور وہی فراوانی نے ان کو ہر جہاں، تسلیم سے غفلت نہ ہونے دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مرزا نے اس کی بدولت وہ کیرات اور عارفانہ شعر کہے جن پر دیا کتب بھی موجود ہیں۔ ان کا انداز ان داخلی قسم و عمل اور عقل کی مداخلت سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے اچھا جواب نہیں دے سکتے کہ ان کی کام میں یہ دونوں قسمیں کسی قدر ملائم؟ بھی ہیں لیکن دونوں نے اپنی انتہائی شاکت کو بھر دیا (Compromise) پیدا کر لیا ہے۔ اس لئے عظمت کا رنگ ان کی ہر کہ ایک فصیح و لطیف شاعری اندر سے سامنے آتی ہے۔ غالب کی یہ شاعری تیشیر کے درمیان دور حق سے عظمت تمام رکھتی ہے۔ دونوں کی زبان سے یہ مدد ملتی ہوئی مسطورہ و محبوب ہے جس طرح کسی حادثے کی صفائی سنسنیورداشتی ہو۔ اس میں انقلاب کا پتہ و حال نہیں پایا جاتا۔ مرزا کا شاعری کام بھی مستعد ہے۔ مگر آپ کے اور دونوں کے ہر حال آپ کے فوری مجاہد میں وہی عظمت یا رخصت عقل

اور نمونے فکر کا نوٹھارا اخراج دیتے ہیں۔ جو آپ کے ”برگ و دم“ کے کھڑی چکر میں جلوہ گر ہے اور اپنی کو عقل میں باہم رہنے کے باعث اس سے محروم نہیں ہوتے۔ غالب کے ہادی کام کی نوعیت انکو اس قسم کی ہے کہ ہم اس کا بجائے خود ہون کی اور ہادی شاعری کا خیال بھڑو کر ساتھ کرنے کے بغیر اچھی طرح دلو نہیں دے سکتے۔ مزاحی ہادی شاعری زیادہ تر عقلی اور لڑک (Logic) ہے اور اور ہادی شاعری نکتہ ہے۔ چونکہ یہی میں عقلی عالم میں ہیں۔ اور دوسری میں نوازہ۔ پہلی میں وہ شوکت عقلی اور ہادی فکر نہیں جو دوسری میں ہے۔ ہم لڑک دوسری کو پہلی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور اب تنقید کو چاہئے کہ وہ غالب کے ہادی کام کا بجائے خود ہادی گج رنگ میں پیش کریں۔ اگر اس کی اپنی جگہ قدر و حرمت ہو۔ اور کام کے ساتھ پیش کرنے سے ان کی ہادی شاعری بھی جلیل عام نہ ہو گی۔

غالب کی طبیعت کا دوسرا بڑا جزو ان کا نہ دست عقلی ہے۔ یہ اور دیگر عقلی شاد و راحت جزوی۔ اور عقلی۔ دوسری۔ عقلی خوش اور دلوں کا قانون۔ طبیعت کی ہادی اور عقلی رہی۔ وسیع انسانی۔ عقائد ہادی (Artisticness) نصب سے بھاگی۔ عقلی صورت (Moral Idealism) اور یہ عقلی خیالی اور ہم عقلی اقام سے مخصوص ہے، بہت طویل کام چاہتے ہیں، اس لئے ان میں سے ایک یا دو پر اہتمام خیانت کیا جاتا ہے۔ غالب کا عقلی محدود رنگ عقلی ہے اور ہادی شاعری کے ہر کیر عقلی کا مطالعہ نہیں کر سکتے۔ گراہنے محدود مطالعہ میں یہ عقلی مطلق (Absolute) ہے اور اس کا کچھ کیا ہے۔ یہی سب ہے کہ ہادی کے دعو کا کما کر اس کا شکریہ جیسے شاعر اصل سے متعلقہ کرتے ہیں۔ ہمیں تک عقلی کی دسلٹی ہادی اور دست کا عقلی ہے۔ غالب دنیا کے کسی شاعر سے زیادہ نہیں۔ اور عقلی قوت جان میں ہم اس کو شکریہ سے بہرہ بخشے ہیں۔ لیکن آپ کی شاعری کا دوسرا وسیع نہیں اور نہ ہی عقلی بھیجہ قسم کا ہے۔ یہ دانش من کو دنیا کے بڑے گزشتہ شعرا کا ہم رنگ بننے سے باز رکھتی ہیں۔ پہلی دہائی دیگر خصوصیات۔ ان کا یہی استعداد نہیں ہو سکتا ان میں سے بعض مثلاً آؤرگی۔ ہادی اور تک نظر ذہنیت یا نصب سے بھاگی۔ انہی نے دست دہائی ہیں۔ اور غالب میں اس انتہائی درجہ تک پہنچ گئی ہیں کہ ہم ان کی دلو دینے بغیر نہیں دے سکتے۔ غالب مشرق میں ملی و ادبی آزادی۔ پہلی و عقلی اور وسیع انسانی (Liberalism) کا سب سے بڑا ستارہ ہے اور ایک نہ دست عقلی قوت (Cultural force) بن کر ہادی کے لوگوں کو ایک اور قوت و جذبہ و توجہ کی طرف لے جا رہا ہے اور ہادی ہادی وقت گزرتے گا، ہم اس کے تدریجی اثر کو اور بھی محسوس کریں گے۔

ایک منظر کی حیثیت سے غالب کی چہ زبانی فطرت عجیب ہے۔ اس کو انارے نکھوں نے ابھی تک محسوس نہیں کیا۔ مزاحی طور پر ایک صوفی شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ مرزا ایک فطرت آزاد اور عقلی طور پر سوچنے والے فطری ہیں۔ یہ خصوصیت ان کو ایک بالکل ہمدرد شخصیت بنا دیتی ہے۔ اور غالب ایک خاص صوفی شاعر نہیں۔ قبول ان کی فطرت کا ایک جزو ہے۔ طبیعت کے اٹھنا سے آپ نے داخل ملک اور متحدہ ممالک کو یہ و خاک کی دو دہائی کا انکشاف فرمایا ہے۔ اور دنیا کے جاتی تجربے نے ان کو گرم ہادی کی ہادی دکھایا کہ یہ زندگی ایک فہم اور دیکھ و سمجھ کی زندگی ہے۔ عقل کے اٹھنا ہوتے اور انان فرمایا کہ غالب نے کس کس قسم کے منظر موضوعات پر اہتمام خیانت کیا ہے۔ اس کی سہولت کا فریب۔

ہادی خود فریب ہے اہل فکر کا عقلی
بچہ گرم حیرت اور دہادی

دانش عقلی و ”بندہ“ ہادی کے ہر نفس ہنگام کا دہادی۔

دہادی یک شیریں وحشت ہیں اجڑائے ہادی
شوق ہے سلطان طراز کوشش ادیب ہادی

ترغیل کی ہر چھ کی کوئی نہ کوئی ضرورت چھٹی ہے۔

یک ذرا بھی نہیں بیکار رہا کا
ہاں ہمارا بھی فیلڈ ہے اس کے بارے کا
انہی کے دھڑک رہے ہیں چنی کا سناں پہلے ہی سے سوتا ہے۔

میری تصویر میں ستر ہے ایک صورت غزال کی
توئی ہنر فرس کا ہے خون گرم و بھس کا
کاکت ایک نکار رہا ہے صرف نگہ گو میں کی صورت ہے وہ اس راگ کیجے۔

عزم نہیں ہے تو بھی ٹوٹے راز کا
ہاں راز نہ جواب ہے وہاں ہے سدا کا
ہماری ہستی کا غوی باطن طالع و کور ہے کہ نہ یہ ہمیں ہستی و ادب سے جدا کرتی ہے

نہ قہر کو تو خدا کا جو نہ ہوتا تو خدا ہوتا
تو خدا کو کہنے لے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
انہی کا قلم "کرنا"۔

فرد نہ انہیں قتل سے ہمارے کچھ
اگر شراب نہیں انتہا سار کچھ
اسی ہنر و خلق کے پادشاہ ہوتا ہے دشمن۔

قہر سے گھٹن گھٹا ہے بھٹ
ہمارا آہٹا اٹھتا ہے ہم
تیر ہستی۔

کھانا اس ہستی سے کرے کہا سنی تیری
جلی زکھر من آب کو فرصت دانی کی
دینا ہمارے نبیات کا کس ہے۔

بقدر ظلم و سنی حرکت انہیں کریں ہیں
وگرنہ کچھ نہ وہاں ہم لیاں ہیں
ہماری حقیقت مسلم میں ہو گئی۔

شیخ میں لکھی ہے یاد رفتہ یاد ہوا
معاذ گم گم ہو رہا ہے طرف ہوتا ہوا میں
ہماری ہستی کا اٹھتی۔

کئی کچھ میں ہمیں ہو گیا ہے
ہر اک قہر میں ہی رقی ہوا
نیر کا قلم۔

اگر نہ ہوتا ہے رگہ خوب صرف شیراز
قلم دفتر رہا حوالہ ہم ہے
دنیو و دنیا۔

دینا کے سچ قہریت صاحب کو جسی قہر کی طرف لے گئے۔
تو نہایت دہلے میں دلوں ایک ہیں
سوت سے پہلے کوئی قلم سے بھلت پائے ہیں

صاحب دینی اور مانتا دیکھو دینے ہی کو خبریں دار اور ہادی کی ہاتھ لک میں ادا حاکم آباد ہوا کئی مہینے ہستی بھی غریب
ہے کہ نہیں۔ دینی حکومت پر لکھتے تھے جتنی لکھتے ہیں۔
گھن فریادی ہے کسی کی شوقی قہر کا
کھڑی ہے وہاں ہر جگہ قصہ کا

اس شعر کی تخریج میں شاد میں نے جب اہم کلمہ ہاتھوں کی ہیں۔ مرزا کے زمانہ میں منکس تو نہیں (Inverted commas) کا صحت صرف کا دلالت نہ تھا اس لئے آپ ٹاہری طبعیت سے کام نہ لے سکے اور ہندو شاد میں کو اس کے صحت دریافت کرنے میں اس قدر دقت ہوئی۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ کائنات اپنے خالق کی لیا دتی ہے کہ اس نے اس کو اتنا بے خیال اور غفلت کیا، وہ اپنی غفلت پر غلم کیوں کرتا ہے۔ اس مضمون کو موافقہ دوم کی نظم سے دور کی نسبت بھی نہیں۔ اور یہ نعل مرزا کی فلسفیانہ طبیعت کا نتیجہ ہے جو ہر دقت سے بے خیانت کی تلاش میں غور کرتی ہے۔ یہ خصوصیت غالب کے سوانح میں یادداشتوں کے کسی شاعر کی طبیعت میں نہیں پائی جاتی۔

(راوی مارچ اپریل ۱۹۴۴ء)

موازنہ فوق و غالب

دلی کا سودا افکار میر اور دیگر قدیم شعرا سے متعلقہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی کا مسطر صرف غالب ہے۔ شاعرانہ تخلیقیت کے لحاظ سے دونوں کا کوئی متعلقہ نہیں۔ لیکن چونکہ زمانہ کی کم ٹھہری نے دونوں کو صرف ادھر گردا دیا ہے۔ اس لئے ہم اس درجہ نفاذ کا قیام کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دلی اور غالب دونوں میں کس کو تخلیقیت کا شرف حاصل ہے اور کیوں دلی کے شعرا نے مزاج کی نسبت مسطور ہوا اور گزشتہ مصلحت ایک مضمر فضیل ہیں جس کی تخریج یہ ہے کہ وہ ایک ہاتھ اپنے شاعر نہیں۔ اب غالب کی طرف اپنے۔

غالب کی شاعری پر تنقید کرنے والے اس کی شخصیت کو بالکل بھڑکاتے ہیں۔ گویا یہ ان کے نزدیک نکل مصلحت نہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ تنقید کا مقصد ہی شخصیت کی توضیح ہے جو ان کی کامنہ اپنے خصوصیات اور دھڑ بادی پر غور و فکر کے ساتھ انسان اور اس کے حقیقتات پر خیال کرتی ہے۔ کثرت انسانوں کو انہیں میں دو شاخ کرتا ہے اس لئے تنقید کا نصب العین بھی شخصیت کا مطالعہ ہونا چاہئے۔ اب تک غالب پر پختہ تجربے شائع ہوئے ہیں ان کی شاعری سے تحقیق دیکھتے ہیں اور ان کی ذہنیت و فطرت اور دل و دماغ پر بہت کم دقتی دالے ہیں۔ موافقہ طلی کی طرف کئی چاہتے کہ آپ نے غالب کے حالات و خصائص کو اس غلطی سے واضح کیا کہ کتب مرزا کو ایک جانے بچانے ہوئے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ گویا ہم نے ان کی حیرت کا مطالعہ پر ہم چند کے کسی نفل میں کیا ہے مگر مقصود طلی نے مرزا کے عین شخصیت افکار و عقاید اور مکتب پر نظر میں دلی اور آپ کے مشکل اشعار کامل اور غریب دالے پر استعارہ۔ آپ جیسا کہ دس لکھ اس کام کو اہم دینا تو آج اس کام کے لئے مزہ تصانیف کی ضرورت نہ محسوس ہوئی۔

بجوری مرحوم کا خیال ہو۔ ایک ذمہ دار کتب یادگار بھڑکے۔ آپ نے غالب کی شخصیت کو نگاہ کی کوشش کی اور دیگر نقادوں کو تنقید علیہ کا راستہ دکھایا۔ معروض کہتے ہیں کہ آپ نے مرزا کی شاعری میں وہ باتیں ٹاہری کی ہیں جو دراصل اس میں موجود نہیں۔ یعنی غالب کی شخصیت میں بجوری کی دوس کا طعن ہو گیا ہے۔ مگر دینی تنقید کو استعارہ سے کیا تحقیق؟ تنقید بھی ایک فن ہے اور اپنے اظہار میں ناہمیں ہے اگر عرش حقیقت یا تجلی کی طرح کھد کھد لکھنا بھی کہ کیا جن کو اصل کی مدائی سو حوالی درست تسلیم نہیں کرتی تو پاشہ انتہا پر دہرے گویا بجوری نے مرزا کی شاعری کی نسبت جو کچھ کہا، پڑی مد تک درست ہے۔ جنت بعض اشعار ایسے ہیں جن میں زہد حق ایسے معنی والے کی کوشش کی گئی ہے جو شاعر کے دلم و گمن میں بھی نہ تھا۔ اس طرح بعض خصوصیتوں کے بیان میں شرف دیکھوں سے کام لیا گیا ہے اور واقعات کی تصویر پر محاسن کے ساتھ بھیجی ہے۔ غالب جیتنا قلم میں جانتا شیرازی سو سبقت کو میں پہنچا۔ شمسیر سے متعلق غیر مستطاد اور غیر متعادل ہے۔ غالب کے دو صلی اشعار اطلاق ہیں وہ مرزا کے جیتنے علی کے مستقل دہر نہیں۔ ا

ایسا ہر فاضل طور سے شاعر کے افکار و ادبی فعالیت و مطالعہ اور طبیعت کے بعض پہلوؤں پر جو عموماً ادبی و ادنیٰ اہلی ہے نہایت بصیرت اور قوت سے
یہ طاری زبان میں شخصیت کا سب سے پہلا مطالعہ ہے لہٰذا جانے مضمون نگار کو اہانت نہیں دی کہ وہ غالب کی شخصیت کے تمام پہلوؤں
پر نظر ڈالے، اور اس طرح منتخب غالب کا فن تخلیق نہ ہوگی۔

[illegible]

دورانِ طالب کے بھائی اپنے بھائی میں ہاشمہ بھیل لیں ہاشمہ کسی مٹی جیسے عین کو استودانِ مٹی کی ہے سچا ہر گز خیالیوں کا ہاشمہ میں کی
 بھیل کو ستر قیامت لاکھوں قیامیات چ ہے وہ فطرتِ طرز کو روضہِ حیر کیا کرتا ہے ، وہ کوئی سیاسی خیالات رکھتا ہے نہ وہ کا بھٹکار میں بھٹکار
 کر سکتا ہے۔

پروفیسر محمد یحییٰ آغا فرماتے ہیں کہ دکن کے ایک نادر نے غالب کی شاعری کو ایک انگریز نادر کے نظریے شمسی سے پرکھنے کی کوشش کی ہے اور اس کو تختِ افروزی سے بھی نیچے گرا دیا ہے۔ اور اذیل ہے کہ اگر غالب کی شاعری اس نگرینے کی رو سے سچا کیجے کہ مطالعہ کیا جائے تو ہم یہ عہدِ انقلاب سے باہر برعکس دیکھ کر ہاتھیں دگے۔ یہ صاحب کی تخلیق یوں تو بہت ادا ہے، مگر اسے آپ نے بعض باتیں درست فرمائی ہیں۔ آپ کی رائے میں غالب کی شاعری بالکل عقل اور تعبیر ہے اس لئے آپ ایک جیسے شاعر نہیں۔ جو شاعری اس دعوٰی کی تائید میں چلی کی جی جی اور جو صاحب فوجی درست تسلیم کرے گا۔ ہمیں آپ کی فوجی کہ شاعری یاد نہیں، اس سے ہم اپنی کے شعور اپنی طرف سے نمونے کے طور پر چلی کرتے ہیں۔

کہ سبب ہوا کہ میرے کپ سے
 مضم سبب سے طاق کیا نکلا آگے ہے
 شب طار طوق ساقی دستیز انداز تھا
 بدین بیک چارہ ہو زجر رحمانی

قتل پا جو کائن میں دکھا ہے اگلی جاں سے
 طار طوق مگر سزا میرے کپ تھا
 آہمید ہوا صورت کد شہانہ تھا
 دم تک وہاں رہا ہے محی بھائی کا

اس کہ میں غالب میری میں بھی آفتل رہا
سوئے آفتل رہا ہے جلد میری دلچسپ کا

میں شاعر میں کوئی جذبہ نہیں۔ کوئی حقیقت میری نہیں۔ ادبی کی بات ہے سربا میلالت ہے۔ جس کو عقل کی دوس سے غلط کاہلہ پتا نہ
گیا ہے۔ غالب کے ہمت سے شاعر اس قسم کے ہیں۔ کیا ان شاعر کی بنا پر غالب کی شاعری کو انتہائی قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ شکہ اہم
سوال ہے اور اس پر مرزا کے جیسے دہم کا دہرا وار ہے۔ جب تک یہ فیصلہ نہ ہو کہ غالب کی شاعری دہی ہے اور عقل سے پیدا ہوئی
ہے، یا ہم کسی عقلی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ادبی کی بات مرزا بھی عقل و شعور کی دوس سے شکر کہتے ہیں تو ان کی شہرت کبھی پتا نہ نہیں

ہو سکتی۔ اگر آپ کی شاعری فلسفیانہ ہے تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ شاعری ششیت کی اس غیر مستحکم تہ میں ڈال دیا گیا اس
خصوصیت کی وجہ سے اس کے غالب عقل ہو سکے ہیں یا نہیں؟ اگر عقل ہیں تو اس کا اس کی عقلیت پر کیا اثر پڑا ہے؟

ان سوالات کا جواب دینے سے پہلے چند امور کا فیصلہ ضروری ہے۔ پہلی شاعر کی زندگی میں شعور یا نہ ہو۔ پہلی کی مجاہدیں اس کے
تخیل اور طبیعت پر کس حد تک اثر ڈال رہی تھیں۔ وہ اپنے عہد کی عام سطح سے کس قدر اونچا اڑا کیا اس میں بہت کام تھا۔ کیا اس نے
اپنی شخصیت کے انداز کی کوٹھن کی؟ یا فرض اس کا لئی نہایت ناقص ہے۔ کیا وہ اس کے باوجود اپنی شخصیت واضح کرنے میں کامیاب رہا؟
اور سب سے بڑا کہ اس کی شاعری کے عناصر اس کے ہول کا نتیجہ ہیں یا اس کی حالت سے غرض نہیں ہے۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے
کہ جدید قول گوئی کی شاعری تعلیم و تربیت کی سہولت اور بصیرت ضروری کے باوجود کس خوب کی حالت ہے اور غالب کی شاعری کے
مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے۔ اگر مرزا غالب اپنے ہول کی مجاہدوں کے باوجود عقل کے اس حتم پر پہنچے ہیں جدید شاعر بھی تعلیم
کے باوجود نہیں پہنچ سکے تو ہمیں شاعری غیر معمولی عقلیت تسلیم کرنی پڑے گی۔

غالب کی شاعری تمام کی تمام انتہائی نا عقلی نہیں۔ یہ عہد لطیف نے بہت عقلی کی کہ اس کو سراسر عقلی و تسلی قرار دیا۔ یہ
صاحب کا مذاق مرزا شاعری کی طرف اس ہے۔ لطیف متعجبانہ شاعری سے آپ کو کوئی مناسبت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ آفتل کی
شاعری کو پتہ نہیں کرتے غالب کی شاعری کی دوسرے کے لئے عظمت اور دھجی کو پتہ نہ کرنے والا مذاق چاہئے۔ یہ عہد لطیف، حال اور
فعلی کا طرز پتہ کرتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ آفتل اور غالب کی شاعری کو آنتہائی اور پر غلف قرار دیں تو چند ہی بات نہیں۔

غالب کی شاعری فلسفیانہ ہے۔ غلط جیسے حقیقت اور فکر کا نتیجہ ہوتا ہے غالب نے حقائق و معارف کا اور اک اپنی زیورست قوت فکر
کی بدولت کیا لیکن اس کے باوجود خیالات انک مہلت میں وہ نہیں کے گئے۔ جی شاعری قوت فکر اپنی ہے لہذا اس کا تخیل پر
شوک ہے۔ اس لئے وہ اپنے فلسفہ کو شعور اور اداس میں پیش کرتا ہے۔ دنا کے ہمت کم شعوروں نے غلط جی شکر جی کو مرزا سے بہتر
انداز میں نظم کیا ہے۔ ان کی فطرت سراسر شعری ہے۔ اس لئے ان کے تخیلات خیالات بھی شعور میں لادے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو تخری
ہے ایک زبان میں پیش نہیں کرتے، بلکہ شعور اور مصدر اور اداس میں جادو کر گئے ہیں۔ حال

حالت پائے نہیں ہے	یہاں	دہم	کھلت	عالم	ہے	پیش	دنیا
مری	غیر	میں	مطر	ہے	آگ	صورت	غرائی
ہے	تھی	سلاطین	دہر	ہے	ہے	تو	خوشیہ
آرائیں	جالی	سے	درخ	میں	نوا	پیش	نظر

دیا تہا عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے

بہرے ہیں جس قدر جام دوسو جگہ غالی ہے

اس قسم کے شعراء کی تعداد جتنی چاہو بڑھاتی جا سکتی ہے۔ ان سب میں فلسفیانہ خیالات قہید کے لئے ہیں۔ مگر ساتھ ہی شاعری کو ہاتھ سے نہیں جاسکتا۔ یہ جانب ہی کا کام تھا کہ آپ نے اس قدر یقین افکار کو اس غصہ کے ساتھ ادا کیا کہ اس کی شاعری کو عقل اور انسانی قرار دینا فطری تسلیم کی گنجائش ہے۔

غالب کی شاعری فلسفیانہ افکار تک ہی محدود نہیں۔ آپ نے انسانی مشقیہ، صوفیانہ، عیسائی ہر قسم کے مصلحتیں قہید کے ہی در محل و شعور کے دائرے سے خارج ہیں۔ اور انسانی فطرت کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے یہ بھی قبول پذیر نہیں ہو سکتے۔ بالکل عبداللطیف نے بہت با افسانہ کی کر غالب کے چند شعر پیش کر کے ظاہر کیا کہ انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا اسی قسم اور اس قابل کا کھنڈا کر آپ غالب کے مشہور شعروں میں سے ایک شعر پیش کر کے استدلال فرماتے تو ہمیں کوئی شکایت نہ ہوتی لیکن آپ نے شاعر کے وہی خاص شعر پیش کئے ہیں جس سے آپ کے دعویٰ کی تہدوچ ہو سکتے۔

بالکل صاحب نے غالب کی داستان عشق و محبت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کھلے اعتراف نہیں۔ جس طرح مصلحتی نقطہ نگاہ و شعراء کی زندگی کا ہر واقعہ قہید کرتے ہیں، اسی طرح ہمیں بھی اپنے شعروں اور انہوں کی طبعی و باطنی زندگی کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالنی چاہئے، لیکن جہاں تک شاعر کے کام کا تعلق ہے اس کے لب و لہجہ اور انداز جتنی کو نہ سمجھ کر اعتراف کرنا چاہئیں۔ رہے لب لہجہ کی بات کہ جہاں کوئی نہ ہو اس نظم کو بے لطف اور غیر شاعروں قرار دینا عقل اور فطرت کے خلاف ہے۔

غالب کی عقل پرستی نے ان کے کھلے دلوں کا حلقہ بہت محدود کر دیا ہے اس سے ان کی عقلیت میں فرق نہیں آتا لیکن انکا تسلیم کرنا چاہئے کہ اگر شاعری ہر مزاج اور ہر قسم کے لوگوں کے لئے ہے تو غالب کا شاعری اور ہر قسم کا کام ناگہم جانیت پر ہو نہیں سکتا۔ ان کی شاعری خواص کے لئے ہے۔ ہمسور کے لئے نہیں۔ جو، شیکسپیر، لہوڑی، مہاراجہ اور ہمسور کے ہم نوا نہیں بلکہ راجا شاہنشاہ، املاک، فوجیوں کے ہم نہیں ہیں۔ جن کا حلقہ اثر انکا وسیع نہیں۔ مگر یہ لوگ، تحلیل افکار، شاعر ہونے کے باوجود محدود مصلحتوں کے شاعر ہیں تو غالب کے لئے ظاہر اور شعراء کا شعراء ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔ اس سے ان کی عقلیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ فلسفیانہ نقطہ پر بحث کرنا ہی بے سود ہے۔ جس طرح کوئی شاعر انقلاب کو استعمال کرتا ہے، کر سکتا ہے یا نہیں، شاعری اور غیر شاعری۔ اور غیر شاعر کی پانچویں ماہیہ کرنا درست نہیں۔ ہر شاعر کی ایک خاص کیفیت ہوتی ہے اور وہ اس کے مطابق شعر کہتا ہے۔ ہمیں اس کے افکار کا مطالعہ اس کی طبیعت کی روشنی میں کرنا چاہئے، اپنی طرف سے اصول وضع کر کے تنقید کرنا اس سے کہیں نہیں لینا چاہئے۔ زیادہ تر افکار کے ہم بھی دل نہیں۔ دونوں صاف اور شستہ ہو تو شاعری انقلاب کے بغیر بھی لطف دے سکتی ہے لیکن شعراء کو مختلف ضروریات کے لئے مختلف قسم کا شعریہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ہم ان پر کوئی پابندی عاید نہیں کر سکتے۔ غالب کے بعض افکار میں ضرورت سے زیادہ مبالغہ و کھلی گئی ہے۔ مگر مستحیثیت پر تنقید کی غیہ کون کرے گا مرزا کا انداز پر عقلیت ہے اور اس کے لئے فارسی انقلاب کا استعمال ضروری ہے۔ اس سے کہہ کر کہہ نہیں سکتے مرزا کا حلقہ بہت زیادہ اثر نہیں پڑا۔

غالب کو عام طور پر ایک عقلی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک عقلی سے بھی زیادہ وہ ایک چارے فطرتی ہیں۔ ہمارے خیال میں ان کی شریعت ان کے فطرت سے زیادہ واقع ہے۔ دنیا میں زیادہ عقل پیدا ہوئے ہیں اور ان کی قدر و حرکت بھی ہوئی ہے۔ مگر ان کی فوج فطرت کے سب سے بڑے دشمن وہی ہیں۔ ہر ایک ہر دور، ہر ملک، طبیعت اور انسان غیر لے کر پیدا ہوئے۔ فطرت جانتے فطرت کو کوئی جی جی نہیں دیکر علوم کی مانند یہ بھی عالمی ضروریات میں سے ہے۔ لیکن عقلی عموماً، رنگ مزاج ہے جس اور تحت دل ہوتے ہیں۔ فطرت ان کی شریعت کو دیکر دیکھتا ہے۔ بہت کم انسان ہیں جو ایک خاص فطرت یا خاص عقیدہ کو لین کر دہرائی ہے۔ ہمیں اور آزاد چلنے سے کام نہیں۔

مرزا ایک جیسے فطرتی تھے۔ اس لئے ان کو دیکر فطرتیوں کی مانند سمجھنا۔ رنگ مزاج اور لطف نظر۔ ہلکتے والے فطرت کی دنیا میں

اس قدر کہ ان کو دنیا داریا کی خبر نہ رہتی۔ لیکن غالب کی شخصیت کاسب سے روشن ہوتی ہے کہ جہاں وہ ایک عظیم انسان عظمیٰ تھیں وہیں ایک عظیم انسان بھی تھے۔ ان کی شاعری کو صرف ان کے فلسفہ ہی نے مشہور نہیں کیا۔ بہت سے ناظرین نے ان کے فلسفیانہ افکار سے دلچسپی کرتے ہیں۔ غالب کی شہرت نے تمام انسانوں کے دل کو مس لیا۔ یہ ان کی اور اور قاری شاعری ایک دور سنہ دل کی تخلیقیں۔ راگنی سہاگنی راگنی جس کو سن کر ہزار کا دل بھی موم ہو جاتا۔

غالب کی دنیا سے محبت خیالات تک ہی محدود نہیں۔ ایک فلسفی اور بلند فکر صوفی ہیں مگر حقیقت کے سلسلے کے لئے ہلاکی فکر قہر وہ فلسفی کو نہیں چھوڑ سکتے۔ مینوں کے خون، مشورہ دہ کے دلدلہ ہیں۔ اور حقیقت و محبت میں عام انسان کی بات دہلیں لیتے

ہیں۔ سہی گئے کجوری مرعوم نے کہا ہے کہ

غالب نے ایک حقیقی انسان کی بناؤ زندگی بسر کی۔ اور زندگی کے تمام معاملات میں حصہ لیا۔ سید عبدالحکیم نے یہاں بھی باتیں جتنی کی ہے۔ اور کہا ہے کہ مرزا کی زندگی میں کوئی عین مقصد یا مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ ان کی زندگی میں یہ دونوں باتیں ملن نہیں سکتی۔ زندگی بسر کرنا تو مقصد دہانے میں بھی مشکل ہے۔ معلوم نہیں سید صاحب کس قسم کی زندگی کے حقائق ہیں۔ دیکھنے کے قابل بات یہ ہے کہ غالب کی پہلی زندگی کس قسم کی تھی۔ اس دہائی دیکھا جائے تو ہمیں مرزا غالب کی زندگی میں تمام وہ باتیں نظر آتی ہیں جو بلند ترین انسانوں سے مخصوص ہیں۔ انہوں نے ایک حقیقی شاعر کی بناؤ دنیا کی ہر بات میں حصہ لیا۔ یہاں تک کہ اپنے حقوق کے لئے جہاد جاری رکھی۔ اگر شکسیر کے لئے یہ بات ملے تو نیلی کی بات ہے کہ وہ دہائی سہولت میں بھی لذت ہو شیدا اور دہرک تھا تو غالب بھی عیاں ہو، اپنی عظمت اور فزائیگی پر کھڑے تھے۔

غالب کی زندگی ایک مشکل زندگی ہے۔ آپ نے زندگی کے واقعات کا مجموعہ قائم کیا اور طویل حاصل کرنے کے لئے باہم خاک میں اٹکے آپ کی سے روشنی افروز اور دیگر روشنی کسی پر چلی نہیں آپ نے ان کا اپنی شاعری میں خود افکار کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ۔

میرے لم غصے کی قسمت جب دہم ہونے لگی گھبرا گھبرا سہل سہل دہرانی مجھے

مرزا غالب نے داشت یہ دہریاں اور پرتیاں مٹی میں۔ اپنی غلامی کی وجہ سے صلیب اور رنج و غم میں جھکا ہونے اور تجھ کے طور پر دیا کو انکی منہ فیصلہ دہی کہ نوع بشر کے اساتذہ سے بھی بکدوش نہیں ہو سکتی۔ سبیل کے افکار غالب کے قہر زندگی کا نچوڑ ہیں۔

بے انتہوں سے تنگ سب میں ہم ہوتے بچے نواہ ہو گئے آج ہی کم ہوتے
ہم قسرت سے پیش تھا نہ دکھ کہ رنگ صد دہم ہوتے ہے اس دہم گھ کا
ہاتا ہوں داغ صرست ہستی لئے ہوتے ہوں شیخ کشتہ وہ خود حاصل نہیں ہا
قلب سے ہم کو پیش رخ کا کیا کیا تھا ہے حلق ہوا کو کچھ ہوتے ہیں قریل دہلیز ہ
ہم ہر صبح میں ہے حلقہ صد ہم رنگ دیکھیں کیا کدو ہے ہے قہر ہے مگر ہونے تک

اور ہزار سے لے آئے اگر نوبت کیا ہم ہم سے ہر ماہم سہل چھا ہے
نارنگ ہوں نہ ہو مگر ہوں وہ کہیں شاد گئی چار سے ہزار میں آوے
ہزاروں خواہشیں لگی کہ ہر خواہش پہ دم لگے بہت لئے مرنے لگیں ہر بھی کم لگے
اسے کہیں داریاں بدلا ہونے اور دہر کر نہیں ہوں ہر دوش ہے

ساقی بخلوہ دشمنِ اعلیٰ و آدمی مغرب بہ نغمہِ رفتنِ حقیقین و بھول ہے
 حاتمہ ہائے غرض ہے پہلو گر ہے یں دامِ گفتِ خاطر ہے پیشِ دنیا کا
 نہ سحر کر برا کئے کوئی نہ کسو کر برا کئے کوئی
 روک لو کر لگا چنے کوئی بکلیں نہ کر خطا کئے کوئی
 کون ہے جو نہیں ہے حیاتِ نہ کس کی حیاتِ روا کئے کوئی؟

زندگی کے صحیح جوابِ غالب کی طبیعت میں فہم نہیں کر سہیت کر سکے یہ دریغ و غم کا احساس ان کی طبیعت کا سب سے مکمل اور اثر انگیز پہلو ہے میرور اکبر اپنی جہلی دیاں پر حق کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا فہم زندگی کی حقیروں اور باطنیوں کا نتیجہ ہے۔ ان کو طبیعت نے جن پرست دیا ہے۔ غالب فہم کا شکار ہوئے انہوں نے دریغ و غم کے شعر کے دیگر اس طرح کر ان سے ذاتی باتیں کے باطن کی صدا نہیں آتی۔ وہ ایک درد مند دل کی فضا میں طوفانِ حلاوت نے مرزا کو دنیا کا حقیقی مطالعہ کرنے پر باہل کیا اور ذاتی نگاہوں اور فہم میں پر ہونے دھونے کی جہلے زندگی کے حزمہِ فلسفہ کی طرف راہنمائی کی۔

غالب کو اس فلسفہ کے اوراک پر دلورونی چاہئے۔ فہم کی ہار کی نظر اس فلسفہ تک سائنس کے فہم جدید ترین معنویت کو سامنے رکھ کر اپنی دلچسپی بھری شاعر نے اس کا اپنی پر شرکتِ تخلیق کی حد سے اوراک کیا۔ مرزا غالب اس لحاظ سے نادر ہے کہ وہ غم کے کو فہم ہے۔ مرزا نے اس فلسفہ کا اوراک کیا مگر اس میں قصور نہ ہوئے۔ اس پر ایک سرسری نظر دال کر آگے اکل گئے۔ ان کی ترقی پسند طبیعت کسی خاص نقطہ پر ٹھہرا نہیں چاہتی تھی۔ بقلی بکھڑی وہ اس عظمت سے باہر اکل گئی اور سلوک کے مراحل طے کرنے کے بعد اکل بصیرت پیدا کی۔ ان کو دریغ و غم اور مصیبتوں کی عظمت بھول گئی۔ تسلیم و رضائے ان کی طبیعت کو وہ سکون بخشتا جو ہر نفسِ طبیعت کی سرگرمی کی انتہا ہے۔

عشرتِ فقرو ہے دنیا میں فخر ہوا درد کا درد سے گذرنا ہے ہوا ہوا ہوا

غالب کی بڑھت ان اشعار اور نظمیں سے بھی ظاہر ہوتی ہے جن میں وہ اپنے اعجاب اور عجزوں کی چھائی پر ایک غمناک ہنسنے ہیں یا ان کے حقیقی حلقہ کے انداز میں کوئی اشارہ کرتے ہیں۔

عارف کا دردِ ناک مرعب۔ شرفِ کی موت پر رقت انگیز ترکیب بند۔ اور محبوب کی مرگِ ناگہانی پر اظہارِ غم ان کو ایک نسبتِ رقیقِ انقلاب انسان جیت کرتی ہیں۔ میرور تین شعروں کی مختصر نظم دیکھ رہے اب اپنی جگہ چل کر بھل گئی نہ ہو۔ ہر انسان کی ملی خواہش ظاہر کرتی ہے۔ اقبال کی نظم دیا کی مصلحتوں سے آگاہ ہوں یا رب کی طرح یہ بھی ایک مختصر آواز ہے۔

آرت اور غمبہ ہوں توغ انسان کی اصلاح و دولت کے ارپے ہیں۔ آرت اپنا اثر حسن و لطافت سے پیدا کرتا ہے۔ مذہبِ اختلاف کو بیدار کر کے عقوب انسان میں عمل کی روح بھونکتا ہے۔ شاعر آہستہ آہستہ دلوں میں بس کر توغ انسان کو ہر مقام پر لے جاتا ہے۔ اسے مغرب ہے چپکے ہی چپکے دل میں گھر کرنا اسے جہنم دہان میں بقی کی صورت اڑ کرنا

بلکہ نظرِ شاعر فرقہ آرائی کا اثر مٹانے کے لئے وسیع الشہ۔ محبت اور دولت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہندوستان میں ذاتی عقل کے باعث ایک مدت سے قصب کی گرم ہزاری ہے۔ غالب کے زمانے میں قصب نے اس قدر اہم نہیں بکھڑا تھا۔ لیکن عہدِ حاضر میں یہ ایک ناگزیر

وہاں کر چکے کے طول و عرض پر چھایا ہے اس وقت ہمیں ایسے ہی شاموں اور صبحوں کی ضرورت ہے جو قصب کی جگہ کی کہے لڑیں
 وطن میں ایک لوگوں نے غائب سے اس وسیع المشرقی کی تعلیم کا اس وقت اور اک کیا قصب کا زبرد کام و وطن کی آزمائش
 کر دیا تھا اور دگ دہے میں نہیں اترا تھا نہاتے ہی کہتے

دھاری بھڑا استواری اصل تھی ہے مرنے والہ میں تو کہہ میں گالہ برہمن کو
 نہیں کچھ بھر و زہر کے پتھرے میں گھیرائی دھاری میں شیخ و برہمن کی آناکل ہے

غالب نے ایک نثری زہر اور قصب کے خلاف ایک جھوٹی مگر زبردست احتجاج کیا مگر ہم آج بھی کی قصب نہیں اور نہ دھار
 تعلیم پر عمل کریں تو بھڑی مرحوم کا یہ دعویٰ تھا "وہاں" درست ثابت ہو گا کہ قصب سمجھنا "تعلیم" نصیحت طہارت کوئی زندگی کا کیا پہلو
 نہیں جس پر (گوئے اور غالب) کا اثر نہ پڑا ہو۔ گوئے کا کام قوی اور نئی قصب کا کام ہو چکا اور اپنا خاص غلط پورا کر دیا غالب کا کام
 اب قبول ہوا ہے اور آئندہ نہیں اس امر کا موازنہ کریں گی کہ ان کی ترقی میں غالب کے کام کا جزو اہم کہاں تک ہو اور سطون ہوا
 ہے۔

(مقتضیٰ ہند، لاہور ۱۳۳۳ھ میں ۱۳۰۹ء)



۱۔ اڈا گھنٹی	۳۰۔ غالب کے اہل اقبال کے خطاب فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۰
۲۔ احتیاطی علاج دہلی:	۳۱۔ غالب کے بعض غیر منطوق اشعار اور لکھنے فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۰-۱۳۲۱
۳۔ اختر حسین راستہ پر رہی:	۳۲۔ غالب کی باب القیاد خصوصیت فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۱
۴۔ لہار:	۳۳۔ جنیل کتاب کے مدعا پر "تجربہ اور حیل کی ایک تصویر فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۱-۱۳۲۲
	۳۴۔ حیات غالب کے خود نقل فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۲-۱۳۲۳
	۳۵۔ فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۳-۱۳۲۴
۵۔ غالب ذہن کا علمی:	۳۶۔ غالب کی حکمت فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۴-۱۳۲۵
۶۔ اقبال پانی پتی فتح میں:	۳۷۔ میر صدیقی گورچ غالب کا ڈاکٹر بختری فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۵-۱۳۲۶
۷۔ اختر مفضل مسکن:	۳۸۔ نزل ہم طرح غالب فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۶
۸۔ اقبال مسکن رضوی سید:	۳۹۔ غالب نظم و فکر کے آئینے میں فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۷
۹۔ اقبال مسکن رضوی اکبر:	۴۰۔ شلو (است) غالب معلوم ترسہ فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۷
	۴۱۔ ڈاکٹر غالب معلوم ترسہ فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۷
۱۰۔ اقبال طبع:	۴۲۔ اقبالیت غالب فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
۱۱۔ اقبال طبع:	۴۳۔ "گورو" میں فارسی کے ترسے بختری فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
۱۲۔ اکبر سیدی:	۴۴۔ غالب غالب فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸
۱۳۔ اکبر علی خان (عرفی) دہلی:	۴۵۔ غالب میراثی مشرقی فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
۱۴۔ علوم اہل کوثر ڈاکٹر:	۴۶۔ گئے اور غالب بختری فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
۱۵۔ نور سیدہ ڈاکٹر:	۴۷۔ غالب کی انگریزی کے چند پتلہ بختری فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
	۴۸۔ نور غالب فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸
	۴۹۔ غالب اور شلو میراثی فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
	۵۰۔ غالب اور راجہ سیدی علی خان فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
	۵۱۔ نور غالب کے چند مسائل فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
	۵۲۔ صاحب گھنٹی میں اور سیدہ (نور) غالب شادی (اگست ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸
۵۳۔ اگوست دہلی:	۵۳۔ نور سیدہ علی خان سیدی (اگست) غالب فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
۵۴۔ نور سیدہ علی خان:	۵۴۔ نور سیدہ علی خان سیدی (اگست) غالب فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
۵۵۔ حسین سوری:	۵۵۔ نور غالب کی چھٹی اشاعت کامیاب فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
	۵۶۔ فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹
	۵۷۔ نور اور (نور غالب) فوری ۱۹۵۵ء میں ۱۳۲۸-۱۳۲۹

۴۔ طالب سے فقیر و الخوار طالب کی قبول پرنا لہذا یہ فقیر و الخوار طالب

۱۔ دستور کنوئریہ: مسکنہ کے احباب کے اہل بیت کی طرف سے ۱۹۷۴ء

عبد صالح البرقي لواء القس في
 امم ياب القوي في عام

المجلس الوطني لحقوق الإنسان

۸۔ سر ضحیٰ رحمانی پتہ: ۳۵۔ عاب کی گلی، پورانی، چار دیواری، لاہور۔ ص ۳۵۳

۴۰- عمیر القوی

۳۳۔ طاہر علی زیدی نیوٹن

۴۳۔ فضیل وارث

عبد الغفر بالله بن محمد بن عبد الوہاب

۸۹۔ فقیر بریلوی نے محمد نواز آگہ (نذر غالب) تقوی ۱۳۷۵ھ میں لکھا۔

جسٹس آف کلاؤڈ

[illegible]

پیش روئی و پیشانی

• محمد اکرم خانپ کا کھلی پہلو لکھنؤ ۱۳۳۵ء میں شائع

اقتصادی رابطہ پروگرام (ERP) میں

Researcher's name: _____

FT-IR: 1640 (C=O), 1510 (C=C), 1450 (C=C), 1380 (C=C), 1280 (C=C), 1180 (C=C), 1100 (C=C), 1050 (C=C), 1000 (C=C), 950 (C=C), 900 (C=C), 850 (C=C), 800 (C=C), 750 (C=C), 700 (C=C), 650 (C=C), 600 (C=C), 550 (C=C), 500 (C=C), 450 (C=C), 400 (C=C), 350 (C=C), 300 (C=C), 250 (C=C), 200 (C=C), 150 (C=C), 100 (C=C), 50 (C=C), 0 (C=C).

[illegible]

مجلس شورای اسلامی

الحمد لله رب العالمين

تاریخ نویسی و تاریخ نگاری

© ۲۰۱۵ Pearson Education, Inc. All rights reserved. This publication is protected by copyright. No part of this publication may be reproduced, stored in a retrieval system, or transmitted, in any form or by any means, electronic, mechanical, photocopying, recording, or by any information storage or retrieval system, without permission in writing from Pearson Education, Inc.

جہیز مراد فتح علی خان: ۶۶ فقیر، بے رنگ، رنگ، بھوری، بھوری، ۱۹۹۹، ۱۹۹۹

۷۔ حساب کے قسطوں اور کمزوری ۱۹۸۳ء میں ۱۳۔۸

۸۔ صاحب کے ایک شعری خطاطی مجموعہ "مجموعۃ شاعری" ۱۹۷۳ء

۳۳۔ من الخلف (ترجمہ) ۳۴۔ باب فی قصور الموری ۳۵۔ ص ۱۶

۳۰۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ

تاریخ: ۱۴۰۲/۰۵/۰۵

[illegible]

۱۹۸۳ء کے قاری لطیف ایک نئی تحقیق لکھ کر ۱۹۸۳ء میں ۱۲۸

For more information, contact:

۱۱۱۔ غالب نامہ میں اسلئے غالب فروری ۱۸۶۳ء میں

۱۱۲۔ غالب کی نئی نثری تقریریں بلکچ ۱۸۶۵ء

۱۱۳۔ غالب فروری ۱۸۶۸ء میں ۲۳۳-۲۳۲

۱۱۴۔ غالب کی چند نئی نثری تقریریں فروری ۱۸۶۷ء میں ۲۰۸-۸۹

۱۱۵۔ غالب فروری ۱۸۶۸ء میں ۲۳۳-۲۳۵

۱۱۶۔ میرزا غالب کا رازچہ "مختبر" ۱۸۶۷ء

۱۱۷۔ غالب فروری ۱۸۶۸ء میں ۳۳۳-۳

۱۱۸۔ غالب کا دیوار اور شہرت "مختبر" فروری ۱۸۶۸ء میں ۲۸۲-۲۸۱

۱۱۹۔ دیوان غالب اور ایک اہم مکتوب نسخہ بدایوں فروری ۱۸۶۵ء میں ۲۸۳

۱۲۰۔ غالب کا انفرادہ "مختبر" فروری ۱۸۶۵ء میں ۳۶۹-۳۶۸

۱۲۱۔ غالب کے سیاسی افکار فروری ۱۸۶۹ء میں ۶۰۷-۷۷

۱۲۲۔ غالب فروری ۱۸۶۸ء میں ۳۳۸-۳۳۲

۱۲۳۔ میرزا غالب کا پہلی ترجمہ دیوان غالب فروری ۱۸۶۳ء میں ۳۶۳-۳۶۲

۱۲۴۔ "نہ نو" کے چند نمونہ میں نظم و شعر غالب اور شمس پائے تقریر۔

۱۲۵۔ ذرا غالب فروری ۱۸۶۵ء میں ۸

۱۲۶۔ جگر طالعہ غالب کے بارے میں "مختبر" فروری ۱۸۶۸ء میں ۷۷-۷۵

۱۲۷۔ غالب نسخہ عید کی روشنی میں "مختبر" فروری ۱۸۶۸ء میں ۳۳۳-۳۳۲

۱۲۸۔ غالب کا اثر انارکلی اور انارکلی پر فروری ۱۸۷۰ء میں ۲۱-۲۳

۱۲۹۔ انارکلی یعنی ۱۸۷۰ء میں (نثر غالب) "فروری" ۱۸۶۳ء میں ۳۰۹-۳۰۸

۱۳۰۔ فضل حق قریشی: ۱۸۶۸ء (غالب نمبر کے بارے میں) "فروری" ۱۸۶۵ء میں ۲

۱۳۱۔ انارکلی (غالب کے بارے میں) "فروری" ۱۸۶۸ء میں ۵

۱۳۲۔ انارکلی (غالب نمبر کے بارے میں) "فروری" ۱۸۶۸ء میں ۳-۲

۱۳۳۔ انارکلی (غالب نمبر) "فروری" ۱۸۷۰ء میں ۳

۱۳۴۔ انارکلی (غالب نمبر) "فروری" ۱۸۷۰ء میں ۶

۱۳۵۔ دیار تعلیم "غالب" فروری ۱۸۷۰ء میں ۹۷-۹۳

۱۳۶۔ اپنی پائیں (غالب نمبر کے مسئلے میں) "فروری" ۱۸۶۳ء میں ۲

۱۳۷۔ اپنی پائیں (اسلئے غالب) "فروری" ۱۸۶۳ء میں ۲

۱۳۸۔ غالب کا انارکلی کا خط "مختبر" فروری ۱۸۶۸ء میں ۳۰۳

۱۳۹۔ غزوہ کربلا کا خط "مختبر" غالب "فروری" ۱۸۶۳ء میں ۳۳-۳۲

۱۴۰۔ غالب اور لوگ "فروری" ۱۸۶۸ء میں ۱۵۰-۱۴۹

۱۴۱۔ غالب اور میرزا غالب "فروری" ۱۸۶۸ء میں ۸۷-۸۳

۱۴۲۔ علی محمد خان:

۱۴۳۔ غالب بلکچ نمبر ۱۸۶۵ء

۱۴۴۔ غلام فیروز خان:

۱۴۵۔ غالب "مختبر" ۱۸۶۵ء

۱۴۶۔ غالب "مختبر" ۱۸۶۵ء

۱۴۷۔ غالب علی خان:

۱۴۸۔ غالب "مختبر" ۱۸۶۵ء

۱۴۹۔ غالب اور غلام:

۱۵۰۔ غالب اور غلام:

۱۱۱۔ مسودہ حسن و معلیٰ تہذیب
۱۱۲۔ مسلم نیپالی

۱۱۳۔ پنجابی 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۳۵۰/۳۱
۱۱۴۔ 'مسودہ مختصر' نور غالب فروری ۱۹۳۹ء میں ۳۱-۳۲/۳۱
۱۱۵۔ غالب کے کتابی قلم 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۱۶۔ 'رجلِ غالب' کی شریعتیں فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰
۱۱۷۔ 'تجلیات' غالب فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰
۱۱۸۔ 'ہم طرح' غالب فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰
۱۱۹۔ 'دو رنگ' کی 'دو رنگی' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۲۰۔ 'تجلیات' 'ایک مستقل شیعہ ادب' فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰
۱۲۱۔ 'نور' غالب فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰
۱۲۲۔ 'غائب' ایک نثری قلم 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰

۱۲۳۔ 'فروری فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰

۱۲۴۔ 'غائب' کی '۱۰' 'تجلیات' خصوصیت 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۲۵۔ 'کام' غالب کے 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۲۶۔ 'غائب' کی 'ہم طرح' فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰
۱۲۷۔ 'میرزا غالب' اور 'میرزا فتح' فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰
۱۲۸۔ 'دو رنگ' 'فروری' کی 'کئی' غالب کے 'تجلیات' فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰
۱۲۹۔ 'غائب' 'تجلیات' و 'دو رنگ' فروری ۱۹۳۹ء

۱۳۰۔ 'فروری فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰

۱۳۱۔ 'غائب' کے 'ہم طرح' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۳۲۔ 'غائب' و 'شعر' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۳۳۔ 'غائب' کی 'تجلیات' — 'نور' و 'فر' کے 'تجلیات' فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰

۱۳۴۔ 'فروری فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰

۱۳۵۔ 'غائب' کے 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۳۶۔ 'میرزا غالب' کی 'میرزا فتح' فروری ۱۹۳۹ء میں ۷۷-۳۰

۱۳۷۔ 'فروری فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰

۱۳۸۔ 'میرزا غالب' کے 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۳۹۔ 'غائب' 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۴۰۔ 'غائب' 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۴۱۔ 'میرزا غالب' 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۴۲۔ 'غائب' 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰
۱۴۳۔ 'غائب' 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰

۱۴۴۔ 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰

۱۴۵۔ 'تجلیات' 'فروری ۱۹۳۹ء' میں ۷۷-۳۰

نہرونی فہرستی ۱۹۳۹ء ص ۲۹-۳۱

۳۲۸- طالب اور مواصلہ خیر آبادی فہرستی ۱۹۴۱ء ص ۲۹

۳۲۹- صدر کے نام کا سلسلہ طالب نمبر فہرستی ۱۹۳۴ء ص ۵۲

۳۳۰- طالب کی ایک غیر مطبوعہ فہرستی ۱۹۵۱ء ص ۳۵

۳۳۱- طالب کی ہم طرح فہرستی ۱۹۳۳ء ص ۳۲

۳۳۲- طالب کا راجہ فہرستی ۱۹۳۸ء ص ۲۵-۲۴

۳۳۳- طالب کا نقش شہر فہرستی ۱۹۳۵ء ص ۶

۳۳۴- طالب کی شخصیت لطیفہ کے آئینے میں فہرستی ۱۹۳۳ء ص ۲۸-۲۷

۳۳۵- طالب کا جیم ولایت (مجموعہ) کی مدد ملی شہر فہرستی ۱۹۳۸ء ص ۷-۵

۳۳۶- طالب کی پھٹلی چار فہرستی ۱۹۳۳ء ص ۵۵

۳۳۸- طالب کا ایک اور چار فہرستی کے ۱۰ نمونے (نارنج ۱۹۳۵ء)

نہرونی فہرستی ۱۹۳۹ء ص ۵۱-۵۰-۴۹

۳۳۹- طالب اور پورے تاج فہرستی ۱۹۳۳ء ص ۱۰-۹

۳۴۰- طالب کے کام میں لفظ "جاسر" (کلام جیتا پوری) فہرستی ۱۹۳۸ء ص ۱۸-۱۷-۱۶

۳۴۱- "فیضانِ طالب" (کلام جیتا پوری) فہرستی ۱۹۳۸ء ص ۱۸-۱۷-۱۶

۳۴۲- مشتعل علی طالب "ازدھار شہ گیلانی" فہرستی ۱۹۳۸ء ص ۳۰

۳۴۳- طالب اور رنگ فہرستی ۱۹۳۸ء ص ۲۰-۱۹

۳۴۴- طالب اور مشتعل فہرستی ۱۹۳۸ء ص ۳۳-۳۲-۳۱

۳۴۵- طالب اور اس کا "مختصر" (توضیح) فہرستی ۱۹۳۸ء ص ۹

۳۴۶- ایک نئی باتیں (طالب اور طالب نمبر کے بارے میں) فہرستی ۱۹۳۹ء ص ۷

۳۴۷- ایک نئی باتیں (طالب اور طالب نمبر) فہرستی ۱۹۳۵ء ص ۳

۳۴۸- طالب کے بانی، چلیں اور چلیں کی ہم آہنگی "نئی ۱۹۳۳ء

نہرونی فہرستی ۱۹۳۹ء ص ۳۰-۲۹

۳۴۹- قاری قرطابہ طالب کا مجموعہ اور ترجمہ فہرستی ۱۹۳۳ء ص ۳۶-۳۵

۳۵۰- یوسف حسین کاغذی

بنیادی مانتہ

اس کتاب کی تیاری و ترتیب میں "اے نو" (کراچی گیسٹ) ۱۹۳۸ء سے ۱۹۳۷ء تک کے "فہرستی" کے درجہ اول نمونے میرے ہستی

نہرونی

فہرستی

۱۹۳۹ء، ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۱ء، ۱۹۲۷ء، ۱۹۲۳ء، ۱۹۱۹ء، ۱۹۱۵ء، ۱۹۱۱ء، ۱۹۰۷ء، ۱۹۰۳ء

۱۹۰۰ء، ۱۸۹۶ء، ۱۸۹۲ء، ۱۸۸۸ء، ۱۸۸۴ء، ۱۸۸۰ء، ۱۸۷۶ء، ۱۸۷۲ء، ۱۸۶۸ء، ۱۸۶۴ء، ۱۸۶۰ء، ۱۸۵۶ء، ۱۸۵۲ء، ۱۸۴۸ء، ۱۸۴۴ء، ۱۸۴۰ء، ۱۸۳۶ء، ۱۸۳۲ء، ۱۸۲۸ء، ۱۸۲۴ء، ۱۸۲۰ء، ۱۸۱۶ء، ۱۸۱۲ء، ۱۸۰۸ء، ۱۸۰۴ء، ۱۸۰۰ء

۱۹۶۸ء	۱۹۶۶ء	۱۹۶۷ء	۱۹۶۸ء	۱۹۶۹ء	۱۹۷۰ء	۱۹۷۱ء
۱۹۷۳ء	۱۹۷۴ء	۱۹۷۵ء	۱۹۷۶ء	۱۹۷۷ء	۱۹۷۸ء	۱۹۷۹ء
۱۹۸۰ء	۱۹۸۱ء	۱۹۸۲ء	۱۹۸۳ء	۱۹۸۴ء	۱۹۸۵ء	۱۹۸۶ء

ماہنامہ مصلحت

”ماہنامہ“ کے قیام کے دوسرے مہینوں کے درمیان اہل انہوں کے حوالے کیے گئے تھے تاہم اس سے پہلے یہ مجھے یہاں دیکھنے کے لئے

میں چلا

شمارہ نمبر ۱۹۵۳ء	تقریباً ۱۹۵۴ء	اگست ۱۹۵۵ء	فروری ۱۹۵۶ء
فروری ۱۹۵۷ء	فروری ۱۹۵۸ء	مارچ ۱۹۵۹ء	اپریل ۱۹۶۰ء
مارچ ۱۹۶۱ء	تقریباً ۱۹۶۲ء	اگست ۱۹۶۳ء	فروری ۱۹۶۴ء



غالب پر "ماہِ نو" کا انتخاب

(۱۹۷۰ء تا ۱۹۹۷ء)

غالب کی سہ ماہی کے مروج پر بلوری فوری ۱۹۷۸ء میں ۳۰۸ صفحات پر مشتمل "ماہِ نو" ایک بزمِ رحاب نیرنگی کا قلم ہے۔ ۱۹۷۸ء تک "ماہِ نو" میں پچھلے دہائی غالب کے بارے میں اہم قریوں کے انتخاب اور بارے کے مقالات پر مشتمل تھا۔ اگلے صفحات — جن نثرات کے انتخاب پر جی جی ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۷ء تک "ماہِ نو" "ماہِ نو" میں لکھی گئیں — اس انتخاب میں ۱۹۷۸ء سے ۱۹۷۹ء تک کے درمیان پچھلے دہائی کو اپنی قریوں ہی لکھی ہیں۔ "ماہِ نو" کے ۱۹۷۸ء کے غالب نمبر میں جب کہ ہمیں ہاسکی تھیں۔ اس کاغذس ہے کہ صفحات کی کسی کے چھٹے نمبر نثر انتخاب میں غالب سے متعلق بعض ایسی نکاتی اور شعری تجلیات اور ڈرام غالب کے لیے بالکل ہی نئے نہ لکھ سکی۔

غالب: سہ ماہی

جہات غالب کے حدود	اول	فوری ۱۹۷۰ء میں ۷۷۵
غالب کی کتب پر انکس پر چاند خیالات	سید محمد حسین رضوی	فوری ۱۹۷۰ء میں ۳۸-۳۲
غالب کا بزمِ رحاب: علم تعلیم کی روشنی میں	محمد انوار الدین واسطی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۷-۳
دانیہ غالب کے اثرات	سعود محمودی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۱۰۳-۱۰۲
غالب سے ایک طاقت ۱۹۷۸ء میں	ڈاکٹر شاکر الدین آزاد	فوری ۱۹۷۳ء میں ۷۳-۷۲
چتا جان	مسعود حسن رضوی لکھنؤ	فوری ۱۹۷۹ء میں ۳۳-۳۲
غالب کے کتابی قری	مسلم نیلی	فوری ۱۹۷۸ء میں ۷۷-۷۶
غالب کی وفات	زلفی اکمل اللہ	فوری ۱۹۷۸ء میں ۷۷-۷۶
وفات غالب پر مروج کا ترجیح ہے	محمد شفیق صدیقی	فوری ۱۹۷۳ء میں ۷۳-۷۲
غالب اور بلوری ہفت روزہ	معاصر نور شاگرد	
سیر سعدی مروج شاگرد غالب	سید اعجاز ہاروی	فوری ۱۹۷۵ء میں ۷۳-۷۲
غالب کا مروج کا مروج	آفاق دہلوی	فوری ۱۹۷۵ء میں ۷۳-۷۲
مردا غالب کے چند طبع	آفاق حسین آفاق دہلوی	فوری ۱۹۷۹ء میں ۷۳-۷۲
مردا غالب کا مروج کا مروج	بیش پاشا	فوری ۱۹۷۹ء میں ۷۳-۷۲
مردا دہلوی کا مروج کا مروج	سورنا انوار علی عری	فوری ۱۹۷۹ء میں ۷۳-۷۲
غالب کے مروج کا مروج	اکبر علی خان عری	فوری ۱۹۷۸ء میں ۷۳-۷۲
نور ہر غالب	ڈاکٹر سید محمد الرحمن	فوری ۱۹۷۳ء میں ۷۳-۷۲
مجلد رحاب "ماہِ نو" ۱۹۷۰ء	چند قدرت نقوی	فوری ۱۹۷۳ء میں ۷۳-۷۲

نقد و نظر

غالب کی طرف طراختیابی روح	ڈاکٹر عظیم علی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۲۸-۳۳
غالب کا ادبی و ادبیاتی کثیر	امیر عظیم شاہی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۶۳
غالب اور جدید ادب	ڈاکٹر وکیلی آغا	فروری ۱۹۵۳ء ص ۶-۱۰
غالب کا اثر علامت لوب اور لیبوں پر	ڈاکٹر فریدانج چوری	فروری ۱۹۵۰ء ص ۱۱-۱۲
غالب کے فلسفیانہ افکار	محمد عہدائے قرنی	فروری ۱۹۵۳ء ص ۸-۱۳
غالب کہ جانشین باد	وہابیت حسین سولی پتی	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۷-۲۰
غالب کا ادبی ارتقا	سید قدرت نقوی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۷۰-۷۱
غالب شعور و شعور کا شعور	ڈاکٹر سلیم اختر	فروری ۱۹۵۰ء ص ۳۶-۳۸
محمد غالب کے چند مسائل	ڈاکٹر اور محمد	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۱-۱۳
غالب اور فلم دوروں	سیح اند قرنی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۷۱-۷۵
غالب کی عظمت شعور کے آئینے میں	ظہیر صدیقی	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۸-۱۹
مطالعہ شعور غالب	ڈاکٹر سہیل امیر علی	فروری ۱۹۵۵ء ص ۳۵-۳۸
غالب کی قصیدہ گوئی	غزل ہارن	فروری ۱۹۵۰ء ص ۳۵-۳۸
غالب آقبال کے عظیم چیلر رو	ڈاکٹر محمد رضا	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۲-۱۳
غالب کے تاریخی شخصیات	ڈاکٹر خواجہ حمید چوہانی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۳۶-۳۸
آعلیت غالب در نظری	ڈاکٹر خواجہ حمید چوہانی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۱۱-۱۲
غالب کے بعض اشعار کے مطالب	شریحیں اور شاعر مجنر غالب	فروری ۱۹۵۰ء ص ۱۷-۲۱
ہجرت غالب کے چند شعر	ابو گشتوی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۱۷-۲۱
دعویٰ غالب کی شرحیں	مولانا قلام رسول مر	فروری ۱۹۵۱ء ص ۱۱-۱۲
دعویٰ غالب کا پہلا شاعر	مسلم فیاضی	فروری ۱۹۵۰ء ص ۳۳-۳۴
تعلیمات ایک مستقل شعری لوب	محمد اکرم سید	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۱-۱۲
کلام غالب کے تعلیمی ترانہ پائیکٹن میں	عالمیاتی چاتیر سہ	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۷-۲۱
رنگ رنگ (شعور غالب ایک جائزہ)	ڈاکٹر سید حسین احمد علی	فروری ۱۹۵۱ء ص ۳۳-۳۴
میں اور قادیانہ غالب نمودار	منیر احمد علی	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۱-۱۲
	اکبر علی خان قرشی زامہ	فروری ۱۹۵۳ء ص ۱۱-۱۲
	ڈاکٹر ابو سلطان شاہ جہاں چوری	فروری ۱۹۵۵ء ص ۸۹-۹۰

پڑھ کر سن: انتخاب اشعار غالب:

"..... غالب کے اشعار کا یہ انتخاب میرا یا آپ کا کیا ہے انہیں ایک

انتخاب مریخ کا ہے اور دوسرا الکحل کا۔۔۔ اور اس طرح اس پڑھ

کسی میں پڑھ تو کی قسمت تھی ہے۔۔۔" — سید وقار عظیم

فروری ۱۹۵۰ء ص ۶

مرید احمد علی

اشعار رنگ و لہجہ غالب کے انہیں شعر:

فروری ۱۹۵۰ء ص ۶

عارف سرور اقبال

انتخاب غالب (مختصر)



انتخاب ماه نو

ماه نو

فصلنامه

ماه نو

فصلنامه

ماه نو

فصلنامه

ماه نو



ماه نو



اشعارِ ریختہ

(غالب از سریندا)

صبح کرتا شمع کا دھنا ہے ہوئے شیر کا
 سخت مشکل ہے کہ یہ کلم بھی آسان لگا
 اڑنے سے پتھر بھی مرادگ درد تھا
 ہائے اس درد پشیمں کا پشیمں ہوتا
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھ جائیں گے کیا
 لب تک تو یہ توقع ہے کہ دل ہو چھینکا
 میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا
 یاد آگیا مجھے تری دوار دیکھ کر
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ شمع جل نہیں
 میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے خواب میں
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 رکھوں کچھ اپنی بھی مڑکھن طوفان کے لئے
 اٹھا نور اللہ کے قدم میں نے پاس کے لئے
 ہے ہے خدا نہ کہہ تجھے ہے وفا کھوں
 یاد لائے مری باتیں پہ اسے ہر کس وقت
 دیکھتے ہیں آج اس بت نازک بان کے پاؤ
 ہم کو پیچھے کی بھی امید نہیں
 نا امید ہی اس کی دیکھا چاہتے
 ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا دیکھتے تھے

کل کھر سخت پائی ہائے عملی نہ پہچ
 حتیٰ کہ آسودہ غصت دشوار پسند
 تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
 کی مرے حق کے بعد اس نے جفا سے توبہ
 دوست فزائی میں میری سخی فرمائیں گے کیا
 دانے گر میرا دوا انصاف محض میں نہ ہو
 دیوانے محاسن تک تلی سے ہوا تنگ
 سر پھوڑا وہ غالب شوریہ حال کا
 جاں ہے ہائے یوسر دانے کیوں کئے ابھی
 حامد کے آتے آتے خدا اک اور لکھ رکھوں
 میں اور حق وصل خدا سزا بات ہے
 بلا سے گرمیہ یاد چھینے ٹھوں ہے
 کرا کچھ کے وہ چپ قاری جو شامت آئی
 ظالم مرے گلیں سے مجھے مضطرب نہ چلا
 مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آگئیں غالب
 شب کو کسو کی خواب میں کیا نہ ہو کہیں
 کہتے ہیں پیچھے ہیں امید پہ لوگ
 خضر مرنے پہ ہو جس کی امید
 زندگی اپنی جب اس شکل سے گمراہی غالب

فصل کو اس کے مقصود پہ بھی کیا کیا ناز ہے
 کھینچا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچا جائے ہے
 کرچہ ہے طرزِ تھافل ہوا دارِ رازِ عشق
 پہ ہم ایسے کھوئے جلتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
 یہاں تک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ بس
 دلف کر بن جائیں تو شانے میں الجھا دے مجھے

انتخاب غالب

(قبل)

ہمارا آفریقہ کھنڈ میں ہم
 تھم تھما سے ہمارا جیہ ہم
 یارب بیان شدہ سنی مکتو نہ ہو
 میں دشت غم میں آہوئے سیاہ دھند ہوں
 کہ یاد کھنڈ کہ ملک پوشیدہ ہوں
 یاد سورج تپ زبان دھند ہوں
 اوزکے سخی غم ہزار پوشیدہ ہوں
 میں معرض مثل میں دست دھند ہوں
 نے دائرہ قہر ہوں نے دم چیدہ ہوں
 ہر مایوں کے زموں میں میں برگزیدہ ہوں
 یقین کلام قہر نے ناشیدہ ہوں
 میں حلیب کشن نا آفریدہ ہوں
 لیکن عیش کہ ختم خورشید دھند ہوں
 ذرا ہوں آئینہ سے کہ صوم گزیدہ ہوں
 غلہ آگنی غلاب دل نہ سمجھتا ہوں
 دشت ہر خطر کو یاد دارما سمجھ
 کہے خدا کی یاد ہے کلفت ہوا سمجھ
 شوق کو مفضل نہ کر باز کو افلا سمجھ
 اسے دل و جان خلق تو ہم کو بھی سمجھتا سمجھ
 تم ہو بدلو سے خوش اس سے سوا اور کسی
 تم خداوند ہی کھلا خدا اور کسی
 میر کے واسطے توڑی ہی تھا اور کسی
 صرا کھل کہ دعوت دیا کرے کوئی
 یہ محشر خیال کہ دنیا کہیں ہے
 کہ یاس غواں ہے قتل اور آئینہ دیا ہے
 وہ جلوہ کر کہ نہ میں جانوں اور نہ تو چلنے

تلاشے کشن کشنے چھن
 اسد کھو کھو کھو کھو
 راک خیال ٹوک و اقدار بے قرار
 کشن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
 ہوں درد مند بحر ہو یا اقیانوس ہو
 پیدا نہیں ہے اصل تک و باز جنو
 جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دین
 نے جو سے طاقت نے سفر سے واسطہ
 ہوں خاکسار ہر کسی سے ہے مجھ کو راک
 اہل درج کے ساتھ میں ہر چند ہوں ذلیل
 ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
 ہوں گرمی و خشک تصور سے غور آج
 میں چشم دا کھنڈ و کشن نظر قریب
 چپنی سے تک گزیدہ دارے جس طرح اسد
 کھو و شکر کو شرم واسطہ کا سمجھ
 دشت درد نیکی ہے اثر استعد نہیں
 مجھ پہ خدا امیدوار کہ پہ جیم دم پاک
 اسے پہ سرب حسن خلق تھو سنی اچھی
 نے سو برگ آرد نے وہ درم مکتو
 میں ہوں مطلق جفا مجھ پہ جفا اور کسی
 تم ہو بت پر قیاس چارہ خدا کی کہیں ہے
 کہیں نہ قہر میں دولت کو مایلین یا رب
 عرض سرتک ہر ہے فضلے نلک تک
 یا رب ہمیں تو غلاب میں بھی مت دکھانے
 دل ہے گوہر مقصود جیب خود کشاں میں
 خرگاہ کوکہ چشم کو بدو چلنے

میرزا غالب کے چند شعر

آئے ہیں کہ ہے یہ سطرین جہاں میں
غالب میری جگہ فرات سواہی ہے

یہ کتا بیٹا حافل ہے کہ قدرت کی کن کن ی کشیں اور موسس ہر کوئی کے لئے حقیقی بھائی و سلف، انہیں صبا کرتی ہیں ہمارے اوصاف و انہیں کے طبع و انہیں میں حقیقی شریعت کا بعد کسی قدر ہے۔ سطرین سات اپنے شاہوں کی ایک طویل صف سطور ہے جن کی زندگی کا ایک ایک اور فکر شعر میں سرور انکو ایک محدود جگہ سے باہر قدم نہ رکھ سکے انہوں نے ہوش کی فتح کھیل ڈیکھا کہ پتھروں، شاعر بڑوں، سطرین مختلف صورتوں میں بدھ بچے ہیں۔ اس انہوں نے اپنی عمری انہیں میں سے عام سطرین کی انت پلٹ کر پڑی اور کٹھن دست میں گزار دیں۔ کبھی کسی سطرین کی بدوش میں دریا ہستی پر ابھی کی ایک کوئی عمارت دریا ابھار سوں عمارت میں بدھ کیا تو حقیقی ہو گئے کہ بڑا کاربہر انہم یا کیا۔ رخ میں موسم کی طرف سے متاثر و تقریب کی حد انہیں بدھ ہو گئے۔ ہم انرا صحت ہو گئی اور انہیں آگے بڑھنے یا بدھ تو انہیں اسے کا کبھی جہاں ہی نہ آتا یا جو کچھ کہہ کے گرا انہیں رخصت نہ دیا یا غالب حافل کی سے صحت و صحت ہی محدود نہ تھی۔

حقیقی شعر:

کبھی کبھی ایسے شاہوں کی بدھ ترقی سے بھی عام دور طور ہو تا رہا انہیں نے کبھی یہ نہ دیکھا کہ حواس قسین کا سیر کیا ہے؟ یا ہاں میں ضرورت کہ حاصل ہو سکی ہے؟ بیٹ ہے؟ سوچا کہ ہو گئے کما ہنسے وہ جات پائیدار مستطیل اور نہ دار ہوا چاہیے۔ اگرچہ ہاں صحت اس پر ہل ہندی کے سوا کچھ کرنے کے لئے چار نہ ہو تو کھیتی کے قول کے مطابق بیٹ اس حقیقت پر کلام سطرین دھارن اہل رہے کہ

مستطیل گورہ کی دھال گورہ دھال

جس کی خوب است غلب کو بیٹا ہستی

(انکو گورہ گورہ کرے اور دھال دھال کرے آنچر انہیں ہو گی تو ضرور قیست پائے گی۔ (ہزارہا)

میرزا غالب:

میرزا غالب اپنے ہی شعروں میں سے تھے۔ ان کے لئے لہجہ کی دور میں ہاں میں درجہ صحت حلق اور وصل فرما حواس کی صحتیں میں جانا غیر ضروری ہے۔ طور میرزا کے ہری اور لہجہ حواس میں اس کی خاصی شہ قسین سمجھ ہی۔ مثلاً:

نہ سطرین کی قیادت سطرین کی پدا!

کر نہیں ہیں صحت شہار میں سطرین نہ سہی

پر غلب غالب لا حقیقی سخن کوئی ہوا سے صحت

مرحمتہ غلب دہانہ صحت بڑوں را!

تو اسے کہ حواس مستطیل حقیقی

مہاں مگر غائب کہ در زلف است

غائب سوز ہوں دل پہ یہ کھتا، غری

یہ دودھ کے دھواں نکلیں اچھلیں

آہِ دواغم کہ سر مست غنِ خواہد شدن

ہیں سے از قند لہر لہریں کس خواہد شدن

شعر گوئی کی امتحان گزرتا

شعر گوئی کے وقت حقیقی محسوس ہوا جو حالت طاری ہوئی ہے مجھے معلوم نہیں کہ کسی شعر نے اسے جان کیا ہے یا نہیں۔ مگر مگر کے
ہاں بعض اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً

از بند لب نہ دلم چوں شود؟ ایک آنکہ

کرتہ دل بگم فسادِ درخوں سے سود

بسکہ خونِ تھوڑے غیورِ دود از طبع دلم

در ہوا کے غلغلہ پودوں درخوں سے سود

یعنی مجھے معلوم نہیں کہ بات لب سے باہر لفظی ہے تو کیا کیفیت پیدا کرتی ہے لیکن یہ جانتا ہوں کہ دل کی گہرائی سے اٹھ کر لب تک
آتی ہے تو خون میں ات بہت آتی ہے۔ میرے دل کی طبع سے جو دھواں اٹھتا ہے وہ خون سے بھرا ہوا ہوتا ہے میری گھٹلی میں پودا طبع
کی طرف جاتا ہے تو خون میں تھرتھرتا ہوا جاتا ہے۔

میرزا غالب نے اپنی شعر گوئی کی حالت ایک جگہ وضاحت سے بیان کر دی ہے اگرچہ اس کا صحیح انداز اس وقت تک نہیں ہو
سکا کہ اب تک گورا اپنے دل پہ یہ حالت نہ گزر سکتا ایک غزل کے مطلع میں لکھے ہیں۔

بسیب از گدلائی اور بکر حلقہ چلتی

غائب فکر دم غنِ مدہ خیر میں رہی !

یعنی اسے غائب ! اگر شعر گوئی کے وقت تو میرے خیر میں دلوں ہلکتے تو دیکھو کہ دل میرا گدلا ہے اور بکر میں اُٹ کا ایک تیل

سوزتا ہے۔

غور فرمائیے کہ ہمارے ہاں کتنے شاعر گزرے ہیں۔ جنہوں نے باطن کی اس قیامت خیز حالت کو میں دیکھ کر شعر کے

میرزا کی بدستور بیان کیا۔

میرزا غالب نے اپنی شاعری کے حقیقی جگہ بدستور بیان کیا کی جس کو درست عبارت ہو چکی۔ مثلاً کہ قند

کو کیم دودھ دم دودھ لعلے پودا است

شربت شمع پہ تکی بعد میں خواہد شدن

میرزا کی زندگی کے آخری دور میں ان کی شاعری خاصی شہرت پائی تھی لیکن کوئی شبہ نہیں کہ قول عام کا وہ تمام افسانے میرزا کے
بعد حاصل ہو اس کی نظیر غنِ طغیانی ہے۔ مگر کے حقیقی جگہ نہیں کہا جاسکتا ہے ہم اب تک کہ ان کی دہات پہ ایک سو سال گزار چکے
ہیں ان کی شہرت میں نصف غنِ مدہ اور پاک دود کا شاید ہی کوئی شاعر ہو جس پہ اتنی کتابیں اور اتنے مضامین و مقالات لکھے گئے

صبحِ سرد و دھند و کھم دور از چادر است

ی در سماں از کتب آتشِ اربے رسد

یعنی گرمی کا موسم ہے۔ بھوپڑی کے چادریں طرف دور دور تک کوئی مکان نہیں اور اس بھوپڑی میں فداوت کے لئے جو جنس میں نے اپنی ہے وہ رات ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک گرمی کی حدت و دھند برداشت کرتے ہوئے لوگ بھوپڑی تک پہنچ گئے تو وہ رات ٹھیکہ میں کے کیا وہ راستہ ہی میں غم نہ ہو جائے گی؟

گویا میر نے بظاہر اداکاری کے مراسم قائم رکھے ہیں جن میں کھینچا ہوا سارنگ کو چھپیں دلتا چاہتے ہیں کہ میرت پاس نہ جنس ہے اس کے ہٹنے اور فداوت ہونے کی کوئی صورت نہیں وہ جو غمی پر ہو جائے گی۔

شب یہ سحر صبح نورِ گلشن سے بڑا نہیں کیا چاکلہ نہیں ہے کہ اس کے مختلف اور مختلف مظاہر ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے اور یہ مختلفات گھر کے اور بیٹے بیٹے نہیں کئے جاسکتے۔

تیسری مثال:

ناری کا ایک اور شعر ہے۔

براد کعبہ دایم نیست شوم کر بک ہادی

یہ وطنِ پائے برقرار مطلقاً غم لئے آئے !

فرماتے ہیں۔ میں نے حرمِ پاک کا سراسر اقتدار کر لیا ہے۔ لیکن دائرہِ پاؤں نہیں اور یہ امر حقیقی تصریح نہیں سمجھا سکا کہ کوئی بھی سحر دائرہ کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اس سے مراد کسی سے میر نے دل کی تسلی کے لئے ایک کتبہ پڑھا اور مطلق ہونے کے بجائے مطلق ہو گئے۔ کتبہ یہ ہے کہ اگر دائرہ کا سامنے ملان پاس ہو آقا سے الفتا پڑا اور بیٹھا وہ مدت بھاری ہو جو کہ دہبِ افسان بھاری ہو جو سرے افسان ہے تو پچھلے وقت وہ سنبھل کر پاؤں نہیں دیکھ سکتا جو بھتا زور و دہائی ہو کامن کا پناہ لاتی اضطرابی ہو جائے گھر راستے میں کالے بھی ہوئے ہیں اور سبک و افسان بھی حالتِ اضطرابی میں وہ ان آزاد رسلِ جہول سے بچتا ہو افسان حال تک گھاسکے برعکس اگر سرے ہو جو نہ ہو تو وہ بر قدم و کچھ کر دیکھ گا اور کائنات سے محظوظ رہتا ہو مطلق ہے کرنا جائے گھر ظاہر ہے کہ یہ مضمون بھی کتبہ مظہر کا نتیجہ ہے جس میں میر نے بطور دیکھا کہ اگر وہ بک ہادی ہو جو سرے افسانہ ہیں تو ان کی کیفیت کیا ہوتی ہے اور اگر میر دایم دلتان سے کتبہ ہوں تو چٹا کی دودھ سلی ہو آگے اور پاؤں کو ہر گز سے کیوں کر محظوظ رکھا جاسکتا ہے۔

بہار و حقیقت:

آپ نے بہار و حقیقت اور صورت و معنی کے بعد سے شعر لے ہوں گے۔ میر کا یہ شعر بھی ملاحظہ فرمائیے۔

دایم از باطنِ آقا کے جہنم کم میی

ی کی دلی کہ یک چاند نصیب کردہ دم

یعنی اسے دایم! ہم نے آپ کو انگوڑا لایک خوش بطور تہہ بچھا تو اسے معنی اور حقیر نہ کہجے۔ ہاں یہ ظاہر ہے انگوڑا لایک خوش ہے جس کی قیمت زیادہ نہیں لیکن اس کی حقیقت و معنی ہے۔ انگوڑا بھی جانے تو شرب کا ایک چادر ہے۔ لیکن ہم نے آپ کی قدر کو جانور خود نصیبانِ طریاں نصیبان اس لئے کہ اہل معنی سے آپ لذت اندوز نہیں ہو سکتے۔ صرف ہم رسولِ حق کے ذوق اور بیانی ہم دایم کا مراد ہے۔

بندش مضمون کا کمال:

میر کا ایک کمال یہ ہے کہ وہ ہر مضمون کو کچھ اور ہر اقتدار سے سولانِ حق و سراج کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ہر شاعر اس قدر

میں کی ایسے مضمون ہیں جو وہ سب کو سوجھے لیکن وہ انہیں فطری اور طبی امور میں پاندہ نہ تھکے۔ میرے سامنے اس کی صورت چلیں ہیں
 ان میں میں صواب ایک مثال پیش کروں گا
 درگزر وعلیٰ کا ایک شعر ہے۔

چم کہ لب پہ سے تھکے ترکہ چاہے حتم

”برداشت طوفان چلنے پہ اپنی پہلو کر حتم

یعنی لب میرے چاہے سے لب چاہے لب شراب سے تھکے کہ گئے تو اس پہلے ایک پہلو کا خون بہاؤ کہ میں مسک ہوں
 اور عالم سچی میں کسی سے حمل دہوش کی امید ہی نہیں، رنگی چاہتی تھی میرے بارے میں اس کے ساتھ کہ عرض کرنے کی ضرورت
 نہیں کہ مسک دہوش ہو کر کسی کا حمل نام پر لگاؤ وہ جانا کہ حمل نام کرنا کوئی طبی دھڑ نہیں۔
 میرزا فرشتے ہیں

ہم سے کھل جاتا بوقت سے پہنچی ایک دن

درد نام چلیز کے رکھ کر طوطا سچی ایک دن

ہم تو سے پرست ہیں ہی ان کا تم بھی ہے شک ہو کر طوطا ساتھ چلا۔ خوب ہو اور چلا۔ اگر ہو نہ کیا تو دیکھو بھی چلے دیتے
 ہیں کہ ہم کسی دہڑ لب کو چلیز کے اور طوطا طوطا ہو گا کہ تی کر مسک ہو گئے تھے اور دیکھ نہیں نہ دبا کر کیا حرکت کر رہے ہیں۔
 اس مضمون کی طبی صورت چلی اور دہوشی کے عالم میں لب کی مجلس کے لب سے ہے پدا ہو چلا تو کہو میں آہا ہا ہے۔ ایک پہلو
 کا خون بہاؤ کیوں کر دہوش میں ہو سکتا ہے؟

میرزا کے فطری جو ہر

اگر میں ان کا اور عرض کر دیتا ہوں کہ میرزا غالب کا یہ دعویٰ بھی حقیقت پہ چلی

تھوڑی دہری مرتبہ داخلی صواب

میرزا فرشتے میں کو کہ کو دہوشی

اس میں طوطا چلے کیا کیا ہو رہے ہیں کی صواب ایک پہلو ہی ایک سرور سے سچی اور سرور دہری میں چلی ہے۔ کمال دل لہجہ
 اس پہ طوطا سرور سے سرور ہو سکتی۔

سے ماننے پر غور کرنا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اسے نسخہ ہدایوں کی ترتیب کے بعد کچھ کرشمہ کے میں برساتا دیا گیا تھا۔ دہلی ۵۵۵ ہجری سے ۵۵۶ ہجری تک ہر سال درجہ چھٹی کی کتاب "دست لکھ" اور "دہلی ہجری" کے نام سے نسخہ ہدایوں میں برساتا دیا گیا تھا۔

دہلی ۵۵۵ ہجری سے ۵۵۶ ہجری تک دہلی میں ہجری کی تعداد ۸۰۰ ہے۔ ۵۵۶ ہجری سے ۵۵۷ ہجری تک دہلی سے ۵۵۷ ہجری سے ۵۵۸ ہجری کی طرف ۴۰۰ تک کتاب لکھی گئی ہیں۔ دہلی میں درجہ چھٹی کی کتاب "دست لکھ" اور "دہلی ہجری" کے نام سے نسخہ ہدایوں میں برساتا دیا گیا تھا۔

آخر میں ۸۰۰ دہلی کی حکیم مومنی علی مرحوم کا نسخہ ہدایوں ہے جس کا پہلا شمار ہے۔

کھلیہ سرقی حد کو سہو کے !

پچھتے ہیں کب سے گھوڑے لہر کے

تعداد اشعار

اس نسخے کے اشعار کی تعداد تفصیل ذیل ہے۔

تقریبات

الف	۳۶	۲
ب	۳	۹
ج	۸	۸
د	۴	۵۳
ه	۴	۳۹
و	۹	۳۰
ز	۳۹	۳۳۵
ح	۳۰	۳۳۵
ط	۳	۳۳۵
ث	۳	۳۳۵
ع	۸	۳۳۵
ف	۳	۳۳۵
ک	۱۵	۳۳۵

اشعار کی یہ تعداد متن تک محدود ہے جو کہ ہر نسخے کے مابین ہر بھی لکھے گئے ہونے لگتے ہیں ان کی تعداد یہ ہے۔

تقریبات	۳۶	۲
ب	۳	۹
ج	۸	۸
د	۴	۵۳
ه	۴	۳۹
و	۹	۳۰
ز	۳۹	۳۳۵
ح	۳۰	۳۳۵
ط	۳	۳۳۵
ث	۳	۳۳۵
ع	۸	۳۳۵
ف	۳	۳۳۵
ک	۱۵	۳۳۵

اس صورت میں حق و عوامی دونوں کے اشعار کی تعداد ۳۰۰ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ میں نے لٹو مرثی (طبع اول) کے دیباچے صفحہ ۳۳ میں بیان کیا ہے۔ رام چور کے سب سے پرانے محفوظ نسخوں میں اشعار کی تعداد ۶۶۶ ہے اسی نسخے میں روایت الہام کا یہ شعر موجود نہیں ہے۔

شرح و نگارہ ہستی ہے زبے مہم مکی

دیکھ فقرا چارو ہے خوشا سوچ شرب

چونکہ یہ شعر لٹو پہلیں کے جانے ہوئے لٹو شیرانی کے حق و عوامی میں ملتا ہے لٹو رام چور سے پرانے ہیں۔ اس لئے اس شعر کو کتب کے سہ سے محذوف بنا جانے کا دور اس صورت میں لٹو رام چور کے اشعار کی کل تعداد ۳۶۸ ہو گی۔

لیکن جیسا کہ اس کے نقشے سے ظاہر ہوتا ہے لٹو پہلیں کا حق و عوامی ۳۶۶ شعروں پر مشتمل ہے۔ اس سے ظاہر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ لٹو پہلیں رام چور کے قدیم نسخے سے مرثی ہیں یا ہے لیکن واقعہ اس کے برعکس ہے۔ جیسا کہ آج میں واضح کر رہا ہوں گا اس کی وجہ لٹو پہلیں کے کتب کا سہ ہے۔ اس لئے روایت غزل کی ایک ۳ شعری غزل میں کا مطلع ہے۔

یہ ام ہو اگر میں دلا دلا کہ دیکھتے ہیں

کبھی سہا کو کبھی ہار کو دیکھتے ہیں

حق میں نہیں کبھی ہے اور غلطی سے آگاہ ہونے کے بعد جانے میں اس کا انکار کیا ہے۔ اگر یہ ۳ شعر حق میں ہو گئے تو لٹو پہلیں کی تعداد اشعار غزل بھی ۳۷۰ ہو جاتی اور اس لحاظ سے کل شعرا ۲۰ تک پہنچ جاتے۔

حق کے اشعار کی یہ تعداد لٹو رام چور سے ۲ کے بقدر اس لئے بڑھ گئی کہ لٹو پہلیں میں ایک غزل کے ۲ شعر ایسے ہیں جو لٹو رام چور میں صرف سے ۱۸۲ نہیں ہیں اور چونکہ یہ لٹو ۱۸۳۸ اور ۱۸۳۳ کا مرتب ہے اور یہ شعر ۱۸۵۰ اور ۱۸۳۳ کے گنگوہی کے لئے ہیں اس لئے ان کا حق لٹو رام چور میں ہونا کسی طرح ممکن نہ تھا۔

ان اشعار کا آکر خصوصیات لٹو پہلیں کے تحت آتا ہے۔

زمانہ قرطبہ

اس نسخے میں غالب شاہ غریبی اور علی بلور غریبی کبھی پہلی غازی تقریب بھی پائی جاتی ہے۔ تقریب کامل ٹایف صحیحہ ہے جو تاریخ ۱۸۳۸ء سے شروع ہو کر ۱۸۳۹ء کے تاریخ ہی پر ختم ہوتا ہے۔ حق میں لکھی کوئی نظم موجود نہیں جو اس سال کے بعد لکھی گئی ہو۔ قضا یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ یہ اسی سال کا مرتب لٹو ہے۔

ایا یہ وہی اصل لٹو ہے غریبی تقریب کے ساتھ پہلی بار لکھا گیا قدس کا وہ لب صبری و اہست میں "ضمی" ہے۔ کیونکہ اس میں اس قسم کی لفظی غلطیاں ہیں جو غریبی کو برداشت نہیں کرنا چاہئیں لیکن یہ ہے اس کی نقل اور نقل میں صبری و اہست میں میرزا صاحب کے حق و دست نے کئی جہی جن کے بارے میں انہوں نے اپنے لورہ غزلوں میں جگہ جگہ لکھا ہے کہ وہ میرزا کام حق کرتے رہتے ہیں۔ یعنی صحت میرزا اس خیال کی بنیاد اس صرح ہے جو اس میں ثبت ہے اور میں میں "تقدیر لہریں میرزا" لکھا ہے "کیونکہ صحت میرزا کا بڑا نام یہی تھا اس کی تائید انہی کے مہر و دست سے ہوئی ہے۔ اس طرح کہ یہ لٹو نے شعر وہی حالتوں پر اضافہ کرنا رہا۔ بالکل میرزا

صاحب کے کام کو بیع کرنے کا طریق یہ ہے کہ

مذکورہ بالا امور کے تعلیم کر لینے کے بعد یہ لوگ باطنی ترتیب میں لوگوں میں ہر قسم کے بعد آتا ہے کہ لوگوں میں ہر قسم کی فتنہ کی قیادت ہے اور اس میں وہ نئے شعریں کو لوگوں میں ہر قسم کی خصوصیات کے تحت آئندہ کر رہے ہیں۔
خصوصیات:

اسی لحاظ سے کہ صورت کی ہی '۱۵' ۲۵

قصہ : اس میں پلے دسم لفظ کے مطابق اعراب و محروف کا طریقہ بیان کیا ہے۔ چنانچہ ”کو“ ”کیا“ ”کہ“ کو ”لو“ ”کھا“ ”کا“ ہے۔ کی
جگہ ”نے“ ”کو“ ”تھیں“ (وں) ”نہ“ اور ”آں“ بھی لکھا ہے۔ کھڑوا کو ایک حکام پر کھڑا لکھا ہے جو اسی لفظ کا ایک اسم ہے۔
پتا : اس میں دو شعر حکم فقروں سے لائے گئے ہیں، اور وہ یہ ہیں: ”اگر ہی شمر سلیمہ جنت“

میرے لئے کوئی اور بھی کیا کرتے تھے

میرا ایک شعر ہے: "میرا رونا رکتا ہے"

4 5 6 7 8 9 10 11 12 13 14 15 16 17 18 19 20 21 22 23 24 25 26 27 28 29 30 31 32 33 34 35 36 37 38 39 40 41 42 43 44 45 46 47 48 49 50 51 52 53 54 55 56 57 58 59 60 61 62 63 64 65 66 67 68 69 70 71 72 73 74 75 76 77 78 79 80 81 82 83 84 85 86 87 88 89 90 91 92 93 94 95 96 97 98 99 100 101 102 103 104 105 106 107 108 109 110 111 112 113 114 115 116 117 118 119 120 121 122 123 124 125 126 127 128 129 130 131 132 133 134 135 136 137 138 139 140 141 142 143 144 145 146 147 148 149 150 151 152 153 154 155 156 157 158 159 160 161 162 163 164 165 166 167 168 169 170 171 172 173 174 175 176 177 178 179 180 181 182 183 184 185 186 187 188 189 190 191 192 193 194 195 196 197 198 199 200 201 202 203 204 205 206 207 208 209 210 211 212 213 214 215 216 217 218 219 220 221 222 223 224 225 226 227 228 229 230 231 232 233 234 235 236 237 238 239 240 241 242 243 244 245 246 247 248 249 250 251 252 253 254 255 256 257 258 259 260 261 262 263 264 265 266 267 268 269 270 271 272 273 274 275 276 277 278 279 280 281 282 283 284 285 286 287 288 289 290 291 292 293 294 295 296 297 298 299 300 301 302 303 304 305 306 307 308 309 310 311 312 313 314 315 316 317 318 319 320 321 322 323 324 325 326 327 328 329 330 331 332 333 334 335 336 337 338 339 340 341 342 343 344 345 346 347 348 349 350 351 352 353 354 355 356 357 358 359 360 361 362 363 364 365 366 367 368 369 370 371 372 373 374 375 376 377 378 379 380 381 382 383 384 385 386 387 388 389 390 391 392 393 394 395 396 397 398 399 400 401 402 403 404 405 406 407 408 409 410 411 412 413 414 415 416 417 418 419 420 421 422 423 424 425 426 427 428 429 430 431 432 433 434 435 436 437 438 439 440 441 442 443 444 445 446 447 448 449 450 451 452 453 454 455 456 457 458 459 460 461 462 463 464 465 466 467 468 469 470 471 472 473 474 475 476 477 478 479 480 481 482 483 484 485 486 487 488 489 490 491 492 493 494 495 496 497 498 499 500 501 502 503 504 505 506 507 508 509 510 511 512 513 514 515 516 517 518 519 520 521 522 523 524 525 526 527 528 529 530 531 532 533 534 535 536 537 538 539 540 541 542 543 544 545 546 547 548 549 550 551 552 553 554 555 556 557 558 559 560 561 562 563 564 565 566 567 568 569 570 571 572 573 574 575 576 577 578 579 580 581 582 583 584 585 586 587 588 589 590 591 592 593 594 595 596 597 598 599 600 601 602 603 604 605 606 607 608 609 610 611 612 613 614 615 616 617 618 619 620 621 622 623 624 625 626 627 628 629 630 631 632 633 634 635 636 637 638 639 640 641 642 643 644 645 646 647 648 649 650 651 652 653 654 655 656 657 658 659 660 661 662 663 664 665 666 667 668 669 670 671 672 673 674 675 676 677 678 679 680 681 682 683 684 685 686 687 688 689 690 691 692 693 694 695 696 697 698 699 700 701 702 703 704 705 706 707 708 709 710 711 712 713 714 715 716 717 718 719 720 721 722 723 724 725 726 727 728 729 730 731 732 733 734 735 736 737 738 739 740 741 742 743 744 745 746 747 748 749 750 751 752 753 754 755 756 757 758 759 760 761 762 763 764 765 766 767 768 769 770 771 772 773 774 775 776 777 778 779 780 781 782 783 784 785 786 787 788 789 790 791 792 793 794 795 796 797 798 799 800 801 802 803 804 805 806 807 808 809 810 811 812 813 814 815 816 817 818 819 820 821 822 823 824 825 826 827 828 829 830 831 832 833 834 835 836 837 838 839 840 841 842 843 844 845 846 847 848 849 850 851 852 853 854 855 856 857 858 859 860 861 862 863 864 865 866 867 868 869 870 871 872 873 874 875 876 877 878 879 880 881 882 883 884 885 886 887 888 889 890 891 892 893 894 895 896 897 898 899 900 901 902 903 904 905 906 907 908 909 910 911 912 913 914 915 916 917 918 919 920 921 922 923 924 925 926 927 928 929 930 931 932 933 934 935 936 937 938 939 940 941 942 943 944 945 946 947 948 949 950 951 952 953 954 955 956 957 958 959 960 961 962 963 964 965 966 967 968 969 970 971 972 973 974 975 976 977 978 979 980 981 982 983 984 985 986 987 988 989 990 991 992 993 994 995 996 997 998 999 1000 1001 1002 1003 1004 1005 1006 1007 1008 1009 1010 1011 1012 1013 1014 1015 1016 1017 1018 1019 1020 1021 1022 1023 1024 1025 1026 1027 1028 1029 1030 1031 1032 1033 1034 1035 1036 1037 1038 1039 1040 1041 10

پہلے سے ہم پر ہوا کے

انہی اچی بہ اس فکر سے گزری تھیں

ہم بھی کیا بد کسی کے کر جا رکھے تھے

بعد کے نسخوں میں غالب نے صرف مطلع پر قزاق دکھا اور پہلے جہازوں شعر حذف کر دیئے۔ جہاں تک شعروں کی غزلی کا تعلق ہے اسے اندازِ بیان و طرزِ فکر دونوں کے لحاظ سے یہ دیکھنے کے قابل تھے لیکن پھر بھی انہیں کثرتِ دینے کی وجہ سے اس کے لیے اور کچھ معلوم نہیں ہوئی کہ ان کی موجودگی مطلع کے مضمون کو سمجھ کر دی گئی ہے اور صرف مطلع وہ شکایت کی تھیں نہ ہونے کے باعث کوئی دھم کبیر دیتا ہے۔

۴۳ اس کٹے می تقریباً ۳۳ شعر ملاحظوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں اس کی علامت ہے کہ یہ قریب نو کے بعد کے کٹے تھے اس امر واقعی سے پہلے یہ بات مستند ہوئی ہے کہ کٹے کا قائل غالب کے کسی قریبی دوست یا عزیز سے تھا یہ بھی پتا چلی جاتا ہے کہ وہ اشعار (سوائے دیکھتے ہیں) غالب کے شعروں کے) کو اپنی اشعار سے کس لئے لے رہے تھے یہ بات دیکھ کر ہے۔

۱۔ یہ ہم جو غرض قرار دے کر لکھتے ہیں اس غرض

وہاں اس کو ہل دی ہے تو پاؤں میں ہوں فرسار و طمر

۴۔ دی سٹی کے پتوں کے لیے پورے شہر

۴۔ تاہم کوئٹہ کی بھی بقی درجہ جاۓ

ہم صرف کوئے بھی گویا نہیں کرتے مگر

۱۔ اگر وہ کسی اور شخص کے لئے ہے تو

مکمل طور پر محفوظ رکھیں۔

وہ بھی کہہ رہے ہیں کہ اگرچہ ان کے پاس اس وقت بھی وہی قیامت کا خوف ہے مگر اب ان کے دل بدل چکے ہیں۔

۱۰۔ میں نے اس وقت اولاد نہیں دیا

ان اشعار میں پہلے چھ شعر رام چور کے قدیم نسخے کے متن میں موجود ہیں۔ چونکہ وہ نسخہ خود کے تخریج ذیل نظر آئے ہیں۔
اس لئے میری رائے میں یہ کتب نسخہ کا مسودہ جس کی جانچ میں بھیج کر دی گئی ہے اس میں سے ہاتھ نہ لگائی کہ رام چور کے نسخہ
ضمیمہ کی طرف توجہ نہ کیے۔

دور ۱۰۔ کتب میں سے

ہم کتب سے اگر حسن نہ ہوا تو

اس نسخے کے متن میں بھی نہیں ہے بلکہ یہاں جانچ کر لکھا ہوا ہے جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۶ء کے
درمیان کسی وقت لکھا گیا ہے۔

آخر میں غالب کی مذکورہ بالا دہائی کی تخریج کے متعلق اپنی تحقیق بھی عرض کروں اس کا چھوٹا حصہ یہ ہے:

چھوٹے شب قدرہ دہائی ۱۰

اسی مصرع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سہ ماہی میں بھی بعد مسلمہ سے متعلق ۱۰ کے چھوٹے شب قدرہ مسلمہ ہے کہ دہائی ۱۰ کا تک
کی آخری کسی تخریج کو ہوتی ہے کہ شب قدرہ چھوٹا ہوتا ہے اور شب قدرہ عام طور پر رمضان کی ۲۷ تخریج کو تسلیم کی جاتی ہے۔ اس
سور کے پہلی نظم نظم کی صورت تخریجوں پر غور کیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ بعد مسلمہ تخریجوں کا یہ ۱۰ دہائی ۲۷ رمضان ۱۸۸۵ء
مطابق ۲۸ تا ۲۹ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو ہوا تھا۔ لہذا یہ دہائی ۱۰ نومبر ۱۸۸۶ء کو یا اس سے ایک دہائی پہلے لکھی گئی ہوگی۔

اس نتیجے سے ایک اور نتیجہ بھی نکلا ہے اور وہ یہ کہ دہائی ۱۰ کا پہلا ایٹھ ماہ اپنا سہ ماہی کے اعتبار سے "شعبان ۱۸۸۵ء" مطابق
۱۰ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو ... چھوٹا ہوا تھا۔ لہذا اس قیامت میں مذکورہ بالا دہائی بھی داخل ہے۔ لہذا اگلے ۱۰ اکتوبر کے بعد چھوٹا
نام ہونا چاہیے اور اس صورت میں سہ ماہی کی تخریج کو کتبہ کتبہ نسخہ کی تخریج قرار دینا چاہیے اس خیال کی بناء پر اس سے بھی دہائی
ہے کہ سہ ماہی کا نمبر مضمون کی حدودی ترتیب میں شامل ہے۔ بدلاؤ نمبر کے ساتھ نہیں چھپا ہے۔ اگر یہ سہ ماہی کی کتبہ کے بعد لکھا
گیا ہو گا تو پہلا بدلاؤ نمبر صفحہ بھی دیکھا ہوتا جیسا کہ ملاحظہ ہوا کرتا ہے۔

اس سہ ماہی ۱۰ کی جانچ نسخہ دہائیوں غالب پر ہم کرنے والوں کے لئے دلچسپ بھی ہے اور نام بھی، ۱۸۸۶ء میں یہ نسخہ ملاحظہ میں
آئی ہے۔

غالب کا انداز گل افشانی و گفتار

مرزا احمد لغت میں غالب کی ولادت کی دوسری صدی کے آغاز میں بھی اس کے قلم کی بڑی اور اس کی شخصیت کی توانائی میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس اس بڑی اور توانائی میں ہے جو وہ غالب اشعار اور تصنیفوں میں غالب نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ وقت کی دشمنوں سے انکار ہے۔ غالب شاعری کی دنیا کا وہ منقہ آفتاب ہے جس کا لہجہ اس کے طبع سے بھی نہیں زیادہ بلند اور دلکش ہے۔ ولادت غالب کو اپنی کوئی پرکھ کر اسے سدا کے لئے کمر قرار دے چکا ہے۔ قلم کی ان غیر ملکی خصوصیات میں شامل ہو چکا ہے۔ جو قیمت تک قابل سے نا آشنا رہیں گے۔

غالب کے قلم کی اس اہمیت کے سبب چند ہی مگر سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ وہ خیال و افکار دونوں میں بڑی تکرار ہے۔ ایک ایسے دور میں پیدا ہوا جب معاشرے کا فکر عبور اور عقل کا نظارہ ملتی ہوئی تھی۔ جتنی چاہی تھیں۔ لوگ نئی بات سوچنے سے بے پروا نہ تھے۔ جیسے سوچ بیٹھے تو دین پست جاننے لگی اور آسمان لوٹ چلے گئے۔ انھوں نے اپنے دل و دماغ اور ہمدردی و مہمت پر چند فرسوں و مہمات کے خول چڑھائے۔ انھیں شاعری میں غالب نے روایتی کائنات کو اپنے آپ میں غرق کرنے کی بجائے اسے صرف غیر معمولی قابل اور عقلی قوتوں کے مالک ہی کو سمجھا دیا۔ غالب نے اس منصب کو پورے حسن و وقار سے ادا کیا۔

انہیں تو سے ادا ملے کہیں چ ادا
حلقہ بیک تھیں ہے قوموں کی زندگی میں

غالب ایسے ہی تھیں وقت میں پیدا ہوا۔ جب قوم نے طرز کس کو اپنے چہرے سے لگا دیا۔ اور انہیں قومی دھبے میں بچنے کے بارے میں اس کے دماغ سے نکل رہی تھی۔ اس عالم میں قوموں کو انہیں قومی آکھوں میں انھیں ڈالنے کی نصیحت دینا کاشم کی کے لئے بھی تھیں جو سکھانے کے سبب بھی منصب کسی شاعر کے سپرد ہو اور پھر اس شاعر کے ساتھ سپرد ہو کہ قلم کے تمام عناصر کو بچھ کر دیکھ کر اسے تو بھلا کر ہم قلمی دانشمندی مسلم ہونے لگا۔ غالب کو اس دانشمندی و صورت قلم سے نفرت تھی۔ اور وہ اس سے اپنی فطرت و عظمت و نزاکت کے ساتھ لڑتا کہ جن میں اس کے عقل کے ایک سادہ پس بھر بھی بہت کم اس کی خدمت میں خزانہ حقیقت چھل کتے ہیں تو یہ اصحاب قدم قدم پر اسے دماغ میں گھیر رہا ہے کہ ہم اس سے چار اضعاف نہیں کر رہے ہیں۔ کسی شخصیت کی شخصیت میں بہت افکار پرواز ہونے لگیں تو یہ اس کی شخصیت کی بے چینی اور بے گنجی کا ثبوت ہے۔

غالب ایک عظیم شاعر ہیں۔ وہ نے کافی اچھی شاعری کی ہے کہ عقلی تشعب کا انداز میں اور قریب غالب کے انداز شعور میں سمٹ کر آتا ہے۔ لیکن اس تشعب کا انداز طبعی بھی ہے مگر وہ ان عظیم اہل علم و ادب کے خطوط ہیں جو اسے ملے بھی جاتے ہوئے دیکھ جاتا ہے جو اسے حد کے قریب ہیں۔ ان میں غالب مسلمان برصغیر کی تاریخ کے ایک دور ہے جو گزرا ہے مگر تازہ طرز کے اس سرے سے وہ حیران و سراپا نہیں ہے۔ ان کے کام میں صرف جذبہ اور وہاں ہوتے تو ممکن ہے وہ اختیار و دل دیا مگر وہ اور شاعری کا پیدا شاعر تھا جس نے عقل و دماغ کی نئی عین کی۔ جب کوئی شاعر کے کہتے

عالم کو چاہیے ہر رنگ میں دا ہوا

وہ اس کے لیے کہ کلمہ نہیں ہو سکتی یہ "عالم کا دا ہوا" خود شعری کیلئے باطن کی بڑھتی کتاب سے پہلے توہماری شعری پر اس دھن کا پیم لونا تھا جو طلب دیکھنے کی حد تک جیتیہ ہزار رنگ خود ہی ہے مگر میں نے اگلے ہی خود شعری کی صورت اختیار کر لی تھی کتاب نے در صرف خود ہی پر پیم کثرت کی بلکہ اپنے لیے کے لیے ہر اسے ایک حسی سے گراستہ کیا اور میں خود کا پہلا خود منہ صاحب داخل اور تھیں یہ شعر قرار پڑا۔

اسے جسے کام کے لئے اس کے پاس جو زبان تھی اس کے الفاظ مدام مل جب ایک سے معلوم میں استعمال ہونے کے باعث ہے بلکہ وہ بچے تھے۔ الفاظ کے معنی کی اس یکسانیت اور یک رنگی نے غالب کو در صرف نے الفاظ کی تلاش پر کہہ دیا کہ مروجہ الفاظ کی سے مناجم سے آراہن میں اس کا مشعر شخصی ہیں اس نے پہلی قری خود کو توڑا نہیں پہلی خود ہی نظم کی اور میر تقی میر کے بعد ایک بار بار آمد کی دکان میں نے الفاظ اور ہر اسے الفاظ کے لئے سے معلوم کا یہی طعن دہانے لگا، انہی میں کے الفاظ سے صراحت سے بارے تھے غالب کے ہاتھوں پہلے ایک فقہ کے "محبوب حق" سے مراد ہوئی اور جو شعری سڑک پر دوڑا کرتے ہیں۔ اور "محبوب حوا" کھلا ہے۔ "کے کلمہ میں جتنی ہوئی تھی غالب کے قلم نے سے کہہ دئی گئی کہ شعریں صدی کے نصف آخر میں تھیں، ہر سیر کی دا فرسنگ کا ایک دور اس کی یاد کر نہیں پاتا۔

غالب کو بھی اپنی اس جہانگاہی کا دور اس حاصل تھا اس نے تو وہ جسے دوسرے سے کہتا ہے کہ۔

کعبہ معنی کا قسم اس کو کھینچے

جو تھا کہ غالب مرید اشعار میں آگے

اپنے اشعار کے ایک ایک لفظ کو کج معنی کا قسم قرار دینے میں غالب نے شعراء کو نہیں دیا کہ ایک ایسی حقیقت جان کی ہے جس کا اعتراف بڑا دلیلی علی ظم نے کیا ہے۔ ہر کسی قویہ ہے کہ ہم نے غالب کا وہ شعر میں بری پہلے پڑھا تھا وہ شعر کج پڑھیے تو اس کے الفاظ پڑھ کر معنی سے لڑنے نظر آئیں گے غالب اس کے توڑا نہیں دیا تاکہ اس کا ہر لفظ اس کی عقل کو کھڑے کرے گا یہ غالب سے اختلاف تو اس کے بعد کے بھی شعرا نے کیا ہے مگر باقی تک کسی نے "شکوکوں کھلا ہے" کے مدح کی باقی نہیں کسی بھی دیکھی کہ محبوب کی "معنی ہائے دراز" کے دیکھنے اس اشعار میں تھا تھا الفاظ کے اس لحاظ میں معنی کا وہ مصدر غامض بنا دیا ہے خود میں طعن ایک معلوم کی مر کے خود "دوسرے معلوم کی مرید" کو کہلایا کا سفر لے گئے تھے ہے تو یہ غالب ہی کا حصہ ہے۔

مروجہ الفاظ کو لے معنی کا سیریل بنانا یا غیر ہر اس الفاظ کو شعری زبان سے حریف کرنا شعری قوت کمالی کی سہ کڑی تھا پہلے ہے۔ شعرا اگر جو مدت صرف اس کے دوا دیکھتے ہے کہ وہ اپنے ہم صوبوں سے حریف نظر آئے تو وہ محض فطرتی کا ظہور کہ وہ دیا ہے اور اس کے فنی الغیر پر یہ الفاظ پہلے کی صورت میں گر گراستہ بنی دیتے ہیں اور صاحب پہلے پہلے تھیں اور اس مدت کا مشعر ذلیل معنی جو میں اگر شعرا کا دیا ہے وہ کہ وہ الفاظ کے سے حاکم کی در سے بدلتی تھی کے انہی کو دیکھنے سے زیادہ سمجھ کر گئے تو اس کی یہ مدت پہلی ایک قہری اور فطرتی کمال تھا کرتی ہے خود وہ محض اپنے دور ہی پر نہیں بلکہ نسلوں پر بھی کر دیا ہے غالب کے بدست میں کسی نے باطن اور دست کہا ہے کہ اس کے ہاں خیال کی بارگاہی ہے مگر یوں کی بارگاہی نہیں "ہر ایک اس لئے ہے کہ غالب تھا کہ کہ اس پہلے سے استعمال کرتا ہے اور صراحت میں اس کی شہت انہی صاحب ہوئی ہے کہ اس پاس کے الفاظ میں اس کے سے معلوم سے بچنے دیک

مستحق کی طرف اپنی باتیں بچھا نہیں سکتا، اگر مستحق کی نفی کرے گا تو خود ہی باطن کا صدمہ بن جائے گا۔ چنانچہ ایک دانشور اور مذہب انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ باطن کے تجربات سے لاپرواہ نہ رہے۔ یہاں تک کہ وہ مستحق کو اپنے معیاروں کے مطابق احوالے کی سعی جاری رکھے۔ اس لئے تو غالب کہتا ہے۔

مد سے مل کر افسوس ہے غم تھا ہو
کہ چشم تک شیلہ کھڑکھڑ سے دلو

اصطلاح غالب کے ذاتی اور لائیکل رجحان کا طور ہے۔ غالب کی اصطلاح اس انداز نے دی کہ

ہے کائنات کو حرکت مجھ سے ملتی ہے
ہے تو سے آفتاب کے گروے میں جان ہے

اسے یہ یقین ہے کہ رب "راست دان گردش میں ہیں سدا آملی" تو ہر کیسے ممکن ہے کہ غیب کے ہر طور کا مرقع نہ آئے اور ہر طور شید سے شہتوں میں آئینہ خانے نہ ج جائیں۔ اس لئے تو غالب کا رب ایک مثبت رب ہے۔ وہ ہر چہ پائی تو لا کر دینے دیتے ہے
بجور کہنے والا رب ہے اور نہ بددلیت کے دھڑکوں میں بھٹکا دینے والا کہے اس رب کی پشت پناہی غالب کی عقل و دانش کے سپرد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب نے برصغیر کی تاریخ کے سب سے بڑے افسانے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بغیر بھی ہر نہیں جلی اس لئے
کئی گفت تسلیم نہیں کی۔

یہ درست ہے کہ وہ اس صورت حال پر اپنے غم میں وہ دہ دیا ہے۔ اپنی شادی میں اس نے اپنے رب کو پہانے کی کوشش نہیں کی اور یہاں تک کہ

دایہ زلف صبت شب کی غلی ہوئی
اک شمع نہ مکی ہے سو وہ بھی غوش ہے

اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ

ہے دل ہائے لڑکا نہ صبر ہے نہ دلی
ہے کسی ہائے فنا کہ نہ دلا ہے نہ دی

ہر لہ ہے نغمہ زہد دم سختی و ہم
تو ہے آئینہ فرق جان و نمکس

نعل سن ہر نماز عرش صورت
خس حق ہر چاند ازل صبر

حق ہے رعبی شیراز ازلے حواس
دمل دلا رہ آئینہ صبر یقی

کس نے دیکھا صبحِ اہلِ وفا آفتابِ نیر؟
کس نے پلا اڑا کر دھلتے حسین؟

مگر، ساتھ ہی یہ بھی تو کہتا ہے۔

آفتابِ کدو ہے سیدِ مزارِ پتلی سے
اے داسے فکرِ صحرایہِ اقلاد میں کوسے
اکھڑوں کی زلفیں سوکھ گئی پیاس سے یارِ پ
اک کلمہ پڑا دلی پہ خار میں کوسے

غالب کو اس کلمہ پا کی کہ کائناتیں خدا ہی نے اسے غضب اور قہر اور اقتدار اور حاکمیت کے کھڑکوں میں بھی بنے ایمان کی
پہلوئیں دکھائی دے گئیں

ایک لمحے کے لئے معرضِ کرکچہ کو غالب ایمان ہو گیا۔ محض ایک غمگینا شاعر ہو گیا تو تصور کیجئے کہ ہزار گزشتہ ایک صدی کا ادب کتنا
سہاگ تھا بھول ہو گیا۔ غالب ہی کی قدر اور شخصیت کا جہاز ہے کہ اداری شاعری، طبیعتِ انسانی کے اداری پہنے سے نکل کر مساکنِ حیات و
کائنات سے باہر آتا ہوئے گی۔ غالب کے بعد اس میں بڑے بڑی نے دل و بصر کی صورت میں جہان کے گی کو عشق کی کرنیں شاعری پہ
غالب کے اثرات اپنے سلی اور لڑائی نہیں تھے کہ غالب کے افکار کے چند ہی برس بعد نظم ہو چلتے۔ اقبال تک پہنچتے پہنچتے قدیم شاعری
نے حدت طرازی اور تکرارِ کلامی سے بہت سخت جنگ لڑی مگر اقبال نے اس شاعری کے دھجی اور دھاتی پہلوؤں کے عمل خاتمے کا اعلان کر
وا اور یوں اداری شاعری اور ادراکِ ادب وہ یکجہ بنے ہو آئے ہیں۔ اس صورت میں غالب کی شخصیت کو بچا سلا ہے۔

آج غالب کی وفات کے اتنے برسوں بعد بھی ہم انہی حقیقی سوالوں سے نمٹ رہے ہیں جو انیسویں صدی کے اس بے مثال
حیرتیں (GENIUS) نے اٹھائے تھے۔ حقیقی سوال حقیقی فکر کی پیداوار ہوتے ہیں ورنہ دماغی برداشتِ قسم کی فکر کو سوالوں سے کوئی
تعلق نہیں ہو سکتا۔ سوال دراصل اس قدر حقیقی کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب انہیں ان حقیقی سوالوں کے جواب
ہموئے نہیں ہیں تو انکشاف کے سے اہلِ فکر ہیں اور انکشافِ جدید و شریک ہے کہنے لگا ہے۔ اس ادب کی تاریخ میں شاعرِ غالب ہی
نے سب سے پہلے ان سوالوں پہ غور کیا تھا کہ

بہر تھو بن نہیں کوئی مسعود
نہر یہ بہا کہ اے خدا کیا ہے
یہ ہی چو لوگ کیسے ہیں
غزوہ و عشق و لہو کیا ہے
ظہن زلفِ حرمی کیوں ہے
کہ چم سرورِ ما کیا ہے؟

ہوا دھول کیل سے کسے ہیں
لوہ کیا جڑ ہے؟ ہوا کیا ہے

یہاں غالب ایک طرح سے ہندو آواز میں سوچ رہا تھا اور ساتھ ہی غریبوں کو قندہا قندہا کیل کے رشتے پر غور کر رہا تھا اور
اپنے قاری پر پکلی ہندو دلائل کر رہا تھا کہ

ہیں کو اکب بکے، نظر آتے ہیں بکے
دیتے ہیں دھوکا و ہازی کر کلا

ہاں کے اس الفاظ کا نتیجہ ہے کہ غالب کے افکار کے کوئی مضبوط میل ہمہ اقبال اپنے قاری کو مطلع کرتا ہے کہ

مسترد کیا میری تقدیر کی خبر دے گا
وہ نور فراخی خاک میں ہے خود انوروں

یہاں غالب دینی کے نور زندگی کے مسائل کو حل دیتا ہے اور ہندو اہمیت پرستی سے دامن چھڑاتا ہے کہ وہ تو ان میں مشعل و
دلائل کا فقر و مضبوطی کا شاعر ہے۔ اس کا موضوع بھی اس کا اپنا ہے اور اس کا انداز بھی اس کا اپنا۔۔۔ اور جب ہم آج اس کی غزل
سننے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ آج بھی ہمارے دو مہاں زندہ ہے اور بیسویں صدی کے نصف آخر کے لیے اور ہمارے میں ہم
سے ہم کلام ہے۔

ہوا ہو گیا ہے جیسے کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ سو پچیسویں صدی نیز دہائی بیس انتہائی بدترقی صدی بھی ہے ہم سب تک وقت نہ صرف چاندی طرف دلائل وار ہمارا دے ہیں بلکہ ہر وقت دنیا سے زیادہ بولنے اور اپنی آواز کو اپنے سے بلند کرنے کی فکر میں بھی ہیں۔ لہذا تنقید اور دلائل سے لے کر ہیئت ہوائی جہاز اور ہمارے ہر ہی ہم تنگ گولہ کے دائرے پھیلنے ہی چلے گئے ہیں۔ فقیر اور تہذیب کی رفتار اس قدر تیز ہے کہ ہر شے جنم دینے میں اپنی دشمنی دینے لگتی ہے چنانچہ ایک THROW AWAY CULTURE نمودار ہو رہا ہے جس میں فضیلت حرکت کی طرح اپنے رنگ بدلتے ہیں۔ یہ نیز دہائی تک وقت تیزی بھی ہے اور تیزی بھی۔ تیزی میں کہ اس نے صدیوں پرانے مادی اور مادی تعلیمیاتی نظام کو لڑا ہوا تمام کر دیا ہے اور اس کی پرشور اور سہ کا اظہار کے سامنے ٹھہرے مسلم اور چھٹی ہند کے ہند کی طرح ٹھہرے گئے ہیں۔ تیزی میں کہ دشمن کی نیز دہائی نے ہم سے پہلے کو فوج کر رہے ہیں کہ وہ اس کی طرف بھی تیزی تیزی آگیا اور کائنات ہندوؤں کا مطالعہ کر رہی ہیں۔ تعلیمات نے کائنات کو لڑا ہوا سچ کر دیا ہے کہ اس کا اور اک کرنے کی کو مشق کریں تو عقل کے بھی پر بل اٹھیں۔ حیاتیات کے مطالعہ نے خلیہ کی کونکہ میں ایک کائنات امیر کا مطالعہ کیا ہے بلکہ GENE-SPLICING یا RECOMBINANT D.N.A سے تحقیق کوئی ایک نیا باب کھول دیا ہے۔ فیلٹ نے فیزیکی اہم کے اہل میں از کر نہ صرف اس کے پورے ماضی کو طوطا اہم کرنے کی کو مشق کی ہے بلکہ شخصیت کے نونے ہونے اہم کو ہونے کی طرف بھی ایک قدم اٹھایا ہے۔ اس سب کے نتیجے میں انسان کو ایک نیا دماغ مل رہا ہے۔ گویا نیز دہائی کے ہاٹ نظریوں کے سامنے پیچے ہوئے تنگ کی درازیں کھلا ہو کر ایک کونکہ سی سی گئی ہیں اور اس کونکہ میں سے انسان کو ایک نیا جہاز مل رہا ہے اور ایک دینے لگا ہے۔ جدید اہم تک وقت پرانے جہاز کے اندام کا تحقیق بھی ہے اور اگرتے ہونے سے جہاز کا باہر بھی۔ وہ دہائی سے نہیں بھی ہے اور فقیر سے آگیا بھی۔ وہ اندہ سے آگ کر اپنی اقلیت کو بھی کھلا رہا ہے اور تحقیق طور پر دلیل ہونے کے ہاٹ اپنے اقلیتی دھپ کو بچانے پر بھی قادر ہے۔ اہل اہل سے میراثی کا انداز بھی ایک شامی کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے جس میں اس کا سارا باہر منفس ہو رہا ہو۔ غالب کی شامی جدید اہم کو اسی لئے عز ہے کہ اس میں اسے اپنی اہل اور نہایت "اقلیت اور اقلیت" اپنی تعلیمات اور تحقیق اہل ایک ایسے انداز پر گما رہا ہوئی ہوئی محسوس ہوتی ہے ہر اہل کو اہل تو کائنات شعور کے مقام تک بھی رہا تھا ہے۔

جدید اہم دو دنیاؤں کا نظم ہے۔ اس میں سے ایک دنیا تو وہ ہے جو ہم دم لمبے میں تبدیل ہو رہی ہے۔ جس میں سخت و ریخت کا فعل اس قدر تیز ہے کہ دنیا اور مظاہر کے علاوہ مادی اہل اور غرور نظری حلقہ میں ہی سہہ ہو رہی ہیں۔ لیکن "ایٹ" نے اپنی شامی میں اسے ایک "WASTELAND" کہہ کر پکارا ہے۔ دھپ کہ جدید انداز شامی میں اسے صحرا یا برف وار کے دھپ میں دیکھا گیا ہے۔ مغرب کے جہاز جسے فلسفی گریخ اہل (یعنی "پنگل" "کائنات" کی اور سو دہائی) نے اسے ذال مغرب سے موسوم کیا ہے اور یہ بلا دینے کی کو مشق کی ہے کہ انسان کی مادی تخلیق اہل اس جہاز کی دی میں ہے ہر انسان کے اہل میں کہیں چھپا بیٹا قلب غالب کے دہانے میں جب مادی اہل کے مطالعہ "مکرم" "مکرم" "مکرم" برقرار اور ذہنی دہائی دہائی کم قس تو شامی میں کہیں دہانے لیز کے آثار کا نظر تافریز قاس میں قلب دھپ اہل شعور نے اہل کے اہل نے کا ذکر کیا تھا مگر ایک پوری دنیا کے اندام کا مطالعہ کی تعلیم سے کو اہل قلب غالب وہ دہانہ منفس تھا جس نے بیسویں صدی کا پاس ہونے کے بعد پچیسویں صدی کے دہانے لیز کے اہل کے اہل ہونے میں کو دیکھا اور ہمارا اس کہنا کہ صورت حال کو اپنے اہل میں سونا چاہ گیا۔

ب میں ہوں اور نام یک شعر کہو

۱۱۵ ہر قولے تیز عقل دار کا

مگر طراغ نہ دھتے بھی تو وہاں ہوا
مگر گر گر نہ ہوا تو چٹیاں ہوا
وہ میں ہے رقتِ عمر کب دیکھنے آئے
لے ہاتھ باگ ہے نہ ہاتھ دلب میں
نہ کل نظر ہوں نہ یہ سزا
میں ہوں اپنی قسمت کی نوا

قسمت کی نوا غصہ بھی ہوتی ہے اور لاف بھی اور لہجے میں ہر لمحے شعور کے ہاں ذاتی رخ کا شبہ کسی نہ کسی حد تک ضرور رہتا ہے۔ اور اس لیے کے جا میں اور جی نور ہے سو مطلق کے حاضر بھی ملنے آئے ہیں مگر م شعور کے ہاں لاف بھی رخ کی قسمت و ریت کا احساس ضرور رہا ہے۔ غالب اپنے حاصرین سے اس اعتبار سے اکی طرف ہے کہ اس کا دم لٹ کے اس حوالہ سے آیا ہے جو دنیا جیت کا گوارہ ہے اور جس میں پوری نسلِ بشری کے اندیشے اور سیریں کو خوب ہیں۔ چہ اذین کا تھکانی وصف بھی یہی ہے کہ وہ اذیت کے لافِ رخ سے متعلق ہو رہا ہے۔

مگر جیسا کہ میں نے کہا صوبی صوبی عقل تو لے اور روزِ روز ہونے کا شعر میں دیکھا وہی جگہ اس کی تحریک میں ضمیر کی ایک صورت بھی ضرور ہے۔ تخلیقِ کاری میں بھی جب ایک رخ لڑتی ہے تو اس کے لیے سے ایک ہی نورِ حجاب رخ ہو جاتی ہے۔ صوبی صوبی کا وہی اس کی لافِ بشری و بشری کا شعر ہے اور غالب کے ہاں بھی چہ اذین کا یہ خاص اثر صاف نظر آتا ہے۔

ہوں مری لافِ خود سے فکر
میں صلیبِ گلشن کا تلخہ ہوں

غالب کے ہاں تو اصل بہار کا فرق اور گلشنِ واقفہ کی تکلف اس بات پر دل ہے کہ بے چارہ آدمیوں کے بددعا غالب اس حقیقت کے پس سے کتنا حرا ہو کہتے ہیں۔ دہی قہمی مگر آتے اس کے حاصرین کی آنکھیں دیکھنے سے قاصر تھیں۔ چونکہ صوبی صوبی کا وہی قسمت و ریت کی لافِ ہوتی گو میں سے آئے دانے دانے کی ایک تکلف پانے پر نور ہو گیا ہے اس لئے جب اسے گلشنِ واقفہ کے ہونے کا احساس شعری صورت میں گواہا ہے جیسا کہ غالب کے شعور میں آواز سے خود ہی طرزِ سیرجی کا احساس بھی ضرور ہوا ہے چہ وہ وہ میں غالب کی عظمت کی ایک اہم وجہ بھی ہے کہ اس کے شعور آج کے شعور کی ایسا طلب کو چا کر کہتے ہیں اور دم یہ دم بچھتے ہوئے آکل میں نہ سرب اس کا ساتھ دیتے ہیں بلکہ اسے کہنے والے لہجے کو بچھتے اور ہر اس تک پہنچتے ہیں، اگل بھی کہتے ہیں۔ چہ وہ سے گل کا کوئی بھی نہ سرا شعور آج کے وہی کو اس اثر میں جھکنے میں نہیں کر سکتا۔

صوبی صوبی جیسا کہ آپ پہلے ہیں چاہی اظہار سے ایک حقیقت فعل صوبی ہے۔ اس میں لافِ نکل سے بھی زیادہ لاف کے اس پرانے کو حقیقت حاصل ہے جسے اظہار کا نام لا ہے۔ اظہار کا نام یہ ہے کہ آپ چاہیں، مان چاہیں، ہر گج سلی دنیا کو آپ کی دلیلیں لا کر کرنا کرتا ہے۔ یوں کہ دنیا کے ہر ترین گوشوں میں بھی کوئی دھڑ دھڑا ہو تو اس کی دھک آپ کو اپنے گھر کے دروازے پر محسوس ہوتی ہے۔ صوبی صوبی کا نور ہر قوی و دلگیروں کے چہرہ اپنی میں افواہی حقیقت میں ضرور ہو رہا ہے اب اسے دلا کا شری WORLD CITIZEN کہنا شاید زیادہ سوزوں ہو۔ یہ شری اجتماعی حساس باختر اور پاک پنچکے میں بات کی نہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چونکہ

آج کا شعر بھی بیسویں صدی کا پای ہے غالب اس کی شاعری میں بھی مدح مصر کو نہیں ملتی ہوئی صرف نظر آتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج کا قاری بھی اس کے شعور کی بجلی سے بجلی کوٹ کر گرفت میں لینے پر قادر ہے "علم عقلم کی ہمت ہے کہ مظاہر میں وہی شعر سب سے پہلے نور سب سے زیادہ مقبول ہوتا ہے اور بین السطور بعض سیاسی یا ملکی کرداروں کی طرف اشارہ کرتا ہے" کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جدید شاعری سیاست زدہ ہے بلکہ صرف یہ کہ اس میں وہ ذہن اپنا اظہار کرتا ہے وہ مدح مصر سے آشنا ہوتا ہے نسبتاً۔ شعر میں ایک ایسی سچائی ہو چلی ہے کہ ایک وقت نور اور معاشرے کی ہلکے لوہوں کو متفکس کر رہی ہوتی ہے بیسویں صدی کے اس خاص دور میں کا ذکر چوں ہوا کہ غالب کے ہاں بیسویں صدی کا پای ہونے کے باوجود یہ دوسرا دور کیا عقد ہے شک بیسویں صدی میں بھی سیاسی سچ کے حدود واقعتاً دو گنا ہوئے اور ان واقعات کی تصویر کے لئے بعض انقلابات نے بھی جنم لیا۔ لیکن وہ شے جسے "سیاسی شعور" کا ہم دینا چاہئے۔ یا وہ احساس ہو "کونیا کا شہر" ہونے سے جنم لیتا ہے غالب کے دماغ میں کسی فکر میں ایک۔ خود غالب کی عام زندگی میں بھی انگریزی گولڈنری سے بدعت یا بدشاہت کے قصور سے الخراف کے شاہد دکھائی نہیں دیتے۔ اس سب کے باوجود جب غالب کے اشعار کو چمکا جائے تو ہماری کو فوراً "اس احساس ہوتا ہے کہ وہ بیسویں صدی کے وسط میں رہنے والے کسی شخص کا کام نہیں چاہ رہا بلکہ بیسویں صدی کے ایک سماں نور یا شعور نور سے متعارف ہوا رہا ہے مثلاً۔

کیا کیا شعر نے سکھ سے
لب کسے رہا کرے کوئی

بکہ تو دے لے شک تا اصف
کہ دنیا کی رخصت ہی سی

پتا ہوں تھوڑی دور ہو اک تیر دوسے ساتھ
بچاؤ نہیں ہوں ابھی رہبر کو میں
دلہ حد میں اس کے ہے کو تو اٹھ
بہیں کے اور سترے لب آہل کے لئے

دلت دن گردش میں ہیں سات آہل
ہو رہے گا کہ نہ کہ گھبراہٹیں کیا

اپنے مزاج اور لہجے کے اعتبار سے غالب کے یہ اشعار بیسویں صدی کے اشعار ہیں اور ان کے ہماری کو چمکی طرح ملنے کی بجائے بعض اوقات تو چوں لگتا ہے جیسے ہماری جدید غزل غالب کے لہجہ "ہمت اور مزاج سے جڑا ہے اور اس فن کی غزل میں "دہر" "دھن" "سلا" "دھن" "غم" "مگر اور غزل وغیرہ اشعار کے لئے خاص ملالیم زیادہ درست غالب سے آئے ہیں مثلاً فیض کے کام کو لکھتے ہو گھرے سیاسی شعور کے لئے ہمت منظور ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ فیض کس حد تک غالب سے جڑا ہے "اس ہمت سے قطع فکر کو ان کے وہ جملوں میں "فصل فریادی" "نور" "دست و سنگ" کے نام تک غالب سے مستعار ہیں "اپنے حدود اشعار میں بھی فیض نے غالب سے استفادہ کیا۔ مثلاً فیض کا ایک مصرع ہے۔

نور بھی دکھ ہیں دماغ میں میت کے سوا

نور غالب کا تصور ہے ۔

جیسے سوانحی ہم پہست سے قسم ہوئے

اسی طرح فیض لکھتے ہیں ۔

ملاح طرح و غم بھی گئی تو کیا تم ہے
کہ طوں دل میں ڈال لی ہیں انگلیاں ہم نے

نور غالب کا شعر ہے ۔

دو دہل گھوڑوں کب تک ہڈیاں انگو دکھلاؤں
انگلیاں انگو اپنی خند ٹونچوں اپنا

مخصوصاً غالب نور فیض کا لفظی ہرگز نہیں بکڑھل اس بات کا اہتمام ہے کہ غالب کے کلام میں ایک ایسا ذہن کار لیا نظر آتا ہے جو سوویں صدی کے ذہن کا جوش دکھلا سکتا ہے۔ غالب سیاسی مصلحتات میں نہیں ملوثی مصلحتات میں ابھی غلبا ہاضور ہے اور گہری افسانہ سے تو وہ سوویں صدی سے پہلی صد تک ہم آہنگ ہے ۔

ہے کوئی بجانے نور اک صخرِ خیال
ہم دامن کھینچے ہیں غلط ہی کیوں نہ ہو
بسکہ دشوار ہے ہر کلم کا آسماں ہوا
کوئی کو بھی ہر قسم آسماں ہوا
خیال کے گدھدار پہ ہیں بندہ ہائے گل
کہتے ہیں جس کو صحنِ عقل ہے دہانہ کا

مگر غالب کا دماغ صبر سے مزین ہوتا اس بات پر دہلی ہرگز نہیں کہ وہ ملاح کا بیخ مصل ہے وہ اصل انانیت کے ابھی وہ پہلو ہیں ۔ ایک یہ کہ نور فیض کا جوش ہائے صبر اس صورت میں لگے گی کہ وہ انانیت جنم لیتی ہے جس کا نتیجہ نے انتہائی عمارت سے ڈاکر کیا ہے وہ سری صورت یہ ہے کہ نور اپنی ذات میں صخرِ انانیت کا موزون حاصل کرے اور یہاں انانیت سے لیے انگو کر اپنی انانیت کا احساس دہانے سونپا کے ہیں انانیت کا یہ کہ ذات کل سے تسلسلہ کا اور ہے۔ یعنی وہ اور جب جڑ کو اپنی انانیت کا موزون حاصل ہوا ہے۔ مگر غالب صوفی نہیں ہے۔ غالب کی انانیت ایک تخلیقی کار کی انانیت ہے یعنی وہ انانیت کو مس تو کرتا ہے مگر اس میں ضم نہیں ہوتا۔ اسے کسی بھی قسم کی دوا میں موہنا نہ نہیں۔ زندگی کا مسئلہ وہ دامت کا غالب کا اسلوب اور دہانہ وہ سوویں سے آگے نور ہوا ہے۔ یہی تخلیقی انانیت سوویں صدی کا اثر نہیں ابھی ہے جس کا انگو کے ساتھ زندگی کے دوسرے شعبوں میں مظاہر اب ہائے جانے پر ہونے لگا ہے۔ غالب کے ہاں انانیت ذات کا اہتمام نہ ہوا ہے ۔

وہ دہانہ ہم ہیں کہ ہیں دو تہاں خلق اسے شعر
نہ تم کہ چار چار چار چار چار کے لئے

لازم نہیں کہ شعر کی ہم جلدی کریں
ہا کہ آگ بزرگ ہمیں ہم سڑ لے

ایک خاص بات تو غالب کو اپنے زمانے سے بلند اور جدید ذہن سے قریب تر کرتی ہے اس کی جس مزاج سے مزاج غالب کے دور میں بھی تھا لیکن اس نے زیادہ تر پختہ "نہو" طبع و تہذیب یا عقلی بازی گری میں طوط کو لٹا لیا کیا تھا اور وہ شے جسے شمس کے خطے میں پروفیسر عید احمد خان نے لافٹ اور پائیزنگی اور مسئلے "ماہی" "ہر جی" "ہر دلی اور ہر دلی کی شبن" کہا ہے غالب کے زمانے میں بھی ابھی ابھی نکلی تھی۔ دیکھئے بھی ہمارے ادب تک پہنچے ہمارے مسائل میں آگے بڑھنے کا خطہ ابھی ایک دہائی کے قدم اور غزل ہی کو دیکھئے جس میں سچا، شعور کے عین درمیان زہد یا شیخ کی شبن میں آپ کو ایک تودہ ایسا طبعی شعر ضرور مل جائے گا جو پوری غزل کے مزاج سے لھکا "عقل ہو گد اسی طرح تاری پختہ عین میں مزاج عین پوری نظم سے اگل اگل دھنکی دیتے ہیں۔ اس بصورت پختہ کے جس کی توصیف یہ بھی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہمارے ہاں صدیوں کے معاشرتی عمل سے زیادہ تر شعور و ادب لاکو تحریک ملی مگر وہ شے جسے انسانی اہمیت کا نام ملتا چاہئے اور جو عام شعور میں ایک لورلی لورلی طرح سرایت کرتی ہے ہمارے ہاں پوری طرح ابھی نہیں پائی۔ لیکن بیسویں صدی میں اس ذہن لب سحرانیت کے آثار چھٹا ٹھہر آ رہے ہیں جو بعض اوقات بجلی کی لہریں میں گھل کر ایک عجیب سی تعلات اور راحت کا مظاہرہ کرتی ہے اور ہمارے فکری لحاظ کے علاوہ عام شعور اور صوفی کے عام انداز میں بھی دھنکی دیتے گی ہے۔ مثلاً "کائنات کی یہ امرانیت کو جی شربت سے محسوس کرتے ہوئے ایک مشہور شاعر نے ایک بار کہا تھا:

THE UNIVERSE IS LIKE A GRIN ON THE FACE OF A CAT WHILE

THE CAT IS NOT THERE.

اور یوں مزاج میں ہر جی "ہر دلی اور ہر دلی کی ایک خواہشوں میں مل جی کر دی تھی۔ اردو کے شعرا میں غالب وہ واحد شاعر ہے جس کے ہاں مزاج کی یہ لطیف کیفیت اپنی صدی کی کسی اور مرثیہ کے ساتھ ابھی ہے اور بیسویں صدی کے ذہن کو اشیا اور مظاہر کی مختلف کیفیات کا احساس دلانے میں کامیاب ہوئی ہے۔ غالب کا عمل یہ ہے کہ اس نے اپنی عقلیت کا ہرچہ اور شعور میں کیا کہ اپنی بات کو نکار حصر فرما کر اور اپنے پہنچائی لفظی پھر سحرانے کی روش اختیار کر کے خود کو ذات کے شعور سے باہر نکال لیا اور یوں اس کشفی نظری کا مظاہرہ کیا جس کا چلن بیسویں صدی میں دوبارہ عام ہو رہا ہے۔

آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ جدید ذہن چاہتے ہوئے علوم کی وسعت سے کائنات کی ایک ایسی ہی سطح سے نکلا ہو رہا ہے جس کی کوئی حدیت نہیں ہے۔ ریاض و فزکس کائنات کی آخری قوس ہے دانش کی رفتار سے ذرا کم رفتار ہے باہر کی طرف چلتے ہوئے QUASARS کا احساس دنانے یا خود میں پہنچنے پر ان کے اہل علم میں ان کی GENE کی کائنات کو طشت انہیم کرے اور اردو کے ادبی میں انہیموں اور پہلوؤں کی بے حدیت دنیا کا شعر و کہانے کا نظم سامنے کے لوگوں کو شعر عام پر لائیں یا فکری شعور کے شعور کو مختلف کریں "تجہ ایک ایسے "ذہن" کی صورت ہی میں ابھی ہے جو بیسویں صدی کا وصف خاص ہے اور جسے کائناتی شعور COSMIC CONSCIOUSNESS کا نام دیا جا سکتا ہے۔ غالب کے زمانے میں بیسویں صدی کا یہ ذہن ابھی نمودار نہیں ہوا تھا مگر حیرت کی بات ہے کہ غالب کے ہاں ایک ایسا ذہن ہے کہ ابھی اس ذہن کا چلن وہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ غالب اب کہتا ہے کہ۔

ہے کمال فنا کا دوسرا قدم پارہ

ہم نے دشت انکس کو ایک عقل بنا چلا

ذہنوں سے پہلے یہ مجھ سے پہلے ہے کہ دہ آئے تو کی قوموں میں پوری کائنات کا اہل کیا تھا مگر غالب کہتا ہے کہ اس نے اپنا پہلا قدم دشت انکس پر رکھا ہے اور دوسرا قدم دیکھ کے لئے اسے کوئی جگہ ہی نہیں ملی رہی!

غالب کا سفر کلکتہ

”میر جانی ہاری غالب“ مرچ سید اکبر علی نقوی - خطوط کا یہ مجموعہ ۱۹۳۹ء میں غالب سہری کے مرتب و شائع ہوا۔ غالب کے خطوط ہاری میں ”مگر ترقی مناسب نے پہلے اور بعد انگریزی میں بعد میں نے پہلے“ کا قیاس خود کا قیاس اس طرح کیا ہے کہ معلوم واضح ہو جائے۔ خطی قلم نہیں بلکہ مسلسل مضمون معلوم ہو۔ حوالے اور حواشی بھی نہیں دئے گئے ہیں۔“

غالب کے ہاری خطوط کا ایک پہلا دور دو سو دو خطوط رہ گیا ہے جو اب شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ خطوط شعر کے سطر شکستہ کے بارے میں ایک ایسے مطالعہ کی تشکیل کرتے ہیں جو اب تک معلوم نہیں تھا۔ یہ سطر غالب نے اس لئے کیا تھا کہ ان کے مرحوم چچا مرزا نصر اللہ بیگ خان نے جو پٹنہ وراثت میں چھوڑی تھی اسے درست کرانیں اور اپنا حق ثابت کریں۔ اصل میں یہ مجموعہ اپنی اپنی زبان ہے لیکن درست اور سچ کے غالب پر جو اثرات مرتب ہوئے ان پر روشنی ڈالتا ہے اس مجموعہ سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے دماغ پر کچھ اور کچھ کس طرح سے اور کچھ جیسے اور ان کی شعری میں یہ حد لپٹائی کر دیا گیا۔

(۲)

اس مجموعہ کو فتح چاغ میں مطالعہ کے لئے لیا جاتا ہے کہ غالب خدا نکلتے کے چلے شائق و شوقین تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں محبوب لہو کو اپنی کہلی جاننے کی عادت تھی۔ اس کہلی میں عطف حبیب اپنے زندگی کے ازلہ شامل ہیں۔ نتیجہ یہ کہ ان کے خطوط نہ صرف ان کی سوانح کے لئے مواد فراہم کرتے ہیں بلکہ ان کی شعری کی تشریح و توضیح میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کی شعری کے پس منظر میں جو قوتیں حرکت کریں ان کا قیاس بھی ہوتا ہے اس کے علاوہ اس زمانے کے سلی و سیاسی اقتصادی اور ثقافتی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں جن پر سلی مطالعہ ہوا تھا۔ یہ وہ نکتہ تھا اب قدیم دور سے لوٹ رہے تھے اور فرسودہ نظام حکومت سے منتقلی ہو کر پیر غمیں طریقہ پر چلے رہے تھے۔

یہ بات ہر ایک اطرس مانگ ہے کہ ہمارے شعر اور اس کے عہد کے بارے میں حقیقی معلومات کا یہ خزینہ ہمیں انہوں کے لئے کم ہی ہو گیا تھا۔ لیکن زندگی گمراہی سے ہو کر بچ گیا ہے وہ یہ لفظی خطوط ہیں جنہیں دن کی روشنی دیکھنے کوئی اور یہ وہ خطوط ہیں جو ٹاٹا بیگ کے باب و جرم کی تشکیل کرتے ہیں، بیج اب تک غالب کی زندگی میں وہ شائع ہوئی لیکن وہ دونوں اشخاص سے مطمئن نہ تھے۔ کیونکہ پہلے اپنا نام کو باطل اور دوسری اشاعت کو افشا سے پر گھٹتے تھے۔ بیج اب تک کے خطوط میں کتنی ہی افشا ہوں ہر ایک وہ غالب کی لفظی زندگی کی معلومات کے لئے قدیم ذریعہ ہیں اور اس عہد کے شعور، ترقی انہیں سے حریف کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے غالب ۱۸۵۷ء سے علی خدا و کتبہ کیا کرتے تھے۔

بیج اب تک کے خطوط ان سبوں میں چلے اسکا زمانہ ہے چھپا جاتا ہے کہ ان انکوائس مست ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ خطوط دریافت ہوئے ہیں ان کی کتنی ہی اشاعتیں دستیاب ہیں اور وہ کلکتہ میں غالب کے عارضی قلم کا مرکز و محور ہیں۔ ایسے مجموعوں میں سب سے پہلا مجموعہ وہ ہے جو کھنڈر میں دریافت ہوا اس میں الزماں ہاری خطوط ہیں جو غالب نے مولوی مرزا علی احمد ”مرزا احمد بیگ خان اور مرزا“

اور انعام کو لکھے ہیں سے تمام نکتہ کے دوران دوستی ہوئی اور دینی دہائی کرنے کے بعد بھی ان سے رابطہ قائم رہا۔ ان خطوط کی بڑی تعداد آج تک کے شائع شدہ خطوط میں مشروک ہے۔ لیکن ان کی کچھ تعداد جسٹس اس حقیقت پر متبی ہے کہ وہ مہارت پہلے شائع ہوئی تھی اور وہ صرف بصورت کیا تھا اس خاکو پر کرتے ہیں۔ یہ خطوط اور کچھ غریبہات حضرت غالب میں شائع ہوئی ہیں، جسے مسعود شمیم دہلوی صاحب نے مرتب کیا تھا۔

دہلوی نام ایک اور مجموعہ ہے جس میں دہلوی کے ۳۲ خطوط ہیں۔ یہ ادھار کے حکیم صیب الرحمن صاحب کے ذاتی خطوط سے ملے ہیں۔ یہ خطوط غالب نے ان اصحاب کو لکھے جو نکتہ میں دہلوی سے گھر کر کتب خانہ حضرت کے نام میں معلوم ہو پائے ہیں۔ لیکن اغلب خیال یہ ہے کہ وہ دہلوی صاحب کے علاوہ عوام ایک چار "خواجہ محمد حسن اور فیض الدین جبار کے نام ہیں۔ یہ خطوط "معاشرہ غالب" کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ اس مجموعہ میں غالب کی وہ غریبہات بھی شامل ہیں جو اس سے قبل شائع نہیں ہوئی تھیں۔ معاشرہ غالب کو ایک تنقیدی تبصرہ کے ساتھ جاسٹس عبدالودود نے ۱۹۳۹ء میں طبع کر دیا۔

(۳)

زیر مطالعہ مجموعہ ۱۹۳۹ء پبلش کرناج ڈاکٹر ایڈا نے ۱۹۳۹ء کے ایک ایک کارا کے بعد لکھنؤ نقوی سے حاصل کیا۔ کارا ۱۲۱ پرنٹل طبع شدہ ایک کارا ایک لمبائی قصبہ ہے۔ یہ طبعی حسن خان اسی قصبہ کے رہنے والے تھے جنہوں نے ان خطوط کو نقل کیا تھا۔ سورہ کے انعام پر، زبان انگریزی میں لکھا گیا ہے اس بات کا نام بحریک کیفیت کے ساتھ نہیں ہو سکا کہ یہ مجموعہ کب مرتب ہوا اور طبع کیا گیا لیکن اس کا امکان ہے کہ اسے ۱۹۳۹ء میں لکھا گیا۔ یہ بات طبع شدہ پرگز بدوس اور کالج کے تحصیلدار عبدالحق علی کے ایک خط سے معلوم ہوتی ہے جو ۱۹ اگست ۱۹۳۹ء کو طبعی بد علی حسن خان کو ان کے ہاتھ کے پتہ پر لکھا گیا۔ طبعی بد علی حسن خان کے ہاتھ میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا لیکن بدوس اور کالج کے تحصیلدار نے جس تعلیم و تحریک کے ساتھ انہیں مطلع کیا ہے اس سے ثابت ہوا ہے کہ وہ بدہ کی انتظامیہ کے تحت خاصے بندے عودے پر ملازم رہے ہوں گے۔ بدلی امکان ہے کہ ان خطوط کو نقل کیا گیا۔ اس طریقہ کی انتظامیہ خود ہی اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ اس مجموعے میں غالب کے خطوط کی بڑی تعداد بدہ کے صدرا دین یا سول جج مولوی محمد علی صاحب کو لکھے گئے ہیں۔

سورہ میں ۳۲ اور طبعی ہیں۔ ہر خط پر اظہارِ حضور ہیں جن کی بڑا نقل ۱۹۳۹ء ہے۔ چار تیس خطوط ہیں ان میں سے ۳۲ غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ باقی وہ خط طبعی بد علی حسن کو ان کے دوستوں نے لکھے ہیں۔ ان ۳۲ خطوط کے علاوہ جن میں خط نمبر ۱۲۱ کی نقل ہے۔ سورہ میں وہ خط دہلوی صاحب کی لکھی ہوا کرائی کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ خط دہلوی صاحب کے چھ نمبر ۲ کی نقل میں طبعی کے لکھے ہیں۔ سورہ خط نکتہ میں ہاتھ سے چٹا ہونے کا پتہ پر ہوا کرائی دہلوی سے لکھا گیا ہے "اور یہ غیر حاکمیت پر اسے کیڑوں نے کھا لیا ہے۔ کچھ کچھ سوراخ ہو گئے ہیں جن میں سے اکثر کو میں نے کیا تھا۔ خط غالب اور کیا تھا غالب دہلوی کی مدد سے پر کرنے کی کوشش کی ہے۔ بدلی ان دو نکتوں سے مجھے مدد نہیں ملی میں نے تو میں میں اپنی قیامی عبارت لکھی ہے۔ بصورت دیگر ان حقیقت کو ہمیں کیڑوں نے چاہ لیا ہے۔ انھوں نے اوپر سے ظاہر کر دیا گیا ہے۔ سورہ میں خطوط کو کیڑوں نے تو کچھ کچھ کھلیا ہے۔ ہم یہ ہے کہ ان پر کچھ صریح نہیں کی ہے اور جن خطوط پر کچھ لکھی ہے سب نہیں دیا گیا ہے۔ نہ ہی خطوط کو کسی خاص حسیل سے ترتیب دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ان کے مطالعہ سے انتظام دہلوی اور بے ترتیبی کا احساس ہوا ہے۔ دہلوی اور کرائی کے متعلق اور انتظامیہ حقیقت کی مدد سے میں نے انہیں لمبائی اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ ہر خط کے اوپر ہی سورہ پر شمار کئے۔ تاریخی ترتیب کا نہیں کرنا ہے اور

(c)

[illegible]

ضرر اچانک کے کوئی اظہار نہ تھی۔ لہذا معذور و اہل لوگوں کے غلاموں کو لاکھوں روپے پر فائدہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ہمیں نے پہلی ملاقات میں یہ ثابت کر دیا تھا۔

سجستان کی دہری یعنی نعرانہ جنگ کی واقعہ اور تین بیٹیں تھیں۔

اس دور میں سے کوئی بھی لادہ چیک کے پاس نہیں جاسکتا تاہم یہ اپنا سہلہ سمجھا سکتا تھا کہ وہیں سے ہر ایک اس لڑاکا گفت سے شروع کرے گا۔ وہ سوچتا تھا کہ یہ سب کی عمر اس وقت صرف نو سال کی ہوگی اور وہ کچھ بڑا بھائی بالکل سب سے مل کا تھا اس صورت میں سے لادہ افکار خواہ ملتی ہو صرف ایک کے پاس جتنے دلوں دست مگر انہیں نے مرحوم دہلوی کے جرم و جرم پر جتنے کیا اور صرف ایک چلی کے خیر خواہ بننے میں سے مل گیا۔ وہ بننے کے خواہ ملتی کو اپنا «سب» بنایا۔ یہ کہ وہ سمجھتے تھے کہ خواہ ملتی اپنے دہلوی کے خیر خواہ بننے کو اور وقت سے ان کی اپنی جان کے لئے بددوست کے لئے بھل کر خود غرض بننے کو کہ

اس نڈھ میں ابھر نکل نکل کے چند میں فیروزہ بھرکا منہ لگرس پہ پڑا پڑا لٹو جہ اور ٹھیکہ کی پانچویں قسمن میں کی فتح میں ڈالیں
تیار دوسرے سالانہ قحط طوفان طانی کو اپنی پانچویں بھڑو کر ابھر نکل نکل پھر کے اور لڑا ایک سے در خواست کی کہ معجزہ دلی
جائیدوں کی جو رقم فتح ہے وہ انیس لاکھ دہائی ہے اور مرحوم لعل علی بیگ نکل کے لاکھ تیس کی گزروں کے لئے مسئلہ طے کر دیا جائے اور
پچاس سو روپوں کی دیکھ بھل کے لئے رقم نکل کی پانچویں سو روپے سرکار انگریزی کو ان کی خودت ہوگی پیشوں میں کس لڑا ایک نے
اس درخواست کی منظوری دے دی اور اس سلسلہ میں ایک رپورٹ نکل روانہ کی جہاں چارج بار دہ لکھنے اس کی منظوری دے دی جو
اس وقت گورنر جنرل قلعہ سیلہ صفر ۱۳۳۵ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۱۵ء کو ابھر نکل نکل کے نام ایک پروتہ جاری کیا گیا اور معجزہ پڑا نکل کی
سالانہ آمدنی انیس لاکھ دہائی لگی۔ طوفان طانی اور لعل علی بیگ کے دوسرے دروازہ پچاس سو روپوں کے دے کے لئے یہ شخصیت کو تمام
مواضع پر فراہم کئے جائیں گے، و رقم نکل کو دی گئی۔ ان میں اس پروتہ کو جاری ہونے ایک لاکھ دہائی گزرا تھا کہ ۱۸ دلی اول ۱۳۳۵ مطابق ۷
جون ۱۹۱۵ء کو ابھر نکل نے لڑا ایک سے ایک اور پروتہ حاصل کر لیا جس کی رو سے لعل علی بیگ کی عطا کردہ فراہمی کی تنظیم معجزہ دلی
شریفہ کی کی قسمن۔

سوا گھنٹہ تک تھکن کی وجہ سے لوہے کی پٹریوں کے لئے

محمد مرزا احمد خان (مذہب) اور مزارعہ سب احمد خان کے بھائی کے لئے

جب صاحب مہر شعور کو پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اسے بخول نے ان کے خاندان کے ساتھ پانچواں کی ہے۔ ان کی دیکھیں یہ جی کہ
 انصاف حق کے دروازہ کے لئے جو پختن طہری کی گئی ان میں طوابع حلقہ کا کوئی حصہ نہ تھا۔ ان کا تھاکہ ان کے دروازہ کے لئے میں ایک
 لڑکوں طوابع مرزا طوابع حلقہ کا پانچواں دوپے ملت ہے۔ ساتھ ساتھ طوابع مرزا کی شعوری اس کی دہائی کی ہے۔ ان کی بیٹی سے ہوئی تھی جو
 اپنی بہن اور بیٹی کی پرورش کرتی تھیں۔ ایک اس طرح جس طرح دست گھنٹوں کی جاتی ہے۔ اس شعوری کے نتیجہ میں طوابع حلقہ پیدا ہوا
 جس کا انصاف ایک کی پختن میں کسی قسم کا ردعملی درست نہیں۔

عالم ہر خلق خدا کے علاوہ تمام مخلوق پہنچ گئے۔ انہیں جس چیز نے انہیں بیا کرنے سے روکا وہ یہ حقیقت تھی کہ ان کے سر مرزا علی خاں احمد خاں خاں کے چہرے پہنچ گئے اور اس طرح احمد خاں خاں کے خلاف کوئی کارروائی ان کے شرکی اور انسانی کاہت ہوئی۔ علیہ ازیں احمد خاں نے انہیں مرزا حسین دہلوی کا کہ خواہہ خاں کے انتقال کے بعد وہ رقم سے ملی تھی وہ عالم کے حاکم کو منتقل ہو جائے گی۔ احمد خاں خاں نے اپنا دھڑا پر رانا کھینچا جب ۱۳۵۵ھ میں خواہہ خاں کا انتقال ہوا تو اس کا بھائی اس کے بیٹوں کو منتقل ہو گیا یہی وہ زمانہ تھا جب مرزا یوسف بہ دہلوی امراض کا علم دہا تھا نہایت عالم کو چھ سو روپے سالانہ ان کی دیکھ بھال کے لئے دیکھتے پڑے اور تو سو روپے سالانہ قرض خواہوں کو لیا کرتے تھے۔

جب مصائب کا چال بھرا اور چٹک گیا تو غالب نے کہیں بدلا۔ وہ یا عین فکروں کو بھرا لیا اور دلی سے فیوہا چم رکی طرف روانہ ہوئے تاکہ امور خفیہ میں نہ وہ دوسرے کئے گئے انہیں حلیت کیا جاسکے۔ انہیں نے وہیں اس وقت تک قیام کیا جب سرچارلس سٹیف نے ۶ جنوری ۱۸۵۷ء کو بھارت چم رک کو اپنی تعینات میں لے لیا۔ جب غالب کو یہ احساس ہوا کہ امور خفیہ کوئی نہ کوئی ہند کر کے انہیں مل رہے ہیں۔ تب انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سٹیف سے طعن اور تفتیش کے خواہاں ہوں۔ وہ وہیں دلی نہ جاسکے کہ وہ قرض خواہوں کی بھگم کر دلی اور لوہا کر دلی سے خاکس تھے۔ اس لئے وہ نکل چم رک کی جانب روانہ ہوئے جہاں سٹیف سے ملنے کی امید تھی۔

[illegible]

پاکستان کی قلم ایک سبقت ہے جو انہوں نے مولوی محمد فضل حق کو نکلی جس سے فیور پر (۱۹۵۸) اور بھل خلی کی جائے لو میں (۱۹۶۰) روانہ ہونے سے عمل غالب نہیں مل سکے تھے۔ فضل اپنے دشمنوں کے حدود اور حدود سے دل نہ ملنے کی وجہ سے اپنی پہچانی کی زندگی گزار رہے تھے۔ دسری قلم جو ۱۹۶۱ء مطابق ۵ اگست ۱۹۵۸ء کو نکلی جو ایک عرض داشت ہے۔ یہ سبقت حدود صرف اتنا میر جو اس زمانہ میں حدود کے جانب اہمیت تھے کے نام ہے۔ یہ درخواست بھل خلی میں 'میر نواز حسین خلی اور دوسرے حضرات کے کہنے سے نکلی گئی تھی' جن سے کھنڈ میں غالب کی دوستی ہوئی تھی۔ انہوں نے اتنا میر کی شہن میں ایک سوئس اشعار کا قصیدہ بھی کھنڈ غالب اور اتنا میر کے درمیان ایک طاقت نمودار ہوئی لیکن پڑائی کے باوجود سولہ کے یہ طاقت قسم ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تری قلم اور قصیدہ پیش نہ کیا جا سکا اور غالب قصہ کے عالم میں کھنڈ سے روانہ ہو گئے۔

کھنڈ سے دو چارہ گئے جہاں مولوی محمد علی خلی حدود انہیں سے طاقت ہوئی۔ چارہ کے دوران قیام انہیں اپنی طاقت سے کسی حد تک نجات ملی۔ اگرچہ کہ عام کمزوری باقی رہی۔ انہوں نے ایک اڑھیا خلی گاڑی کرانے پر لی اور لواہتہ گزرتے ہوئے چارہ کرانے۔ اڑھیا اس قدر بہت پائی تھی کہ ایک دن میں سووا اور چارہ کے درمیان ۲۳ میل کا فاصلہ بھی طے نہ کر سکی۔ نتیجتاً غالب کو راستہ میں ایک دن قیام کرنا پڑا۔ اگلے دن علی اصبح غالب اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور گھوڑا چارہ کی راستہ میں پیچھے جب ۱۱ اڑھیا کے آنے کا انتظار کر رہے تھے تو سرائے کا قیدی رانہ اور ہول غالب پہنچے تھے کہ قدرتی ظلم جو ۱۱ مرزا خلی سے ملتی صاحب کے لئے لائے تھے اسے اسے دیں۔ لیکن وہ غالب کو سمجھ کر نہیں پہچانتا تھا اور ٹھٹھک رہا تھا۔ غالب نے وہ ایک اور شخص کو اسے دیا جس نے وہ شخص کی کہ وہ اسے کھوپ لے کر پانچا لے گا۔ اسی دوران رات ہو گئی اور اڑھیا سرائے میں کھینچی گئی۔ خلی گاڑی کے سفر سے لگ بھگ ۱۱ غالب نے ایک کھینچی کرانے پر لی 'سلطان لدا گھوڑے اور ڈاکوں کو سوار کر لیا اور جتا کے راستہ پر گھبراہٹ ہو گئے۔

جو ۱۱ وہ لدا گھوڑے کی حالت بدتر ہو گئی تو انہیں وہ لوہیت ملی جس کی انہیں ضرورت تھی اور نہ وہ مذہب صحت ملی جو دشمنی خلی جس کے غالب حسی تھے۔ وہ اس قدر اکتائے کہ انہوں نے لدا گھوڑے پر دوئے نہیں اور شیاطین کا خانہ خلوت کیا۔ انہیں مجبوراً وہاں ایک روز قیام کرنا پڑا کہ انہیں ان کا سلطان دھمکے والے قلی نہ ملے۔ دوسرے دن انہوں نے ایک بتلی کرانے پر لی اور ہارس کے لئے حیران دہانی سے روانہ ہوئے۔

غالب نے پہلے تو سرائے تیرنگ لدا گھوڑے عام طور پر فورگ لدا کا جانا تھا پانچ دن قیام کیا اس کے بعد سرائے نورنگ لدا کی پشت پر مضبوطی اور وہاں دشمن کی حوٹلی میں ایک مکان کرانے پر لے لیا۔ یہ حوٹلی کوئی غنڈہ کی حوٹلی سے ملی ہوئی تھی۔ اس شہر کی خلی میں غالب کو لدا دینے ام لدا گھوڑا، خرقہ اور آب و ہوا اور اس سے بھی زیادہ دشمنی ساغر نے ان کی صحت کو پوری طرح خلی کر دیا اور ان کی بھانٹ لوت آئی۔ شہر کی لدا ملی 'بھانٹ اور جسمی چوٹی سے مرزا ہو کر اور حدود کی گھنٹوں کو اس کے غالب کا خلی جسم اللہ میں وہ لدا تھی جب شہروں میں سب سے عرا گزیر شہر غالب نے نکلی۔ ہارس کو کھنڈ ہندوستان اور حبشہ خلی "کھنڈ تھریا" چار ہنوں کے قیام کے بعد ۱۱ مل پر چارہ کو عظیم لدا (لدا) کے لئے روانہ ہوئے وہاں سے نکلتے ہوئے اور بعد ۱۱ ۲ شہن ۱۹۶۳ء مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۵۸ء کو علی از دہر پیچھے۔ نکلتے پہنچے ہی پھر کسی دشمنی کے غالب کو ایک مکان چھ دوپہ ملانے پر ملی گیا۔ یہ مکان چھ شہن شہن بازار نورنگ لدا کتاب میر احمد کی حوٹلی میں تھا۔ مکان کھنڈ لدا بیت اللہ چارہ جس میں لدا پائی کا کھنڈ لدا نکلتے پہنچے کہ غالب کو خیال آیا کہ مرزا لدا کے لوہا ہادیوں چارہ کو قصیدہ پیش کیا جاسکتا۔ یہ قصیدہ دراصل انہوں نے کھنڈ کے اتنا میر کے لئے لدا

قند ۱۱ دن میں تیار ہو کر غالب کھیتی میں سوار ہوئے اور پتہ کے مولوی محمد علی کاٹھنی علاقے کر بجلی کے ٹوپ انگریز علی علی
مہاشی کے ہاں بیٹے انہوں نے غلہ گرم برقی سے خوش آمد کیا اور ان کی کھیت تک طویل کھنکھرتے رہے۔ غالب دہلی لکھتے آئے
لیکن جلد ہی بار بجلی کے اور ٹوپ کی صحبت میں ۱۱ دن اور ایک رات گزار دی اور حدود کے خالق سے انہیں اکھ کھد خشن قسمت
ٹوپ صاحب نام ہانے کی وقت جان لو کے سلسلہ میں بجلی کے کھنکھرتے سے حدود ہادی میں اکھ ہوئے تھے۔

محمد علی انگریز علی سے ملنے کے فوراً بعد پتہ کے مولوی محمد علی علی کی بدولت کے مطابق غالب کاٹھنی لکھتے کی قبر پر بیٹے ۲۰ رمضان
۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۹۱۸ء کو مرحوم کاٹھنی صاحب کی پوتہ کے ہاں ان کی رہائش گاہ اٹھلی میں مولوی محمد علی علی کاٹھنی علاقے
کر چپچہ مولوی نظام علی نے حکم صاحب سے غالب کا خلاف کر لیا۔ انہوں نے یس پر ۱۱ کر غلہ لکھ اور گرم برقی سے کھنکھرتے
انہوں نے یہ بھی کہا شرط بازار شہر سے بہت دور ہے۔ اپنے بھائیے مولوی ولایت حسین کے ستر سے آنے کے بعد غالب کو اپنے گھر میں
قیمت گاہ فراہم کریں گی۔

اٹھلی جانے کے ایک ہفتہ بعد غالب کو اپنے بھائی مرزا عیسیٰ کاٹھنی ۲۷ رمضان ۱۳۳۳ھ مطابق ۳۰ اپریل ۱۹۱۸ء کو ملے ۱۱
جسے جہان ہوئے کہ انہیں ۱۱ بجلی لکھ میں جلا بھڑا کر آئے تھے۔ ان کا طرح ایک جہل کر رہا تھا جس کی تحقیق علی کر مرزا
عیسیٰ کے عرض کا سبب کا بدلہ ہے۔ اس کے خلاف سے مرزا عیسیٰ کی حالت میں عیسیٰ تبدیل کیا۔ غالب کو اور اطلاعات بھی ملیں جن
سے بخیر کی خبر درست ثابت ہوئی۔ حالات نے جو ایک ٹوٹا ہوا سوا لیا ۱۱ غالب اٹھلی لکھ اور پھر سرت خرابی کی حکم
قہری ۳ شوال ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۹۱۸ء کو انہوں نے فریز کے نام ایک عورت داشت کھس اور ۱۱ صاحب دانے کے جن پر ۱۱ اپنے
حدود کو برادہ رات پریم کوشل میں پیش کرنا چاہتے تھے اس کے بعد ۱۱ پھر شین نیکواری مسٹر اسٹریٹ سے ملے جو قاری کا غلہ عود و قہری
دیکھتا تھا اس نے جو قہریہ اس کے لئے کھسا اس نے اس کی بیوی قریب کی۔ پھر غالب مسٹر فریز سے ملے اس نے ان کا پانی گرم برقی
سے بھرتی کیا اور یہ جان کر غرض کر اور شرط علی کا بچھا ہے جسے ۱۱ بہت ابھی طرح جانا تھا اس کے بعد غالب نے
عرض داشت پیش کی جسے انہوں نے قاری میں کھسا تھا کہ اس کا حدود گورنر لکھ غور و قہری کے لئے پیش کیا ہوا۔ مسٹر فریز نے اسے
مسٹر دشتی کے پاس بھیج دیا اس کا نام یہ تھا کہ قاری میں قہری کہ نام ۱۱ خواستوں کا تیرہ انگریزی میں کرے اور مسٹر فریز کے سامنے
پیش کرے۔ ہر طرح اور ہر طرف سے مطمئن ہو کر غالب نے مسٹر فریز سے اجازت چاہی جس نے نہ صرف یہ کہ ضرور اپنی پیش کیا
بلکہ اپنی نشست سے اٹھا اور دو گانے تک چھوڑے ایک اس ملک نے ادارے شاعر کے دہن پر بہت اچھا اثر بھڑا غالب اپنے حدود
کے بارے میں بہت پر امید تھے۔

اسی دوران غالب کو علم ہوا کہ انگریز علی کاٹھنی مرزا اٹھلی ایک فن کے خلاف مہم چا رہا ہے اور مسلسل سرگوشی کر رہا ہے۔ اٹھلی
ایک مرحوم علی ایک کاروبار شعی خاوند اس کی بددعاؤں اپنی بن کے پیش کے لئے تھیں جو غرض کے نتیجے میں فریق تھے۔ غالب کے
لکھتے تھے کہ یہ عرصہ کچھ "مرزا اٹھلی ایک اور اس کے خالق بن کا سرکاری مطلق میں پڑا اور دوسرا تھا کہ یہ کئی گز کی گاہ آئے
دھماکے لپٹا نام اور کھس تبدیل کرنے کی حالت میں تھا ہے۔ غالب نے اپنا اور دہلی میں پیش کیا اور اس عزم کو ظاہر کیا کہ یہ اور
دہلی میں ملت علی کچھ عرصہ ہوا خاوند اس پر فن کی مرزا ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۱ رمضان ۱۳۳۳ھ اور بدولت کے مطابق اسے لکھ علی صرف مرزا نوشہ قہری۔
ایک عرض انہوں نے اس سلسلہ میں حکومت کو بھیجی کہ ان کے خالق بدعتی پر حق ظاہر ان سے منسوب کر دے جس اور یہ کہ اپنی
پر دہلی داخل کرتے ہیں کہ اسے لکھ غرض اس کا نام ہے مرزا نوشہ صرف غالب کھس ہے۔ انہوں نے حوالہ کھاکہ کھس غالب میں چار
حوالہ ہیں اور چھ کہ یہ کہ اسکی بعض غرضیات میں مشعل میں ہوئے۔ اس نے ۱۱ کچھ کچھ احمد کھس کھیتے ہیں جو میں صرف پر حق ہے

اور ان کے نام کا مصر ہے۔

انہوں کو متعجب بنانے کی کوشش کے علاوہ مرزا افضل، ایک نئے نکتہ کے قائل اور فاضل حق میں غالب کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اہلسنت سے کہا کہ راضی ہیں اور شیعہ حوالت سے کہا کہ وہ خدا کے منکر ہیں۔ صرف اس پر اس نے قصصہ د کی جگہ نکتہ کے شعراء سے کہا کہ غالب ان میں سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور برسرِ محفل قصید کو برا بھلا کہہ چکے ہیں۔ اس طرح وہ شعراء نکتہ کو بڑھانے میں کامیاب ہو گیا اور قصید کے حامی تھے۔

یہی وہ زمانہ تھا جب شعراء نکتہ نے ایک انجمن بنائی تاکہ ہر جگہ کے پہلے افراد کو نکتہ دوسرے کے علاقے میں مٹا دیا ہو سکے۔ یہاں ہی ایک مٹا دیا۔ جسے ۳۳۳ مسلمان کچم ہون ۱۸۸۸ء کو ہوا۔ غالب اس میں شریک ہوئے۔ دوسرے مٹا دیا کے لئے ایک بھاری اور دو سرائے کا مسودہ طرح دیا گیا۔ اور غالب کو دیا گیا کہ غالب نے طرح میں غرض نہیں تھیں اور مٹا دیا میں چاہیں۔ اور لوگوں کے علاوہ دلی برائت کا سیر بھی مسودہ تھا جس نے دوسرے شعراء کی فاضل اڑائی لیکن غالب کے شعراء کی بڑی تعریف کی اور انھیں دلا دی۔ ان کے شعراء کو پائی بھاری کے اہلیات میں شمار کیا۔ بعض شعراء کو اس دلو نے صد کی آگ میں جتا دیا اور غالب کے متعدد دلی شعراء شدید اعتراضات کئے۔

جڑی تو عالم داد ہر عالم ہضم

ہم چا سوئے کہ بھلا را دہیاں ہر جڑو

پہلا اعتراض یہ تھا کہ ہم اور عالم ایک ساتھ استعمال نہیں کئے جاسکتے کہ عالم ملو ہے اور ہم حق کا پینہ ہے۔ چنانچہ شہرت اور سر انصاف نے اسے مسخر فرما دیا ہے۔ لفظ حق اور لفظ حق کے صحیح نہیں ہے کہ اسے میٹر ہونا چاہئے۔ تیسرے یہ کہ فعل "را" ہر جڑو کی جہلے "سوئے" کے ساتھ زیادہ بڑھو آتا ہے۔ چنانچہ اعتراض یہ تھا کہ شعراء قر کے ساتھ "سوئے" کو "رستہ" کے ساتھ استعمال کیا ہے لیکن یہاں کے ساتھ نہیں۔

غالب نے ان سے حق اعتراضات پر کوئی جواب نہ دی لیکن حقیقت یہی تھی کہ انہوں نے معترضین کو جواب دینے کا تیر کر لیا۔ تیسرا مٹا دیا ۳۳۳ مسلمان افراد کا ہون ۱۸۸۸ء کو منعقد ہوا۔ انہوں نے سوچی سمجھ کر مٹا دیا کے شعراء بطور حد قبول کئے اور دلی کے طور پر مٹا دیا۔ محمودی اور دیگر شعراء کا کام قبول کیا جسے برائت کے سیر نے تسلیم کیا۔ معترضین حکمران کئے لیکن ان کے موقف میں اور فتح آئی۔ انہوں نے دوسری منزل کے ایک شعراء اعتراض کیا۔

ہر ایک ہے لفظ میں دھکیں دارم

خدا بر ہے سو سلفی طوق زہ

اعتراض یہ تھا کہ زہ کے کون میں طرف ہے ہونا چاہئے۔ جب ان سے یہ کہا گیا کہ زہ ہے ہونا چاہئے ان کے مسودہ ہے تو جواب دیا کہ زہ کو حالت متغی کے طور بھی استعمال نہیں کیا گیا۔ غالب نے معترضین کو اسباب کے شعراء کا بطور حد قبول کئے گھرب دیا۔ جب غالب کو دلی سچ ہے شکست نہ دی جا سکتی تو آدھی حاصل کرنے والوں میں سے ایک بڑا کئی علی اکبر خان کے پاس پہنچے اور شکایت کی کہ انھوں نے ان کے بارے میں "تیس" پھڑکے ہیں۔ علی اکبر خان نے غالب کو سمجھا اور کہا کہ جس نام کے لئے وہ نکتہ آئے ہیں اس امر پر توجہ دیں۔ انہوں نے شعراء سے مصالحت کرنے کی بھی سفارش دی اور سمجھا کہ ایک مسودہ یہ کہہ دیں۔ غالب نے اپنی

بدر کھانا غالب کی مشینوں میں بھرنے لگتی ہے۔ شادی کے ابتدائی حصہ میں اپنے چالیس کی قریب کرتے اور آٹھن پر چاہلے ہیں اور یہ سارا لمحہ میں ان کی ہر دوایں بیدار کرتے ہیں۔ اپنی عیالوں کا احراز کرتے ہوئے وہ اپنے ستر چھتر کا اہرام پہنتے ہیں کہ وہ قطعی پر ہیں اور اپنی نظریوں کا احراز کرنے کی بجائے اور عقیدہ قیاس کی بجائے اس سب نے غالب پر خیر انداز اور اپنے دماغ میں ایسی باتیں لکھیں جو انہیں ادب نہیں دیتی تھیں۔ اپنی فطرت کو محسوس کرتے ہوئے ستر میں کی موت و شفقت کے جتنی ہوتے ہیں۔ عقل اور واقف کے مروجہ کو کم کرنے کے اہرام کے سلسلے میں اپنے جگہ سے اٹھارہ کرتے ہیں کہ فطری 'عقل' 'عقود' 'غالب' 'امیر اور حریف' کے سے بدر مرتبت اساتذہ کو چھوڑ کر وہ عقل اور واقف کو نہ کچھ پاس۔ نصیحت بلکہ انکار سے وہ ستر میں سے نکلتے ہیں کہ گزشتہ جہاں سے طوفان نہیں ہوتا اور نہ اسرافات کی پروا کرتا ہوں۔ دار ہے تو صرف یہ کہ میرے اہل کی وجہ سے دنیا پر حرف لڑی ہو گی۔ آخر میں جتنی ہوتے ہیں کہ جو کچھ ہوا اسے بھل چھوٹے اور صاف فریاد ہے۔

اپنی سرگردانی سے غالب نے خود کو آزاد کیا۔ غالب سے کہا گیا کہ غافل کے مقابلے میں اپنا مقدمہ ریڈیو نمبر دہلی کے قوسہ سے پیش کریں۔ یہ سن کر وہ یہ یقین ہوئے کہ ان کے اس میں نہ حاکم دلی باتیں اور ہر گز انہیں۔ ستر اور ملک نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ ٹکٹوں میں ہی قیام کریں اور دلی میں اپنے وکیل جیو کی لئے مشورہ کریں۔ لہذا غالب نے اپنے دست مولوی فضل حق کو بلا کھانا اور دہلی اور فہارنی دہشت میں سرشت دار اور پوسہ قانون دان جے سافٹی دہلی کے پتہ کے مولوی جو علی خان سے مصدق ہوئے کہ وہ ایک سافٹی خلا تعلقات حسین کو مدعا کریں جو مولوی سراج لالا کے بیٹے اور کالیوگ کے سر مشق تھے بلکہ وہ دہلی ریڈیو نمبر میں ان کے مقدمہ کا محسن و خطی اہم تک پہنچائیں۔ غالب نے درخواست کی کہ اگر جو علی خان تعلقات حسین سے واقف نہ ہوں تو عظیم سلامت علی خان سے تعلقات حسین کے لئے لالا حاصل کر لیں۔ اسی سلسلے میں غالب نے مرزا امیر بیگ کو ایک خط لکھا جو پتہ کے لوبہ نو اقتدار علی کے پاسوں تھے یہی ذلت قابل غالب کو دلی کے دستوں سے معلوم ہوا کہ اسو علی خان کے بیٹے اور گوی فحش نے اپنی بد مزاجی 'لڑائی' میانی اور اسراف سے اپنے ہم ذہبوں کو بلکہ انگریز امروہوں کو بھی اپنا مخالف حال کیا ہے۔ غالب نے اپنے مقدمہ کی کھینچنے کے لئے اسے اچھا ٹکٹوں کھانا اور ٹکٹوں میں قیام کیا۔

غالب نے قیام ٹکٹ کا لینڈ کر لیا لیکن ان کی دلی حالت انہیں نہ تھی۔ جب وہ پتہ میں تھے تو لوبہ نو اقتدار علی کے قوسہ سے انہیں کاروں سے وہ بڑا مدد پر قرض لے گئے۔ اس رقم کا پتہ صرف وہی ستر اور ٹکٹ کے چارہ کے قیام کے دوران خرچ ہو گیا۔ یہ دلی ایچ ۱۳۳۳ مطابق ۲۰ جون ۱۹۵۸ء کو غالب نے پتہ کے مولوی جو علی خان کو بلا بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ان کے لئے حق ایک بڑا مدد پر قرض حاصل کرے جائیگی۔ قرض آنے میں دیر ہوئی اور اسی دوران موسم سہا شروع ہو گیا۔ غالب نے اپنا ٹکٹا اپنے ستر مدد پر قرض واپس کر دیا اور مابقی اور ایک ملازم کی خدمت بھی ختم کر دی۔ اب ان کے پاس جس میں ملازم اور ایک کادر تھا گھوڑے کی فروخت کی رقم کے کچھ حصے سے انہوں نے کھلی اور گھر دہلی لہاں موسم سہا کے لئے خرچ اور ہلکے اثاثات کو گھٹا کر پچاس مدد پر کر لیا۔

دلی کچھ اور جگہ کے عالم میں غالب کو مولوی فضل حق کا بلا دیا جس میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ چندے تیرا اہل کو ریڈیو نمبر دلی میں اپنا وکیل مقرر کریں۔ غالب نے مقدمہ کے تمام مختلف کثافات خرچ کئے ان میں متعدد دہلی کثافات بھی شامل تھے۔ یہ ٹیکڑی کا وہ بلا جس میں کہا گیا تھا کہ غالب ریڈیو نمبر دلی کے قوسہ سے مقدمہ پیش کریں۔ یہ ٹیکڑی کا بلا جو ریڈیو نمبر دلی ستر کو لکھا گیا۔ جو علی اکبر خان کا بلا کہ لکھوک کے فحشی تعلقات حسین کے نام پر کثافات لکھ غالب خود ذاک خان کے ۳۳ ستر ۱۳۳۳ مطابق ۲۰ اگست ۱۹۵۸ء کو تمام کثافات مقرر مقرر بلکہ کے ایک لفظ میں نہ گئے اور پست مقرر کی موجودگی میں سر ٹکٹ۔ غالب نے دلی مدد پر لاکھ اور رسید حاصل کی۔ ذاک کا خرچ دلی سے ٹکٹ تک ایک مدد کے برابر دلی کا ایک مدد تھا انہیں یہ کثافات دہلی پہنچنے نہ گئے کہ غالب کو

ایک خط مولوی فضل حق کا داروہ روضہ کے مدیر محمد علی دہلوی سے بھیجا۔ سیدنا غالب نے داروہ روضہ کی ایک نقل دس روپے کے مستحکم چھپے، گو کہ انگریزی زبان سے دو شہدہ ۵ راجہ فیصل ۱۸۷۳ء مطابق ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۹۸ء کو دیا گیا۔

۲ راجہ فیصل ۱۸۷۳ء مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۸ء کو غالب کے پاس دو روپے دو گئے تھے کہ ہندو کے مولوی محمد علی کی جانب سے مولوی دلالت حسین کے توسط سے بڑی تھی۔ غالب خوشی سے پھولے و ملتے اور خود بازار گئے تاکہ بانگ اور بڑی کی رقم کے ہاتھ میں مطبوعات حاصل کر سکیں۔ انھیں پتا گیا کہ بڑی انہی کے نام سے گور ۵۰ روپے کی ایک کتاب نے مولوی دلالت حسین کو بڑی دے کر بازار بچھا دیا ہے۔

بڑی کے آنے سے غالب کو کچھ ہل سون خط لیکن ریاضیاتی دلی میں حضور کے سلسلہ میں دو تاخیر ہو رہی تھی اس سے وہ پریشان تھے اس چیز نے انہیں سب سے زیادہ پریشان کیا وہ یہ حقیقت تھی کہ کائنات دلی پیچھے کے پر ہنوں کے بعد بھی حق کے وکیل چنات ہوا لہٰذا نے کوئی اطلاع نہیں دی تھی اس کے علاوہ مولوی فضل حق اور دلی میں عربوں کی جانب سے کوئی خبر نہ تھی۔ اپنے چھوٹے بھائی مرزا اعجاز سے کشتی خط کی تو انہیں توقع نہ تھی وہ دلی طور پر ٹھیک تھے خواہہ حال کے علاوہ کشتی پر قطعی اعتبار نہ تھا غالب نے اپنے حضور کے سلسلہ میں مطبوعات حاصل کرنے کے لئے تقریباً سات محلات کو خطوط بھیجے لیکن کسی کا بھی جواب نہ آیا ان کی پریشانی بڑی تھی بالخصوص اس لئے کہ انگریزی زبان کی کارکنی پر انہیں بہت زیادہ اعتماد تھا اور قطعی یقین تھا کہ خطوط کو بھی بھیجے گا مگر نہیں ہو سکے۔

فریل خاموشی میں نے غالب کو پریشان کیا اس کا جواب یہ تھا کہ حق کے علاوہ نے بے اعتنائی برائی۔ اصل میں ہوا یہ کہ عمل اس کے کہ مولوی فضل حق کو علاوہ دلی ریاضیات کو لبواک دلی سے دو روپے دیا گیا اور ۲ شعبان ۱۲۹۳ء مطابق ہندو ۱۵ فروری ۱۸۷۸ء کو دہلی آیا۔ ریاضیاتی میں حق کی مرضی داشت تھی دس روپے بھیجے گئے۔ وہ اپنی دہلی۔ وہ سبز کو لبواک نے حضور پر خود کیا تو معلوم ہوا کہ بعض کائنات ہو لہٰذا ایک کے ہاتھ میں تھے موجود نہ تھے لہٰذا اس نے کائنات ٹکڑے سے طلب کیے غالب اس بات پر دلی سے غلطی خود پر بہت خوش ہوئے کیونکہ حق کا خیال تھا کہ حقیقتات دو حالت پر مبنی ہو گی۔ اول یہ کہ امر حق جان کی جانگر سے حق کے گور حق کے شریک کے چاہا بہت تھے ہیں۔ دوسرے یہ کہ شرائط ایک حق کی جان میں زندگی کے شریک خواہہ حق کا دعویٰ کس تک درست تھا۔

جب دلی میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا غالب ٹکڑے میں بیکار نہیں بیٹھے۔ ۱۵ فروری ۱۸۷۳ء مطابق ۱۵ شعبان ۱۲۹۳ء کو کراچی آئے۔ وہ یہاں لیکن امداد صحت کے نگرانی سبز فرور کے رہے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ اس سے خواہے کے خلاف احتجاج کرنے آئے تھے جس کی وہ سے حق کے سحر خلقی مولوی محمد اکرم احمد کی رخصت پر ٹکڑے سے کھنڈے گئے ہیں۔ گورز بڑی داروہ دلیم کلاؤٹ شینگ۔ اور سپیم کو کسل کے سبز ہر سوز دلیم داروہ بلی ٹکڑے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔

فروری ۱۸۷۸ء کی ابتدا میں جب سبز بلی اور داروہ شینگ ٹکڑے دہلی آئے تو داروہ کے راجہ اوت زمانہ کچھ شرمیں داروہ ہو چکے تھے۔ بظاہر تو وہ چھوٹا جلا کو روپے تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ اس سے خواہے کے خلاف احتجاج کرنے آئے تھے جس کی وہ سے حق کی اپنی رخصت میں حق کی طاقت کو وقت کو طلب کر لیا تھا۔ راجہ خواہہ کئی جہنم صحت میں تھا روپے ہوں، غالب کا خیال تھا کہ حکومت کے احکامات ضرور نہ ہوں گے۔ لہٰذا نے بلی ٹکڑے ۱۵ شعبان ۱۲۹۳ء مطابق ۱۵ فروری ۱۸۷۸ء کو داروہ کے محرم میں ایک داروہ سبز کیا۔ غالب کو اس کا علم ہوا تو وہ سبز فرور کے پاس داروہ سے پہلے ہو چکا تھا اس دن کے گور اس کا اعلان کیا کہ انہیں بھی شریک کیا جائے۔ سبز بلی نے اظہر کسی الجھ کے انتقال کیا 'لہٰذا غالب چار ہوئے اور دھتھ حضور پر داروہ میں گئے لہٰذا نظام ترمیم مندرجہ ذیل تھی۔

۱۔ عظیم اکو کے راجہ بھوپ کچھ 'بھوپ کچھ کے داروہ اور داروہ بلی ٹکڑے کو چھوٹا دلی کا دیکھ لہٰذا اظہر لہٰذا ایک 'بھوپ کچھ

اگرچہ تفریق تھی اس میں اطمینان کیا گیا تاکہ سائنس کو مطمئن ہو جائے کہ گورنر جنرل کا دفتر اپنی رہائش کے قریب بھدڑھلی کی جانب منظر میں کسی حالت میں رہے گا اور خود گورنر جنرل ڈاک یا داخلی کشتی کے قریب انڈور کے آگرمیں جائیں گے۔ اس اطمینان کو سن کر چاہب کو خیال نکلا کہ آئے والے کئی میٹروں میں ان کے مقصد کی حوالہ دہ رستہ نہیں نکلتے گی۔ لہذا انہوں نے طے کیا کہ گورنر جنرل کے سواروں کے دست سے نکل دلی پہنچی جائے گی۔

جب انہوں نے فکھو سے ردا کی کاغذی فیصلہ کر لیا تو طالب علی اکبر سے ملے بغل گئے مگر مولوی عبدالحکیم کے بھائی مولوی سراج الدین احمد سے ملے اور ان سے یہ درخواست کی کہ فکھو میں دو چوٹی دولت ہو اس سے انہیں پانچ روپے ۳۵ صفر ۱۳۳۵ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۱۶ء کو انہوں نے اپنے ملازم کشیش کے ذریعہ پتہ ردا کی کر دیا اور تلوہ بمطالعہ یا جہ ۱۱ یا ۲۰ صفر ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ یا ۲۱ اگست ۱۹۱۶ء کو ردا کو لے گئے۔ وہ پتہ ردا پہنچے "غائب ہو انتظار علی کے ہاں قیام کیا اور جس دن پہنچے اسی روز مولوی محمد علی خاں سے ملاقات کی پتہ میں انہیں معلوم ہوا کہ مسٹر کلبوک معین کے رہنے گئے ہیں اور ان کی جگہ مسٹر فرانسس آئکس کا تقرر ہوا ہے۔ انہوں نے ۷ جنوری ۱۹۱۷ء مطابق ۳ نومبر ۱۹۱۶ء کو علی اکبر خاں کے ہاں ایک خط لکھا اور یہ درخواست کی کہ کسی اگرچہ سے مسٹر آئکس کے لئے سہارا بنی خط حاصل کریں اور اسے دہلی بھیج دیں۔ پتہ پتہ مطابق "۷ نومبر ۱۹۱۶ء کو وہ پتہ سے واپس کے لئے ردا کو لے گئے۔

مسٹر اسٹونگ کا انتقال ہو گیا۔ پانچ دن کے بعد حکومت نے مسٹر پائس کی ریفرنس پر فورکپ ریفرنس کی تحقیقات سے اتفاق کیا اور غالب کو اس سے مطلع کر دیا۔

اس فیصلے سے انہوں نے بہت تڑپا۔ ۷ جولائی ۱۸۵۳ء کو انہوں نے گورنر جنرل کو ایک درخواست بھیجی اور پائس کے فیصلے کے خلاف شکایت کی جس کی بنیاد ایک مشکوک خدہ پر تھی اور درخواست کی کہ ثبوت کے طور پر حکومت کا ریکارڈ دیکھا جائے۔ انہوں نے ۲۸ جولائی ۱۸۵۳ء کو پائس کی جانب داری کے خلاف حکومت کے شکوکے میں لکھا کہ اس نے جس الدین خان کی طرف داری کی ہے اور ساتھ ہی حکومت کے چیلنجنگ میسج پر جس میں سوئس کو خط لکھا کہ وہ کثافات کا معاملہ فرمائیے مسٹر سوئس نے کثافات کو طور سے دیکھا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہادی اختر میں درخواست گزار کی شکایت البتہ کسی بنیاد کے نہ تھی لہذا اس نے ۱۰ اگست ۱۸۵۳ء کو ایک جامع نوٹ لکھا اور متعدد ذیلی شکایات پر حکومت کی توجہ مبذول کر لی۔ لیکن یہ کہ حکومت کے ریکارڈ پر لارڈ لیک کا ۷ جون ۱۸۵۳ء کا کوئی خط موجود نہ تھا۔ دوم یہ کہ ۳ مئی ۱۸۵۳ء کی خدہ کو گورنر جنرل یا ایجنس کو نسل نے منظوری دی جبکہ ۷ جون ۱۸۵۳ء کا کوئی خط سپریم کونسل میں قطعی پیش نہیں کیا گیا۔ سوم یہ کہ بعض اعلیٰ دوسری خدہ کو لارڈ لیک نے بلاشبہ طور پر ہادی کیا تب بھی کہ گورنر جنرل یا ایجنس نے جس چیز کی منظوری دی ہو اسے شروع کر دے۔ چہاں کہ یہ کہ خدہ ہو چکی کی مگر وہ اصلی ہے یا جعلی صرف ایک خدہ کے جاندار کا حق رہی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے سفارشی کی کہ خدہ کی سچائی سے پہلے میں کی جائے۔

چونکہ سر جان ہیکم نے لارڈ لیک کے قتلے جیسا وقت گزارا تھا ۲۳ اکتوبر ۱۸۵۳ء کو وہ کثافات میں پر بھڑکا تھا۔ ہیکم کو بھڑکا کہ وہ اپنی رائے سے مسٹر سوئس نے اپنے خط میں وہ انہوں نے حکومت کو بھیجے ہوئے کے خلاف ٹیکسٹری میسج نوٹس کو لکھا تھا بلکہ وہ داری کی خدہ جس پر اعتراض کیا گیا ہے اس کی پشت پر انگریزی میں کوئی دیکھا نہیں ہے جیسا کہ لکھا ہے۔ ہیکم نے خدہ کو پانچا اور ۳۰ نومبر ۱۸۵۳ء کو جواب دیا کہ اس خط پر لارڈ لیک ہی کے دیکھا ہے۔ وہ بے حد مصیبت کا بیان تھا اور دوسروں کے کثافات میں پر فیصلہ کیا جاتا ہے جسے تھا صحیح ہو گئے تھے۔ جواب امر اعلیٰ خدہ میں کے لوگوں میں بڑا ہل مچا دیکھتے ہیں۔ لارڈ لیک اور تمام لوگ یہ جواب کو جانتے ہیں اس پر بڑا اعتبار دیکھتے ہیں۔ یہی کے ہاتھوں میں ان کی بڑی عزت و تکریم ہے۔ سوچا بھی نہیں جا سکا کہ انہوں نے کوئی جعلی خدہ چار کر لی ہو گی جیسا کہ فرض کر لیا گیا ہے۔ اگر جواب نے لیا کیا ہو تو دوسرے لوگ جو اس معاملہ سے متعلق ہیں شکایت پیش کر سکتے ہیں تحقیقات کی بنیاد پر لارڈ ایسٹنک نے ۲۷ جنوری ۱۸۵۴ء کو غالب کے خلاف فیصلہ جاری کیا۔

وہ کیا حوالہ دے کہ سر جان ہیکم متعدد بار نتیجہ پر پہنچا ہے حقیقت باقی رہتی ہے کہ ۷ جون ۱۸۵۳ء کی خدہ دوسری خدہ کو گورنر جنرل یا ایجنس نے ۷ مئی ۱۸۵۳ء کو ہادی کی خدہ شروع نہیں کر سکتی تھی۔ دوم یہ کہ کرنل ہیکم نے حکومت کے ان کثافات کو ۱۷ جون ۱۸۵۳ء کو وصول کیا اور دیکھا کہ یہی خدہ ان اعلیٰ خدہ کو چاری کی گئی اس کا ذکر نہیں کرتے۔ تجربہ ہے کہ ۷ جون ۱۸۵۳ء کو ہادی خدہ منہ غالب سے متعلق تھی جس میں مرزا فخر لکھا گیا تھا۔ اگر ہم غالب پر اعتبار کر لیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انگریز نظام انہیں مرزا فخر کے طرف سے اعلیٰ نہیں جانتے تھے۔ حالانکہ انہیں خدہ میں صرف مرزا فخر کا ذکر کیا گیا ہے جس کا کام نہیں لکھا گیا کسی سرکاری کثافات میں یہ غیر معمولی بات معلوم ہوتی ہے اور غالب کے پاس نے خدہ میں سرکاری ہڈا میں اس کی کوئی اصل نہیں ملتی اور سب سے آخری بات یہ کہ لارڈ لیک کے دیکھا خدہ کے اراکے کے سب سے پہلے کے خدہ میں ہیں اور سرکاری ریکارڈ میں نہیں ہیں۔ طرح دیکھا نہیں کئے گئے۔ چہاں شکوک پیدا کرتی ہیں کہ امر اعلیٰ خدہ میں اس کی کوئی اصل نہیں ملتی۔

چونکہ ۷ جون ۱۸۵۳ء نے وہ خدہ ہادی کی ہو چکا ہے کہ غالب جس شخص پر شکوک کئے تھے وہی شخص نام نہاد انگریز کہ ان کا لکھنا ہی

عارضی قیام کی طرف سے پختہ طور پر نسبت ثابت ہو چکی ہوتی ہے کہ مشرقی ہندوستان میں رہنے والے مختلف قسم کے لوگوں سے بہت راستہ رابطہ قائم ہوا اور ان کی ضرورتِ اہمیت میں سب کا اتفاق ہوا جن ممالک پر وہ گئے جن لوگوں سے ملنے کے بارے میں معلومات کا چلن یا غرض ان کے ہاتھ آیا اور غالب نے اثرات قبول کئے۔ سب سے پہلے پور نکھن، گورکھ، کدو میں، بدھ لوگ ان کے ساتھ رہا کرتا تھا اس سے وہ واقف ہوئے اور ان پر آج کا اس اعتبار سے باور رکھو کہ انہیں عربی طبعیت سمجھنا پڑی لیکن پھر اور عارضی کے قیام کی وہ بہت فوٹو گرافیں ساتھ لے گئے تھے۔

عارضی میں تقریباً چار پختے ان کا قیام رہا اس دلچسپی شر کے خوشا مطلقاً یہاں کی شمالی لائٹ اور گھاس کی بڑی اور خوشبو دار پھاڑوں نے غالب کو بکرا لیا جن کی اس وقت سے سرشار اور شر کے سمور کی حسن میں گرفتار ہو کر غالب کا خیال بدلوں کو بھرا گیا اور انہوں نے ایک مثنوی ”تہذیبِ دیہ“ کہی جو ان کے شمارِ فنی کا ایک نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ مشرقی خوش طبعی ثقافتِ جنوبی (دکنہ) سے وہ کسی قدر مرعوب ہوئے اس کا اندازہ اس خط سے لگایا جاسکتا ہے جو غالب نے پھر کے مولوی محمد علی خان کو لکھا تھا۔ ”یہ خواہش پیدا ہوئی کہ متعدد رنگ کردوں۔ ہاتھ میں ایک گلاب ہو، پٹوئی پر ننگ (تشمش) اور میری پشت کے گرد چوڑا ایک حرکت دھارے ہو۔ میں گنگا کے کنارے بیٹوں، گنگا میں اپنے دھوکے ٹھہرتے، کو اپنی ذات (سینٹ) سے دھواؤں اور ایک شہر کی باتوں دوا کا 2 میں چلاؤ۔ بعد کی تعلیمات میں اس شر کے اثر کو پہچانی دیکھا جاسکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ عارضی میں مستقل قیام کرنا چاہتے تھے۔ لیکن انہیں شر کو بھرو کر نکلتے دیکھا، مگر اپنے بھائی کے عہدہ کی جڑی کر گئی۔

لکھنؤ میں غالب کا قیام تقریباً اٹھارہ ماہ اور اصل دھوکے کا رہا اس شر سے بہت ہو گئی۔ جسم کی سلاط کے اعتبار سے تب وہ اسی رہا اس آگنی اور بہت پرانے امراضِ غالب ہو گئے۔ موسمِ سہا میں وہ میں قیام کے ساتھ تازہ خیال کا پانی پیتے۔ لیکن جب انہوں نے شر شروع ہونا تو رک کر دیتے۔ حقیقت وہی کی آپ وہاں کی نسبت لکھنؤ کی آپ وہاں انہوں نے زیادہ ہم جڑاؤں اور اس کی ٹھن میں ایک عقیدہ لکھنؤ بہت دور تھا۔ انگریز سلطنت ہوئی ہے جب ہم اٹھارویں صدی کے اختتام پر ایک ہری شاعر کو لکھنؤ کی تپ وہاں کو برا بھلا کہتے تھے۔ لکھنؤ کی آپ وہاں کے بارے میں زیادہ عجیب اور حیران کن دے بھلے کے ہری واقعہ لکھنؤ کے قلم سے ملتی ہے جس کا مطالعہ ہے کہ موسمِ سہا کے چار ماہ آپ وہاں لکھنؤ زیادہ غیر صحت بخشنے میں ہوتی تھیں موسمِ گرما اور بارش کے موسم کے اٹھارہ تو آپ وہاں سخت غیر صحت بخشنے میں ہوتی ہے۔“

لکھنؤ میں ان کے مہذب نے جس گرمی ہوئی ہے انہیں خوش آمدید کہا وہ اس شر سے بہت میں ایک لفظی ضرر ہو گیا جب کہی وہ بجلی علی اکبر خان سے ڈاکٹری میں مرحوم خاں سراج الدین خان کی جد سے ملنے گئے انہیں احساس ہوا ہے کہ اپنے گھر میں ہوں۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں مولوی سراج الدین علی خاں، مولوی عبدالکرم، علی خاں علی خاں، ”گنگا“ ”مردا“ ”جنگ“ ”خان“ چن اور دیگر شخص اور چلن اعتبار دوست بھر آئے۔ یہ شر شروع ہوا تھے اور انہوں نے جلد سے شاعر کو اپنے مقام اور لکھنؤ کے اہل اہمیت سے حشر کر دیا ہو گا۔

اس کے علاوہ غالب کی فارسی شاعری کی اصل قدردانیت کا اعتراف ہولے کے، انہیں کے دیکھ کر مرزا علی خاں نے کہا۔ انہوں نے مشاعر میں بہت ہی کی تحریف کی اس کے بعد وہ اپنی سرکار ہوا۔ صرف یہ کہ سیرِ محرم نے غالب کی تصنیف و تالیف کی ایک ہی کے دوست مولوی سراج الدین اور علی اکبر خان نے ان کی طبیعت اور دلچسپی کی علی اکبر خان کے کہنے پر غالب نے اپنی جگہ لکھا کہ ستر تیس کا خضر اور چاند گلاب ختم ہو۔

مہذب کی دلچسپی کے علاوہ لکھنؤ میں غالب کو انگریز اطراف کی پوری پوری طبیعت حاصل تھی۔ جب کہی غالب حکومت کے تکراری

غالب کے فلسفیانہ افکار

غالب عقلیتِ قائمہ اس نے فلسفہ کے کوئی اصول وضع کیسہ بنیادی طور پر شاعر تھا لیکن اس کے اکثر اشعار میں فلسفیانہ خیالات رہے ہیں پھر آتے ہیں۔

فلسفہ نام ہے کلیاتِ انسانیت، طبیعتِ انسانیات اور اصول کے مجموعے کا لیکن طبیعت اور عناصرات اور اسے نزدیک فلسفہ کے حدود سے خارج ہیں کیونکہ یہ دراصل تجزیاتی علوم ہیں جو مانتیں کھاتے ہیں۔ کلیات کا بیشتر حصہ بھی تجزیات اور حقیقتات پر مبنی ہے لہذا اسے بھی فلسفہ میں شامل نہ کرنا چاہیے۔ انسانیت ہے ایک فلسفہ ہے اور اس کے مسائل کم و بیش اپنی اہمیت سے تحقیق دیکھتے ہیں۔ علمِ انسانی، انسانیات اور سیاست بھی فلسفہ میں داخل ہیں لیکن یہ انہیں عقلمن رہے کہ فلسفہ ہی وقت تک فلسفہ رہتا ہے جب تک اس میں جذبہ کی طاقت نہ ہو۔ سو سو دہائی کی آمیزش کے بعد یہ شعر کا روپ اختیار کر لیتا ہے اور جب کوئی بالکل شاعر علم و حکمت کے انہی مسائل کو اپنے جذبہ اور وجدان کی بدولت شعر کے قالب میں داخل کر نہ لیتا لیکن اور غور و غیبیہ اور استدلال میں بیان کرتا ہے تو حقائق کے اگلے ہونے نہ سمجھ جاتے ہیں اور حقیقی اور تخیلی امتزاج بھی تلف دینے لگتے ہیں۔

شاعر عالم تخلیق کا بدشاہ ہوتا ہے اس کے افکار کی بڑی حق اور دلپذیری اسی سے وابستہ ہوتی ہے جو لطافت کے مظاہر اور حیاتِ انمولات کے حاضر دیکھتا ہے اور ان کے مطابق تخلیق کر لے لی دنیا میں ہمارا کہ اپنے طوفانِ بکھرے ان کی پورائی کرنا ہے۔ اس کا احساس اس قدر شدید ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان تخلیقاتی نیکوئی سے وابستہ کر لیتا ہے اور پھر انہیں ایک ایک کر کے اپنی وصیت کا لباس پہنا کر اپنے رنگ میں ہمارے ملتے لاتا ہے کہ ہم حجاز ہونے نظر نہیں دیتے۔ یہی سچ حقائقِ حیات کا نام پاتی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ عالم تخلیق میں کم ہو کہ شاعر کو کچھ کہے وہ حقا، حقا، درست اور حقیقی عقل بھی ہو۔

وحدتِ الوجود

غالب کے کلام میں وحدتِ الوجود کا مسئلہ سب سے نمایاں ہے جس کے سنی یہ ہیں کہ کائنات کا ہر ذرہ اور ہر حیاتِ عالم کی ہر شے شے حقیقی کے نور سے معمور ہے اور ہر چیز میں اس کا تصور ہے۔ شے کا تمام پہلو کی سرگرمیوں لہلہ کی فکر، غلیظی کی تازہ درجہ، دنیا کی مسئلہ خرابی پانی کی دھاتی سمجھوں کا رقص، سونہ کا ازبوش و خوش اور لدا اڑ ہے۔ اسی کا فیض ہے اسی ہمارے قالب کتاب ہے۔

اور جہاں تکلیف مستحق نہیں

ہم کہیں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا غوریں

شاعر کا یہ جتنی دُرِ حسن ہوتا ہے۔ غالب جس وقت دنیا اور اس کی سمجھوتہ پر نظر ڈالتا ہے تو اسے ایک جگہ ہر شے پر جاری و ساری دیکھتی رہتی ہے۔ یہ ہے اختیارِ پارِ امان ہے۔

صد جہاں دیدہ ہے ہو شکرِ اہلبے

ملکت کمال کہ حد کا انکسار اہلبے

وہ اس بات کو ثابت کرتا ہوا کہ کائنات کی حرکت و زلزلت کی تخلیق اور عالم کی گردش لہذا ایک بات سے وابستہ ہے جس میں دنیا کی چھائیں

نہیں جانتا ہے

ہاتھی ہلکے در وحدت کی جگہ چلی
سودا، ۱۹، ٹولین دودا پر کوی کھلتے

یعنی جس طرح سودا سوسے کو اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے اسی طرح ہندو، ہنگر، کھوت کے وحدت میں وہی نہیں رہ سکتے۔
ایک اور مقام پر وہ اسی شخص کو اسے اٹھا کر میں چلی کرتا ہے:

عالم آئینہ راجست پہ بچا چہ لعل
کپ کھنڈ غاری چہ لکھے دراب

غالب وحدت اللہ کے مسئلے کو اس طرح بھی سمجھ کرتا ہے:

ہفت رو دکھوت غفل وحدت دلت
کچے یکیت ہوا گر ہوا ہزار کھ

مطلب یہ ہے کہ کھوت وحدت پر غالب نہیں ہو سکتی۔ اگلی جگہ اگلی دے گی چاہے اسے ہزار بار ٹھکر کر لیا جائے۔ اگر تو وحدت کو سمجھتا
چلتا ہے تو فلسفہ کی کھوت آرائیوں میں نہ پھنس، اس سے تو حیرانی کے ظلم ہو شوا میں جتا ہو جائے گا۔
پھر کہتا ہے کہ یہ عالم ہے تو نے خدا بنائے کیا کھ دیکھا ہے کھ دلت دیکھ کر ہوا کہ ہے وہ دلت ایسا ہے۔ کسی چیز سے مرکب
نہیں، مسبب ہے تمام مخلوق عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔

اے کھ پکاش کھور کھ
دوراک خنی کھور دور لم د چ
عالم کہ تو چور دیکھش میدانی
دلت سے ایسا ہوا دیکھ چ

اسی خیال کو ایک اور مقام پر یوں بیان کرتا ہے:

حق درانیت وحدت طورہ ی کھور
وچہ خراسانی ست چچہ دھچہ ۲ حق باطل ست

غالب وحدت کے لئے میں کھ سرشار ہو جاتا ہے کہ اب وہ اپنے گرو چلی، پھر کھ ہے تو اسے دنیا کی ہر شے اسی رنگ میں رنگی نظر آتی
ہے۔ مگر ہر کھوت کی طورہ وہی اسے پہنچان کر دیتی ہیں اور وہ سچا حیرت ہی جانتا ہے۔

ہپ کہ تھ ہی نہیں کوئی سودا
پھر یہ ہلکے اسے خدا کیا ہے؟

یہ پائی پورا لوگ کیسے ہیں
 کون دھندلا دھوا کیا ہے؟
 جسکی زلف چھری کیوں ہے؟
 لگ چٹم سر سا کیا ہے؟
 ہزار دہلی کیل سے آئے ہیں
 اور کہا جاتا ہے برا کیا ہے؟

انسان کی ہستی صوفیائے کرام کی تھریں خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کا آئینہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس شخص نے اپنی ذات کا
 عرق حاصل کر لیا، اس نے ذات پاری کو جان لیا۔ غالب اس عقیدے کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کرتا ہے:

ہے ہونگی نظر رسوائی تو ختم
 درہم یک خلق کوشائی تو ختم
 عقل ہے ضمیر خدا عقل طرازم
 مانتا کہ ہو دعویٰ پیدائی تو ختم

من عرف نفسه فقد عرف ربه

کی اس سے واضح تھریا کیا ہو سکتی ہے؟

انسان عقلی سے پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے ہوا خیال کرتا ہے جاتا کہ آئینہ کا ذہن وہی اہل عقاب حقیقت کا عکس ہے:

بہیں کہ در گل دلی جاوہر کے برائے ذہیت
 صوفی رتبہ زحق غالب رضائے ذہیت
 چہ ناکہ کہ نور و فراق ی علی
 فی دلی کہ درجی پہن ہم نوائے ذہیت

بہارِ دگر

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں یا یہ کہہ
 کہ جب دل میں نہیں تم ہو تو انھوں سے لڑی کیوں ہو

نظریہ ارتقاء

مورخ قسطنطنیہ کا ایم ڈی سنہ "نظریہ ارتقاء" ہے۔ اگرچہ قدیم شعرائے بھی اس کا قیام فرما چکی ہے۔ مگر غالب نے اسے جس رنگ
 میں پیش کیا ہے، وہ سب سے الگ اور دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے:

آرامگی میں سے طبع نہیں ہوا
بقیہ نظر ہے آئینہ دائم نگاہ میں

یعنی شہد حقیقی عالم موجودات کی نگاہ میں چھپ کر آئینے کے آئینے میں صوف ہے اور اپنے رخِ دانش کو جگہ جمیل سے
آرامت کر رہا ہے۔ جب یہ آرامگاہِ دلچسپی مکمل ہو جائے گی تو وہ اپنے چہرے سے نگاہِ انت دے لگا اس وقت دیکھنے والے پھر انہیں
کے۔

کس کا سرخ جلوہ ہے حیرت کو اسے خدا
آئینہ فرقی طفلی بہت انگار ہے

گوا قدرت کی سرکاریاں اہلی درجہ جمیل کو نہیں پہنچیں۔ بلکہ مزہ لڑکھا کا کھڑا کر رہا ہے۔
یادِ بھٹی کھائے دیے تم بھر
بہانگہ میں دآر مہدم بھر
دوہدانہ بلیڈ دانتیل گہ ش
ورنگار ۱۱ دم بید تم بھر

یورپ کے حکمائے زندگی کے ہارے میں صحت سے نگریہ قائم کیے ہیں جن میں سے دو خاص طور پر تھل اکر ہیں۔ ایک صحت کا
قول ہے کہ کوئی شے فائدہ دینا میں قائم نہیں رہ سکتی۔ ہر چیز کے باوجود اس کے لئے کسی دوسری شے کی ضرورت ہے۔ وہ دوسری شے اپنے
انسان نگہ کے مطابق اس شے کا بگڑ نہ دیکھ ہم رکھ دیتی ہے اور یہی ہم اس شے کا صوبہ بن جاتا ہے۔ مثلاً پھر اس وقت پھر ہے جب
انسان اسے پھر کرتا ہے۔ ورنہ وہ بچ ہے۔ اس کو بدعقلی ظنہ کہتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسری صحت کا پھل ہے کہ دنیا کی ہر شے ممکن
پاؤں ہے۔ اسے اپنی جگہ کے لئے کسی دوسری شے کی احتیاج نہیں۔ مثلاً پھر اس وقت بھی پھر ہی خواہ جب اسے دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ یہ
ہستی ظنہ کہتا ہے۔ غالب روحیات کا قائل ہے۔ اس کا قصور یہ ہے کہ یہ دنیا کو ہارے ملتے موجود ہے اور اس کی موجودات کے ہر
تعلق ہم نے رکھ لئے ہیں۔ وہ سب ہارے ان کے انفرادی کہ ہیں۔ ذہن عالم مکمل ایک مہموش ہے۔ اور ہم یہ اس کے لڑا
ہیں اسی مہموشی میں شامل ہیں۔

ہانچے سلطان ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شبِ روز گنا میرے آگے

اک کھیل ہے اورنگِ طیل میں میرے نزدیک
اک بات ہے اور سب میرے آگے
جو ہم نہیں صورتِ عالم لئے حضور
ہم جو نہیں ہستی اشیاء میرے آگے

اورے صوفیہ کا نظریہ اسی اس سے ملتا جلتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا کی پیدائش ایک نکلنے سے ہوئی اور پھر نگہ کوئی جتنی نہیں
دیکھا اس لئے اس سے پیداشدہ چیز بھی بے حقیقت ہے۔ لہذا وہ مختلف شکلیں ہی کہیں نہ اختیار کرے۔ سب کچھ ہے:

ہاں کائنات سے فریب جتنی
ہر چہ کہیں کہ ہے نہیں ہے

وہ کہتے حتم ہے کچھ ہے:

شبہ جتنی مطلق کے کر ہے عالم
لوگ کہتے ہیں کہ ہے ہاں نہیں منظور نہیں

دعوت اللہ اور کلیت مہم کی حقیقت دے کہ قلم و صبح و صبا کے بچے دھنچکے ہونے کو اس سے نواں عالم نہیں سمجھتا اور
لطیف چرایہ میں جیت نہیں کیا جاسکتا

ہے مشکل نمود صمد پر دودا دگر
ہاں کیا دھرا ہے قلم و صبح و صبا میں

روح کی آفرینش

روح اور اس کی آفرینش ایسے موضوعات ہیں جن پر عوام اور دانشا کے علماء نے بحث کچھ لکھا ہے مگر ادبے شعرا نے اپنی دلیلی
دلائل سے اس دلیلی مسئلے کو چٹائی کر کے بھلوا ہے۔ سب کچھ بھی حقیقت کی پہچان کرنا ہوا کہتے پر زور اور حقیقت آموز چرایہ میں کہتا ہے
کہ میری روح اس وقت پیدا ہوئی جب کائنات کی ہر شے غری سے ناکشا تھی۔ نہ ہاتھ میں نیا تھی نہ جملوں میں ہلک نہ صبح میں
روحانی مہا غلام ملا سے ٹھٹھک تھی پھل کست سے عوام تھے اور پر نہ طاقت پر داز سے مطہر نہ

ہاں بحر خیزم کہ مہ دا در شستنی دودا ہم
شب مہ لپٹیاں دودریں گردنہ لپٹیاں دودا ہم

لخت خلوت جلتہ دودریں کا نجا دودر
دودا را دودر دوداں دودر دوداں دودا ہم

ہر چکے فارغ دلیلو ہر چکے نازوں غریلو
لوگے دودر دودر غریلو دودر دودا ہم

ہرگز اسے ہلاں پہ رسولی نہ ہلاں دل کہ من
ہاں دا دودر دودر دوداں دوداں دودا ہم

لوں شمعِ تو تو ہوا دہلہ کے ہوا
 کھلی مرا تیرا سہیلے کھپتی
 از چہ لعلِ کبیر کوئی عیدہ
 اسے دیدہ تو چہ لپٹے کھپتی
 چچہ کھڑی ہر سچے کی ہوا
 اسے سب برگ میں کہ تو ہوا کھپتی

نکھائے مشرق و مغرب کی ایک ازبست دعوت اس امرِ حق ہے کہ حقیقت عالم کے چہرے پر امورِ دراز کا نہ پتہ لگائی جاتا ہوا
 ہے اس کا ہٹا ٹکٹن نہیں اور بقول مہفوز قیرا کہ:

کیسے کسی کٹھن دکھائی نکلتے ہیں معدا

سب نے اپنی چٹائی کا اظہار کیا ہے مگر غالب ان سب سے الگ ہو کر کہتا ہے کہ اگر عیادت آئیں نہ ہو نا ایک دھواں ہو نا تو مہمان کو
 نہ قند ہم باغ میں ہو کر چٹ رہے اور شوق و آرزو کی نکل سے بچ جائے مگر مشکل یہ ہے کہ وہ جس طرح آئیں نہیں اسی طرح دھواں
 بھی نہیں اس لیے شوقِ آرزو کی نکل قائم ہے

لٹا تا اگر نہیں آئیں تو سل ہے
 دھواں تو یہی ہے کہ دھواں بھی نہیں

بھرکتا ہے

حرم نہیں ہے تو ہی لوہائے راز کا
 ہوا دہلہ ہو چاہے ہے پتہ ہے سوا کا

مجھ راز کے نقوش سے تو ہی وقت نہیں دہلے بظاہر جو چاہے نظر نہ پے ہیں وہ بھی پتہ سوا کی طرح اسرارِ حق کے رازِ حجب
 رہے ہیں۔
 یہ شعر بھی ایسا ہی ہے۔

عقلِ فریادی ہے کس کی شوقی قہر کا
 کھڑی ہے دیرانی ہر جگہ قصور کا

فلسفہ حیاتیت

عجب نے جس دن نے میں آنکھ کھولی میں وقتِ مسافروں کی سطحیں ایک ایک کر کے مٹ رہی تھیں۔ قومِ افسانہ اور چہ کی

طرب قدم بیخا رہی تھی۔ عورت نہایت دوز بوز ملک ہو رہا تھا۔ بے دھڑکی طور فرضی اور کوئی نظری کی ہر طرف گرم چاندنی تھی۔ مسرت و اہل کی فراوانی اور تواسخ افسانہ لائی حوصلگی اور طور واری کا قلعہ قلعہ خود غالب کی حالت پر تھی کہ جان کے لئے پڑے ہوئے تھے۔ سلطان نہایت کی کی اور قدردانی کی گفت نے قوم میں اس کا اثر کر رکھا تھا۔ ان کے نزدیک اسلامی زندگی ایک عجوبہ اور حیات بشری ایک کھفہ تھی۔ عورت نہایت قلب صحت اور راحت دہانی کے لئے ترستے تھے۔ اس قسم کے جلاوطنی حالت میں ان کا کام جتنا بھی کم کریں اور جن انگیز ہو یا کم قلعہ نگار غالب اس قدر باطنی اور کشمکش میں گھر کر رہی تھی کہتا ہے کہ انسان کو آزاد خیال اعلیٰ سے بلند نظر اصرار اور دلیری کر رہتا ہے اور عورتوں کے پاس اپنے آپ کا شکوہ بامراد رکھتا ہے۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے اگر انسان حیرت آسانی کا شکار ہو سکتا ہے تو وہ اپنے دماغی بھی اختیار کر سکتا ہے۔ جن سے تحریرات اور علم دور ہوں۔

میں اور راحت اور طوفانی دل کی تڑپ ہر طرف میں شعور میں موانع اور عظیم ہی دیتے رہے ہیں۔ حافظ بھی قلعہ مسرت حیرت نے کر چاہا کرتا رہا ہے۔ عمر اس کا قلعہ سے آفریں نہیں ہو سکتا ہے کہ دنیا بھر دوز ہے اس کی تیرگیوں عقل پر تب ہیں جس نے لکھی مہم جوئی کے لئے اپنا دل بے مروت نہایت سکون اور طمانیت قیام نہیں کئی چاہیے اور پھر کہ دنیا بھگتے ہوئے تو نہ مروت تو قلعہ چاندنی اور قلعہ اختیار کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے اس کا خیال بھڑو دیا ہے۔

اس قلعہ صحت کا دوسرا جو مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ میں نہیں چیتے اہل میں کوئی داخل نہیں ہو شخص جس حالت میں ہے نہ اہل نے ایسا دیا ہے۔ ہم کہا ہیں کہ خدا کے ارادے کے بغیر دولت کر نہیں ہو سکتی۔ یہ حیرانہ کا نہیں بنانا پڑے گا۔ ان نہایت کا اثر ہے جو اگر قوم کی قوم پر نمود و نمود طاری ہو کہ ہمیں فٹ نہیں اور سختیں مل گئیں۔ مگر غالب کا قلعہ قلعہ کے باطن عارف ہے۔ وہ تو مسئلہ جہر کا قلعہ ہے اور اور نہ 'تعلیق' قلعہ اور سبکی شمس کا قلعہ ہے۔ اگر سے غوری کرتا ہے تو قلعہ قلعہ قلعہ کرنے کے لئے چننا چکا ہے۔

مے سے فرض قلعہ ہے کہ دوسرا کو

اک گوند ہے غوی مجھے دن رات چاہیے

وہ اگر طوفان دہنے کی تکلیف کرتا ہے تو ساتھ ہی خود دہری اور پند حوصلگی کا درس بھی دیتا ہے۔

میراث دیندہاں دکن شرم کہ در شہر

سکون بود حکم دوا دوا دوا دوا است

گرد و غبار دل صحت سفید است دوا حق

لو اوج حواس است کہ لایک دوا صحت

ہاں ہم دیندہ کہ غرض حق

دوا دوا دوا دوا دوا دوا است

دوا دوا دوا دوا دوا دوا دوا

جان دے دوا دوا دوا دوا دوا است

عالم ایک حکم ہے خوش دل کا فلسفہ اس الفاظ میں بیان کرتا ہے:

مرا کہ چاہے عالم دوزخ گھر ہے
 دلاور است دنیا شوق از بیدار ہے خوش است
 دیکوڑ دیا کست چاہے کہ دوست
 از دل رنجی نفس دہری طالع ہے
 مکن پرت گل و سبزی و دلداری
 دست فتنہ از پی گردے سار ہے

دوسری جگہ یہی لکھا ہے:

یا پہلے دھبہ از سبب چمن ہے گل
 علی حدوتہ اگر خوش دہ کوہ گل
 یا دہ سطر ہم لطف ثقیں سدا
 یا دہ شلبہ کلم دہ کون دہ گل
 شیم طرز قرام قرد نظر دارد
 قیاسی دوش را طرز دیگر گل
 ہزار آئینہ ہزار دہ متعلی دہ
 ہزار نقش دل افروز دہ ہزار گل
 ہوں دلاور کہ صوغ نیست سبقت گل
 از دل شرب کہ ہوا حرام سطر گل
 دگر طرحی بخند دہ ہندی داری
 علم ہر دہ قیاسی سدا گل

دنیا میں کوئی لاشیٰ نہ ہے کیا نہیں جس میں دہ مخالف نور مخلوق کیشتیں نہ ہوں نور کوئی کیفیت الہی نہیں دہ دہ متعلی جوں نور
 مخلوق کے کج نہ ہو یہ کیفیت خود اختیار کی نہ کی جیسے ہر خود پہنچی ہے نور دہ چہ خوشگوار ہو یا ہزار شکار ہے لطف
 ہو یا ہے لطف اچھا ہو یا برا اب اگر چہ خوشگوار ہو تو کچھ لے کر کچھ بھیجے کہ کچھ بھیجے کچھ دے گی ورنہ ہزاری کا نہ دیکھا جیسی ہے ان دہ

مختلف صورتوں کے درمیان صرف ایک امید ہی ہے جو طاری رہائشی کوئی ہے چنانچہ قسم اول نے طوفانی دور غم پر دو حاصر کا کچھ نہ کچھ
 حشر انسان کو روایت کیا ہے اس لئے نامیدی میں بھی کوئی نہ کوئی امید ضرور پوشیدہ ہوتی ہے جو انتہائے یاس میں امدادیں بخشتی ہے۔
 بس یہیں ہر طرف مصیبت ہی مصیبت نظر آتی ہو چاندی طرف سے کسی عید ہو پتھر پاؤں رادھن میں تھک / ریش ہو چپکے
 ہوں دل بچھ گیا ہو جو حق و حواس ایک ایک کر کے ساتھ پھوڑ چپکے ہوں اس وقت امید ہی طاری ہست بختی ہے اس کی بدولت انتہائے
 یاس میں بھی طوفانی کی کرن پھوٹ نکلتی ہے۔ غالب کتا ہے:

عقربہ عقوبہ ہے دریا میں کتا ہو ہلا
 دریا کا سر سے گزرتا ہے دریا ہو ہلا

ا

ایک بجائے پ سو فاق ہے گھر کی دھاتی
 ہونہ ظلم ہی کسی لغزِ ثلوی نہ کسی

ا

عقربہ پارہ دل دلم ترزا کھتا
 لبت دھاتی بتر فوق کھداں ہوتا

غالب کتا ہے کہ قوی کبھی طوفانی میں رہتا کہ نہ جوئے اور رخ میں طوفانی سے بچاں نہ ہو۔ وہوں کا ہونہ برابر ہے۔ جتا ہاں رخ و دلم
 کھ لیں کہ راست کامروا جیسا ہی کوئے گا کبھی نہ سنے کہ نہیں ہی سکتے ہیں۔ راست کا لطف غم کے بعد ہی ہے۔ ورنہ غم فراموشی
 پر ہم عقربہ ہر وقت اسی دھڑکے میں رہیں گے کہ پتھریں آگے چلی کر کسی قدر غم انہیں بھیجنا چاہئے غالب کتا ہے:

رخ سے ہو کر ہوا فتنہ تو مست ہوتا ہے رخ
 چٹکیں اٹھی ہیں چھو پے کہ تملی ہو گئیں
 نہ لٹی شریعت نہ ریت کب رخ کو میدی
 کھ المرس لما بعد تجوید کتا ہے

فلسفہ اختلاف

غالب نے اکثر اخلاقی اوصاف مثلاً عزت، عین، کمالات، موصوفی اور اختلاف کے حلقے میں اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ وہ ایک
 اہل کی تحقیق اس لئے نہیں کرتا کہ یہ اخلاقی و دماغ کے لئے اہل ہیں چنانچہ اس لئے کہ لوگ ایک ہیں اور خدا کی عبادت خاص
 اسی کے لئے کریں۔ مگر لوگ عبادت اس طرح کرتے ہیں کہ عبادت کے لئے کی نہیں شہ اور شراب، طہور، ہی تو ہشت کے دماغ میں
 مومک رہا چاہیے تاکہ یہ لگا جاتی نہ رہے۔

طاقت میں گرے نہ سے ہاتھوں کی دگ
 دھڑ میں ڈال نہ کوئی سے کر جھٹکے آ

وہ فحشیت کے جوش اور خود لاری کے نقشے میں مدھوش ہو کر نکلتا ہے

گر وہ خود سوال دہی سرائے
 ہلاوتی ہم زبوں کی خواہم
 یوسف از سحر کشتہ جوشی حل دہی
 افغانی دہی ی خواہم
 گریہ و زاری خود ہر دم
 ہر شہنشاہی کی خواہم

تھکے لب پر مائل دہا فحشیت میں دم
 گر کھنچ اتر گئیں جتن دھڑکی مرا
 دھڑکی لم وسط لذت از درم دہا
 ہنسے کہ ہیں ہر جھڑکیاں دہم
 بلکہ تھری شعلے ہر دہی دہم
 مدد گدوم دہے خود جھنڈی دہم
 نہ کہ رنج جھڑکیاں ہوں نکھ
 ہر تھڑکیاں جھنڈی جھڑکی دہم

ازم بیکت کہ پڑا جہاد مر
 در خدا شکست مسیحا خود ہلاک

جانب یہ بھی لکھا ہے کہ اپنے کو طور خود لگو خود یہ لیل نہ کہ کہ قہر سے اٹھ جائے سے دنیا لقم ہو جائے گی۔

پہلے حشک دہنے پہلے لٹاؤں ہزار
 اسے کہ درواہ حق چوں تو گزار خود دولت

وہ استقلال کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے

یہ لڑی کہ دریں شعرا مصداقت اسے
 ہمسہ کی ہر دم را کہے طاقت اسے

ہر طرح کی کاوری دیکھا ہوا کرتا ہے:

ہست دوم یقیناً د لڑکے طلب کی
بھین مٹھو مہاں دوشوار میا ہوا

انقلابات میں غالب کی مندرجہ ذیل غزل اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک اردو زبان قائم ہے:

د منہ کر رہا کسے کوئی
د کھو کر برا کسے کوئی
ہواک تو کر غلا چے کوئی
بٹلی ہو کر خطا کسے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند
کس کی حاجت روا کسے کوئی
کیا کیا فخر نے سکھو سے
اپ کسے رہنا کسے کوئی
ہب دلیج ہی اٹھ گئی غالب
کہوں کس کا گھر کسے کوئی

سے غائب ہو جانے کی بنا پر وہ ناک و نور و عظام سے رہیں، تو آپ گدلوگ اس کی حالت پر ہنس پڑیں گے لیکن اس جگہ پہنچنے کے بعد وہ گھٹنے دلا گھٹائے میں نہ رہے گا، ان کے بعد وہ غلیظ اور پختہ پختگی کی طرح کتاب کے عقل اس کا ہم بھی بر حال شہرت پا جائے گا، ایک بات ہے کہ دنیا سے آپ میں اس کا شہرہ حق قصوں میں نہیں طرف داروں میں کیا جائے گا۔

اس کے برعکس اگر آپ احرام و اعتقاد کے ساتھ کتاب کے غلو فن کی بنا پر پڑھیں، تو غلو رائے کی کو عقل کریں اور آپ کی فکر کسی پہنچنے تک پہنچے میں کتاب بھی ہو جائے تو میں فکر ہے کہ آپ کی حالت میں بھی ہوئی حقیقی و تہذیبی صلاحیتیں میری سے ابھر کر سفر عام پر آجائیں اور دو سوئوں کو آپ کی پہنچ کا قافیہ کر دیں، میں یہ بات عرض نہیں کہ وہ اردو کے بہت سے ایسے عقل و فہم ہیں جو صرف اسی کو عقل کی بدولت علمی و ادبی حلقوں میں محترم اور اپنے ہم معیاروں میں سر بلند و ممتاز ہوتے ہیں۔ لیکن صرف کتاب نگاری نے ان کا ہم کو آپ میں لایا کیا ہے، چونکہ وہ ادبی و فنی کی نگار فہم پر کئی ہی کمزوری ہیں، لیکن وہ دینی و لیکن آج بھی جانتے اگر وہ محاسن کام غائب نہ تھے جانتے تو ادبی حلقوں میں خود کی حیثیت سے ان کا ہم بھی بنتے ہیں نہ آج کل جو ان کے نام نے اسلامی تعلیمات اور ملی تحریکات پر جو بکھ کھایا ہے، ہمیں اس جگہ اس سے سوکار نہیں لیکن کتاب جانتے ہیں کہ وہ آپ میں انہیں جو شہرت و عزت ملی ہے وہ "کتاب نگار" کے مصنف کی حیثیت سے ملی ہے۔ اسی طرح یہ دیکھ کر بھی ملے، جو شہرہ و اعتبار ملی جس عوامی و فاضل عوام و لوگوں، ملک و نام و جائزہ و قدرتی امور اگر وہ مونا و نام رسول صر کے علمی و ادبی کورسے اور بھی ہیں لیکن اور حقیقی و عقیدہ میں انہیں جو اعزاز و قدرہ حاصل ہے وہ صرف غائب اور غائبانہ پر گہری فکر رکھنے کا نام ہے۔ لیکن "دوسرے اہل فہم" و ان کے شہرت و سزاوری ایک ممتاز فکر کی حیثیت سے اول اول فہم کام غائب ہی کی بدولت سفر عام پر آتے ہیں، یہ دیکھ کر بھی وہ غلو اور کتاب نگار نے جو بکھ کھایا ہے، لیکن ان کی فکر میں اس میں انہوں نے غائب کے سلسلے میں جس طرف فکری کا ثبوت دیا ہے اس نے انہیں صاحب بصیرت و عقیدہ کی صف میں ڈال دیا، ان کا سفر و موافقہ مطالعہ نے بڑا ہے جو غائب کے سلسلے میں لکھے گئے ہیں اردو کے لکھنے والے کو آپ میں بھی انہیں نے صرف پچھلے چند برسوں سے دیکھا، لیکن شہرہ کیا ہے، لیکن گوشت و دہن میں انہوں نے غائب پر جس دائرہ و احاطہ سے لکھا ہے اور جس عظیم جہدوں میں جس تکیدی و تحصیل کے ساتھ غائبانہ کا شہرہ چار کیا ہے اس نے ان کے فہم میں بہت جلد شہرہ اعتبار پیدا کر دی ہے، لیکن شہرہ بھی صرف غائب اور کام غائب کی بدولت صوف ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر بھی رات و شب بھی شہرہ جلد ہی میرا سید جگہ میرا ہادی آئی اور اس طرح کے نہ جانتے کچھ اہل فہم میں جن کے نام ادبی عقیدہ و کتاب میں صرف کام غائب کی شرح لکھنے کے سبب میری توجہ کا مرکز بنے ہیں، لیکن ان مصوروں کی ہے جنہوں نے شعور غائب کے تصور ہی مرتبے چار کیے ہیں۔ میرا علمی و فنی اور صلاحیت کا عقد مصوری سے بزرگ ادبی حلقوں میں جو عزت و شہرت حاصل ہوئی وہ غائب کی دی ہے۔ ان بزرگوں نے غائب کی عظمت کا احساس ہمیں دلایا ہو یا نہ دلایا ہو لیکن ان کی عظمت کا احساس ہمیں غائب نے ضرور دلایا ہے۔

ان شخصیات سے ان کو ہوا ہو گا کہ غائب کے اثرات ہمارے لب اور لہجوں پر کچھ وسیع اور کچھ گہرے ہیں، بہت ہے کہ ان کی شخصیت یک پہلو نہیں جلتی پہلو ہے ان کا فنی یک رنگ نہیں حد رنگ ہے، مگر ان فہم میں ان کی اولیات ایک وہ نہیں ہیں جن کی اولیت یک شعور نہیں ہزار شعور ہے، لیکن شعور و ادب پر ان کے اسطوار و چار نہیں ہے، فکر میں ان کی ذات یک عظمت نہیں جامع اسطوار ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ اس جامع اسطوار شخصیت سے میری رانجی اپنی نہیں پڑائی ہے اور توجہ سے نہیں شعور ہی سے ہے تو یہ کوئی نئی بات نہ ہو گی لیکن بڑا بات ضرور ہو گی۔ میں نے اپنے کسی مضمون میں لکھا ہے کہ میں غائب کے اس ادبی

کر شعر و سخن پہ دہر آنی ہوسے
دوہاں مرا شہیت پادہی ہوسے
جانب اگر فی غنی رہی ہوسے
کس دہی را ہی کتب آنی ہوسے

اس وقت ایسا لایا ہوا ہے۔

کہ بھوں نام تک لکھتا تھا دیوار دہلی پر

ہوا میں کہ قلم و قریب کے انداز سے دور سے ملے کر میں طبع تک کر اور کر کے باز لکھے جس قسم کا اہل مہول میرا تھا میں
جانب کا ذکر اتنی شہرت اور اتنی کثرت سے سنتے ہیں آج کہ وہ دہلی کے دوسری طبقے کا ایک ہم جہز ہے جسے جیسے شہر خانی کو لکھتے
اور اس سے طلب احمد ہونے کی اہلیت و اہلی کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں
خزوں میں وہ میرے رہا اور مشکل کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں
شہیت و کثرت ہے اس مسئلے عام کی کیا کیفیت ہے اس کے بارے میں کیا عرض کروں میرے دل کی بات، جانب پر غور و غفلت میں غفلت کے
پر غور و غفلت میں غفلت کے بارے میں کیا عرض کروں میرے دل کی بات، جانب پر غور و غفلت میں غفلت کے بارے میں کیا عرض کروں میرے دل کی بات، جانب پر غور و غفلت میں غفلت کے

جانب کے شعر میں غفلت کے بارے میں کیا عرض کروں میرے دل کی بات، جانب پر غور و غفلت میں غفلت کے بارے میں کیا عرض کروں میرے دل کی بات، جانب پر غور و غفلت میں غفلت کے
وہ میرے رہا اور مشکل کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں آج کی کثرت میں
شہیت و کثرت ہے اس مسئلے عام کی کیا کیفیت ہے اس کے بارے میں کیا عرض کروں میرے دل کی بات، جانب پر غور و غفلت میں غفلت کے بارے میں کیا عرض کروں میرے دل کی بات، جانب پر غور و غفلت میں غفلت کے
پر غور و غفلت میں غفلت کے بارے میں کیا عرض کروں میرے دل کی بات، جانب پر غور و غفلت میں غفلت کے بارے میں کیا عرض کروں میرے دل کی بات، جانب پر غور و غفلت میں غفلت کے

غالب اور.....غالب

غالب کی شخصیت اور کام سے میں نے کیلایا؟ وہ کیا متصور یا کیا احساس؟ کیا "فطری و بذاتی حق" تھا جو غالب سے واسطے سے میرے لئے مورد یا مختلف ہو؟۔

غالب سے میری ذہنی فطری اور بذاتی زندگی کو کس عنوان سے جڑا لیا اس سے میں نے کیا پایا اور ذاتی طور پر میرے لئے وہ کیا سہی رکھتا ہے؟۔

غالب جیسے شاعر اور غالب جیسی شخصیت کے خطے میں غالباً یہ مشکل ترین سوالات ہیں۔ غالب کے کسی غالب علم کسی یا شاعر کسی صریح انکار اور فخر کو آج تک یہ علت خاص ملے کرنے کو نہیں کہا گیا ہو۔

لفظ و معنی ایک تیرنگ فن ہیں۔ میں عمر کا ایک یا حصہ اس تیرنگ فنا کا قرائنی بھی رہا ہوں کا میر جی۔ اس پر مشرق و مغرب کے معنی سازوں نے بہت کچھ لکھا۔ میں نے بہت کچھ پڑھا اور شعر تو نہیں لکھیں اس موضوع پر اپنی گفتگو کی کئی بار دہرائی لکھی۔ اس لکھنے اور گوشتوں کی واسطی یا جان جو اس بحث نے مجھ پر مختلف کئے۔۔۔۔۔

پتھر ہیں شروع میں ایک "لیل" قلم و صوت اور حرف کی جڑوں سے گزرا تو ایک لفظ چاہاں سے کیا خاور کیا یا میں پیدا و پندل اور اور ہر دم سب کچھ دہرہ میں گیا۔ پ سے اب تک یہ بحث جاری ہے کہ تیرنگ فنا کی ذہنی لفظ کرنا ہے تو لفظ کیا ہے۔ ہر قسم اور درجہ اور وہاں جیسے انسانی کمالات ہیں۔ انفرادی لفظ اور انکشاف جیسے انسانی احوال ہیں اور ان سب کا سارا اور ذہن ہی لفظ ہے۔ تو لفظ کی پختی اس پہلے لفظ "کس" سے لے کر اب تک صوبوں کے انسانی کمالات پر عید ہونے کی موجودہ معنی تک کیا ہو گی۔

میں نے دسی طالب علمی کے دور میں جب غالب سے تیرنگ فنا اور ہر شے جیسے لفظ نے مجھ تو لفظ کی اس قوت سے بے جا بنے ہوئے بہت بہت تھے ہوا تھا۔ ہر مختلف عالمگیر واقعات عالمگیر تحریکیں مختلف عالمگیر انقلابات میں لفظ کی قوت دیکھی تو ہر دم یہ خیال آتا ہوا کہ اس قوتوں کی بے پناہ آگ سے لفظ مرا کیوں نہیں مٹ سکتی ہیں جاتا کہ غالب کتا ہے کہ وہ ہر شے کی گری سے یہ نتیجہ ہمیں ہوتا ہے۔

مگر یہ بھی غالب ہی نے سکھایا کہ لفظ کی پختی پر غور کہ تو تم دیکھو گے کہ آٹھ سے گنت تک سب کچھ اس میں ہیں اور اس پختی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کو پھیلا یا جا سکتا ہے منکھڑا جا سکتا ہے نہایت و بدل بھی ہوا جا سکتا ہے اور حرکت اور گویا وہ بجلیں بھی اس پختی کی رگ رگ میں سوتی جاسکتی ہیں کہ "میں نے دشت لکھا کہ ایک حق پڑ پڑا پڑا ہے۔ لیل و کو کہ لفظ کے معنی وہی ہیں وہ بقول غالب کسی "لٹائے کچھ رہا رہی" کسی قبیل کسی واقف کے ہیں ہیں۔ لفظ میں معنی والے ہاتھ ہیں۔ کبھی لیے سے کبھی خیال کی قوت سے کہ غالب نے خود را کہ اچھا کے معنی میں استعمال کر دیکھا۔ لفظ کے معنی بدلے جا سکتے ہیں۔ ہر عالمگیر رنگوں تحریکوں اور عالمگیر انقلابی کے اس کو اب لفظ اور آہن گویا دور میں ہو رہا ہے اور لفظ میں معنی کبھی زندہ کبھی مرہ کہہ دیتے ہاتھ ہیں کہ جیسے اب اس کا معنی کچھ نہیں اور جیسے قوت کا معنی اب پانچہ، ترکا ہوا ہے۔

یہ وہ فطری حق ہیں جو ہر دور میں غالب کے لفظ اور ان کا استعمال مجھ پر اور ہر طالب معنی کے لئے مختلف کرتے رہے ہیں۔ لفظ و معنی کے وہاں ہم لفظ و معنی کے عالمی دشمن اور ان کے امکانات کا یہ سلسلہ بہت دور ہے اس کے واسطے سے میں نے جب

رٹائے غالب میں انیس کی رباعی

دلی میں ہندو متا جلی کا تعارف کر لیا جاتا ہے۔ یہ سند "میر انیس کی ایک رباعی پر مبنی ہے جو انیسوں نے غالب کی دہلیت پر نظم کی تھی۔ آخر فروری ۱۸۵۳ء میں راقم کو ایک ہزرگ کے خط سے اس رباعی کا نظم ہوا جس کی حلقہ مہارت یہ تھی۔

میر انیس مرحوم کو غالب سے تعلق قلم غالب کی باب دہشت ہوئی تو میر صاحب مرحوم نے ایک رباعی کہی جو مولانا محمود آباد کے کتب خانے میں میر صاحب کے ہاتھ کی کاپی ہوئی اب تک محفوظ ہے۔ رباعی حسب ذیل ہے :

مگر ہاں سے بارج جنت میں مجھے
مرحوم ہوئے "بارج دہشت میں مجھے
بارج غلی" کا مرتبہ اپنی ہے
غالب "سود لڑنے کی خدمت میں مجھے

مولا محمود آباد اپنے بڑا دل و کرم کی محنت میں مشغول ہے۔ راقم نے کسی سہ ماہی معارف کے بغیر محفل اسی صحن سخن کی بنا پر ۶ مارچ ۱۸۵۳ء کو صاحبزادہ غالب محمد امیر جہاد خان صاحب کی خدمت میں ایک فریضہ لکھائی کیا اور ان سے میزبان دہلیت کی تائید یا تردید کی درخواست کی اور ان سے یہ لہذا بھی کہ اگر مذکورہ رباعی ان کے ذخیرے میں موجود ہو تو اس کا کس مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے ۲۵ مارچ کو مجھے جواب تحریر فرمایا۔ راقم کو جو حسن سخن ان کی دہلیت و دہلیت کی طرف سے تھا ان کے محنت خانے سے اس کی تصدیق ہوئی۔ انہوں نے اس رباعی کے تعلق پان گتہ دہلیت کی تائید بھی لکھائی اور اس کی فوٹو نقل بھی مجھے بھیج دی۔

مارچ شمار کیا غالب محمد امیر جہاد خان کے خط سے معلوم ہوا کہ اس رباعی کا اصلی نسخہ ان کے پاس نہیں ہے لہذا اس نسخہ اصل کی فوٹو کاپی ان کے ذخیرے میں موجود ہے۔ غالب دلی صاحب نے تحریر فرمایا کہ میر محمد ہاں پر میر علی احمد واصل نے اسی خطی نسخہ کا کس انیس صحیفہ لکھا تھا۔ میر محمد ہاں کا انتقال ہو چکا۔ وہ مرحوم مولانا محمد خدا پاشا نے اب اس رباعی کا نسخہ اصل کس کے پاس ہو گا۔

یہ رباعی میر انیس کی دہلیت پر ہے۔ اس کے تحت کے لئے میر "اسے پڑھنا ہی نہیں ہے :

آفتاب کو دیکھ آفتاب

جو غلی شمس "میر انیس کے لکھنا جان شیرینی" زبان نور صوفیہ "ان کے سبک دہلیت سے واقف ہے ان کے نزدیک اس رباعی کا ہر اعرصہ گواہی دیتا ہے کہ یہ انیس کا کام ہے کسی اور کا نہیں۔

اسی طرح اعلیٰ فکر حضرت میر انیس کی اس رباعی کا لفظ انیس ہونا بھی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اب تک میر انیس کے نظم کی تقریریں چنانچہ ان کے قدر دانوں کے ذہن میں موجود ہیں۔ ان خصوص اور بعضی ذخائر کے دارا بعض مطبوعہ کتب میں میر انیس کی تقریروں کے خاک پست پست ہیں مثلاً "مرثیہ انیس" جلد نین "مطلع لکھائی" دہلی ۱۸۳۰ء میں میر انیس کے لکھے ہوئے چار ہندوں کا کس

سید قدرت نقوی

گل رعنا (نسخہ سوید)

۱۵۵۰ء میں گل رعنا کی ترتیب کا کام ختم کیا تو گل رعنا کے دو مطبوعہ نسخے مطہر عام، کچھ تھے ایک مروج ملک رام اور دو سوامیہ دارالاحسن علیہی ان دونوں پر اظہار رائے کے ساتھ ساتھ ان کے تصحیفاتی کوائف بھی شمار و قرائن کی روشنی میں لکھ دیے۔ ملک رام کا مخطوط تو بڑھت جا کر دیکھا جا سکتا تھا لیکن مادی صاحب نے جس مخطوط کو چھاپا ہے اسے لکھ دیا ہے اس کو دیکھ کر دیکھتے نہ جا سکتا اور صرف ان کتبوں کی مدد سے مشکل لفظ کے دو مادی صاحب نے کتب میں قابل کر دیے ہیں اور جن کا پڑھنا ہونے پھر "لئے سے کم ہیں کیونکہ کتب علیحدہ بعد سے اور غیر واضح ہیں لیکن میرے مقصد کے لئے وہ کافی ثابت ہوئے۔

گل رعنا کی اشاعت کے کئی برس بعد لاہور پہلے کا فائق ہوا تو میں نے مادی صاحب سے گل رعنا کی اصل "نسخہ سوید" دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا اور جناب حکیم محمد بی علی صاحب محل سہارا کو اپنی فہم کر کے گل رعنا کا نسخہ دیکھنے کی استدعا کی جسے سہاروں نے شرف قبولیت بخشا اور ملاقات کا وقت طرز فریاد میں طرہ وقت پر پانچواں دن انتظار کے بعد شرف پہنچی حاصل ہوا تو قریب دو گھنٹہ کے بعد خاصی عزت اخذ ہوئی کہ وہ جانی جس میں "گل رعنا" شامل ہے مجھے سامنے کے لئے دی گئی جس نے ایک گھر دیکھنے کے بعد موصوف کی خدمت میں عرض کیا کہ لکھا کا شعر ہے کہ بجز اصل دیکھنے اور امور میں سے شمار و قرائن کی روشنی میں یہاں تک اور وہ ہاتھ کتبوں کے درمیان لفظ نہیں لب اصل دیکھ کر ہی کی تصدیق ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے کچھ خود ہی پڑھا جس نے لکھ موصوف سے اس فہم کا اظہار کر دیا کہ اگر آپ اس کے کتب میں فراہم تو میں یہ نسخہ بھی مروج کر دوں۔ موصوف نے بھی اپنی اور میں کراچی آیا لیکن اسے موصوف کو کتب حاکم کرنے کی یا تصحیفاتی کرائی نہیں دے کر لکھ کر جاگ شد۔

اب نسخہ سوید کی مکمل کیفیت اس لئے زیر غم ہے کہ جناب حکیم محمد بی علی صاحب محل سہارا میں خاصی عزت اخذ ہوئی سامنے صاحب کے وہ فراموش ہو گئی دیکھ اور صاحب کے کتب و دکان سے حقیقی میں لاہور کتب فراہم تو یہ تعلیمات میں ایک گرفتار استاد ہو گا اور اہل علم و ادب حکیم صاحب موصوف سے اس کاروائی کو لائق مدح و تحقیر قرار دیں گے۔

نسخہ سوید اکثراف سب سے پہلے نقوی کے صاحب فہرست دوہی جیسے اثر جس کے ایک مضمون "مخطوط گل رعنا" وہ لکھا صاحب

میں یہ لکھا ہے

"مخطوطی میں "گل رعنا" کے دو حصہ اصل نسخے میرے علم میں آئے ایک حکیم محمد بی علی سہارا صاحب کے ذخیرہ کتب کی خدمت سے کتاب محلول تمام ہے۔ قرائن کتبے ہیں کہ اس کی کتبیت، بحر و جملہ عناصر ہے لیکن یہ نسخہ نامکمل رہ گیا ہے۔ یہاں مضمون ہوا ہے کہ لکھے پہلے کے دور میں کوئی لکھ قرائن کو کتاب نے اسے اس طرح ہی میں پھر دیا اور پھر مکمل کرنے کی نوبت نہ آئی۔" (مخطوطی ۷۳)

نسخہ سوید کے حقیقی مصنف ارحمنی کا بیان تمام تر شیعہ، حتیٰ کہ سہارا میں لکھا کہ دیکھ کر گھٹے تو اچھا ہوتا ہے۔ میرے خیال میں یہ روایت بہ طور کے اولیٰ مخطوط میں گل رعنا کے دو روایات مخطوطات کے حقیقی کتبہ کر دی گئی اور جس میں وزیر الاحسن علیہی مروج بحیثیت مرتبہ گل رعنا فہرست پانچ تھے اور اس سے مشوبہ جانت چیلے ہوئے تھے اپنی جانت کو ذرا لکھا تو ان میں موصوف نے بھی کرنے کی کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مخطوط دیکھتے تو واضح ہو جائے کہ نسخہ سوید اور اصل خاصی عزت اخذ ہوئی سامنے صاحب کی پڑش کا ایک حصہ ہے مضمون ہی لکھ جادو کہ اس کی کتبیت ختم ہوئی ہے نسخہ نامکمل خود ہے لیکن اس کے نامکمل ہونے کی وجہ نہ تو کوئی لکھ ہے اور نہ کتاب نے اسے اس طرح ہی پھر دیا ہے بلکہ اس نے اپنے قرائن کے مطابق ظاہر یا انتخاب کیا ہے۔

کہ تیرا کیا تھا، جس کا کہ صراحت کیا
 بہت تھی مگر سے تین لب سے یہ مانی ہے
 کہ صبح بڑے گل سے ناک میں آگے دم مرا
 عمر نہیں ہے تو ہی تیرے راز کا
 پتا دے اور قلب ہے پتا ہے سلا کا
 تو اور سوسے غیر نظر ہے تو تو
 میں اور دکھ تری حلقہ ہے دراز کا
 ہیں میں کہ تیری بات سے چھٹے انہیں ہے
 اور گوشہ بہار ہے سر چھٹے باز کا
 تیرا کوشش فم جہاں ہے
 جہاں کہ تھا دیندہ مگر ہے راز کا
 پاؤں میں باب دا دا دیتے ہیں
 میرے ہاتھوں کو۔ جہاں دیتے ہیں
 کہ کا کس نے اور دیکھا ہے ہم
 مگر ایک اپنی ہوا دیتے ہیں
 تو بہت سے رہتی معلوم
 ایک کہ یہ سہا دیتے ہیں
 لعلی ہائے عشاقی سے پہچ
 دیکھ ہائے کو دسا دیتے ہیں
 کس کا دل زلف سے ہوا کہ اس
 دست شد بہ تھا دیتے ہیں

یہ سولہ شعر جن چہ غزلوں سے منتخب ہوئے ہیں ان میں ان کا نمبر ۱۵۳۳ و ۱۵۳۴ اور ۱۵۳۵ ہیں سولہ شعر ان کے بعد "مقام" کے
 الفاظ آئے کہ انہوں نے ان کا نام لیا ہے جس کا لقب و القاب کے بعد فارسی کا نام یہ آتا ہے جس کا میں نے ان کے شعر میں "مقام" لکھا
 کا نام کیا ہے اور یہ ہے اس عبارت کے بعد فارسی کا نام کی تعلیم ہے۔
 یہ قصیدہ و مدح صاحب دلا مذاق و طبع شان فیل علی علیہ السلام و ام المومنین

سورۃ النور در چوکی عاری و عظیم آید گفت :- (کل رحمت اور کل رحمت ملک میں قطعت ہے چوکی)
 میں حکمت کی در صحت کا شی عین عاری :-

مرد فریڈلیک: "نہ سوچو! میں ہماری فریڈلیک کی تعداد صرف نو ہے لیکن ہادی مرہم نے بتائیں کہ کسی ہے ۱۰ بھانپتہ سو، جی ہے گل رہا مرہم ہادی میں تو وہ فریڈلیک کے حلقے پہ جانے تھل نور ہیں۔"

ہماری فریڈلیک کی تعداد گل رہا میں بتائیں ہے۔ یہ سب ہماری چوری فریڈلیک ہیں۔" ان فرعوں کے بعض اشعار کلیات میں داخل تھے جی، جی گل رہا کے متن میں نہیں لکھا گیا ہے کہ یہ وہ اشعار گل رہا کی کلیات کے بعد لکھنے ہیں یہ گل رہا کے "مرے نیسے میں بھی نہیں" اور بعض عزت اللہ ہادی کی جوش میں شامل ہے اور انہی کے ہاتھ لکھا ہوا ہے اور نیسے کی کتاب ۱۹۷۳ء میں مکمل ہوئی ہے۔ اس میں بھی کلیات والے وہ اشعار نہیں ہیں۔" ۱۹۷۳ء

۱۹۷۳ء لکھا ہے۔

ملیوی صاحب نے کتاب میں خود کو کسی مصلحت یا لالہ فہمی کی بنا پر کھڑی ہے۔ یہ فوجیں اس لحاظ سے تو ہماری ہماری ہیں کہ انہی میں
مصلحت اور مفاد سے آواز کی اشتعال شامل انتخاب نہیں ہیں۔ فوجیں اصول کا مصلحت ہیں۔

عالمی راجستھان دولت و تعمیر

اس مضمون کے بعد انتہائی اہم شدت کے ساتھ تاریخ بہمنی لکھ کر تمام صوبوں کے لوگوں کے ہندو کتب خانوں میں بکھیر دیے گئے اور اس کے بعد تمام صوبوں میں بکھیر دیے گئے۔

یہ خاتر نوسو سو اسیں وہ عمارت مکی رحما کے اور فضول اور بیجا کھج میں مٹا ہے۔ نوسو سو اسیں نہیں ہے۔ بلکہ اس کے احکام کی عمارت دروغ کی جانتی ہے مگر عبادی صاحب نوسو سو اسیں جانتے کا وجود ظاہر کرتے ہیں وہ غالب کے نام و تجلی کی بحث میں کھینچتے ہیں۔ اس کے علاوہ مکی رحما کے نوسو غالب (نوسو غلابہ اور حسن) اور نوسو عدل سویرا دونوں کے جانتے میں غالب نے اپنا نام لکھ دیا اور دروغ کیا ہے۔ "نوسو سو سو اسیں خاتر نہیں ہے۔ بلکہ غالب نے کوکب نام بیجا عیبراط کے جانتے، اپنا نام لکھ دیا اور عدلیہ" لکھا ہے مگر اس خط کا کل رحما سے کوئی واسطہ نہیں۔

کامی عزت اللہ دہلوی کی اس بات میں جانب کے دو فارسی خط اور چار اردو غزلیں بھی درج ہیں۔ ایک خط انجل رحما کے قلم سے ہے۔ دوسرا خط اور اردو غزلیں کچھ سالہ اور اقل کے بعد درج ہوئی ہیں۔ ان کی تکلیف یہی اس لئے درج کی جاتی ہے کہ غلامی عروج نے ان چار اردو غزلوں کو انجل رحما کے ساتھ اکاثر کیا ہے۔ یہ دیکھتے ہیں۔

حکیم دہم صاحب نے کل رحمت کے اپنے نسخے کے حصہ لہرو کے شعراء کی کل تعداد چار سو بتائی ہے۔ عرقی صاحب نے بھی ان محدودیات کی جو تعداد مدللہ وار درج کی ہے اس کا مجموعہ ۲۵۵ ہے لیکن عرقی صاحب کے ہاں ۲۵۳ ہیجا ہے۔ نوسو طالب (نوسو غلابہ) مرصعہ میں حصہ لہرو میں ۲۵۷ شعر ہیں۔ نوسو غلابہ (نوسو غلابہ) مرصعہ میں حصہ لہرو میں ۲۵۷ شعر ہیں۔ نوسو غلابہ (نوسو غلابہ) مرصعہ میں حصہ لہرو میں ۲۵۷ شعر ہیں۔

دیکھنے کے اختتام پر صبح کی گئی ہے۔ نور پردے مجموعے کے آخر میں سچے کے کتب چھٹی صورت لکھنے نے نقل و انجم کی تاریخ ۲۰۱۲
 قمر ۱۴۳۵ھ لکھی ہے جس کی مطابقت ۱۲ مارچ ۲۰۱۴ء سے ہوئی ہے۔ ۲۰۱۲ء
 طاری مروجہ گل رحمت میں کل اشعار ۲۵۴ ہیں۔ ان میں نئی شعر گل رحمت مالک رام سے لاکھ ہیں۔ مالک رام میں ۲۵۵ ہیں جن میں ۴
 شعر طاری گل رحمت سے لاکھ ہیں۔ انہی میں کل ۲۷۷ شعر ہیں جن میں ۲۵۵ مالک رام کی مروجہ گل رحمت کے ہیں اور حاکمیں لکھتے ہیں
 سورہ کے حاکم شامل کئے ہیں جن کی تفصیل صبح لڑی ہے پہلے ہر ہر فرسوں کے مسئلے اور خلیع ملاحظہ فرمائیے:
 غزل نمبر ۱

حاکم کمر ہے زلف میں قدر جس ہوا رضوی کا
 وہ مالک گھومتا ہے ہم ہے فوسل کے معلق نہیں کا
 فکر میں ہے طاری نمبر وہ مالک
 کہ یہ شیراز ہے لہلہ کے اوزارے پریش کا

غزل نمبر ۲

ہر لمحے دیدہ و یاد آکا
 دل بھر کھنکھ لہلہ آکا
 ہم نے بھوں پہ فوجیں میں لکھ
 تک اللہ قہار کہ سر یاد آکا

غزل نمبر ۳

حسن طوبی کی کھنکھ سے پتا میرے ہر
 ہرے گرم سے ہیں گل جفا میرے ہر
 آئے ہے دکنی خلق پہ دعا غالب
 کہ کے گھر ہلے گا چاہ بیا میرے ہر

غزل نمبر ۴

بھیں ہیں گماں نہ تپ رہا یاد دیکھ کر
 جہاں ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
 سر پھولنا وہ غالب شریفہ علی کا
 یاد آکا مجھے تری دوار دیکھ کر

مذکورہ نغموں کے اشعار کا گوشوارہ یہ قرار دیا جاتا ہے۔

تیرغزل	تعداد اشعار دیوان مرتضی	گل رس	نایک	نثری	دیوان غالب
۱	۲	۵	۶	۸	۲
۲	۸	۵	۴	۸	۱۰
۳	۹	۳	۴	۸	۹
۴	۹			۹	۲
مجموع	۳۸	۲۳	۲۴	۳۳	۲۳

دعویٰ اور تحریف جاری۔

دعویات فارسی کل نو

در قیاس "کام شد کل دعا درج اہم ہی قدر ۵۵۵ھ" یہ ۲۷ فروری ۱۸۳۳ء سے مطبعت رکھتی ہے۔

کل دعا سے یہ حق بہت کم ہے اور دعویات کے ۲۵۳ شعروں میں صرف ۱۲ درج ہیں۔ گویا ۲۳۸ شعر کم ہیں۔ ایک شعر فارسی کا نہیں ہے اور فارسی کی ۲۷ فوٹوں میں سے صرف ۹ فوٹیں ہیں گویا ۱۸ فوٹیں فارسی کی نہیں ہیں۔ خلاصہ کل دعا بھی نہیں ہے۔ سو اس لئے اہم ہے کہ اس میں بعض واقعات و حقائق بیان کئے گئے ہیں اور بعض فارسی اشعار بھی ایسے درج ہیں کہ جن سے قیاس کام میں مدخلی ہے۔ اہل حق و دعا میں جو شعر فارسی قصیدے کے ایسے مشتمل ہیں وہ نسخہ ہفت میں نہیں ہے اور ان میں یہ ایک شعر ایسا ہے جو کہیں نہیں پایا جاتا۔

فوارح زعمون و طعن و طعن

یہ کثرت دلائل ہم چوں غریب شتم

امور نے کوہ کی دو فنی میں فوٹ بدل دیا اگل دعا کا انتخاب ہے جو فارسی عزت اللہ و طعن نے کیا اور اپنی یاغی میں درج کر لیا۔ اس میں دیباچہ کے بعد درج تاریخ سے صرف دو جہت ہوتا ہے کہ کل دعا کا کوئی ایسا نسخہ فارسی صاحب کے سامنے تھا جس میں دیباچہ کے بعد یہ تاریخ ثبت تھی۔ یہ غالب نے وقت نقل کسی ہو گی۔ یا پھر نسخہ کے کتاب نے خود کو وہی ہو گی۔ کل دعا کے حق کے علاوہ وہ فارسی خط اور چار اور ۱۸ فوٹیں بھی اس یاغی میں نقل ہیں۔

ڈاکٹر کوہر نوشہری

مرزا غالب کی نثر نگاری

اردو نثر کے تاریخی سیاق و سباق میں مرزا غالب کا نثری اسلوب بعض لحاظوں کی بنا پر خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مرزا غالب کا اسلوب نگارش اردو نثر کے جس مظہر سے ہم رو بہ ہوا اس میں اسلوب نثر کے دو اہم دور گذر چکے تھے۔ پہلا دور عربی اور فارسی الفاظ سے چھڑا ہوا قدیم اسلوب کا تھا جس میں انکی تحریریں موجود ہیں جن میں خیال بانی اور جذبات انگریزی کی مدد سے مضموں اور جملوں میں بہ فہمیت حاصل تھے اور الفاظ پر بلا مہرہ الفاظ کے دوسرا دور زبان کے سچا و تم میں اہل کردہ جاتے تھے۔ اس اسلوب میں کھلے دالے کے دانی تجربے اور اظہار باخاری کے دانی رد فعل اور دلچسپی کو مد نظر نہیں رکھا جاتا تھا اور اردو نثر ہر دور کے اصولوں کی راہ میں بدلتی رہی ہے۔

”مرزا دور فورٹ ولیم کالج کے نثری لکڑیوں کا تھا جن میں ”تھو ہونے لست“ کی شکل کے مطابق مصنفین نے اس نکتہ نگار سے بھرپور اور مریا قصص نثر سے اپنا دانش و تصنیف کر کے سادگی اور سادگی کو اپنا اور اردو نثر کو اسلوب پرستی کی قدیم روش سے آزاد کر کے اسے انگریزوں کے اظہار کا وسیلہ بنایا اس طرح ہندو دور کی نثر میں شرقی طرز احساس سے عمل و انجلی اور اظہار پرستی کا رنگ نظر آتا ہے وہاں ”دوسرے دور میں اس دور سے انگریزوں اور طالب علموں سے ہم آہنگی کا دور و کھلی جاتا ہے۔ پارہے کے دور اول میں ہندو دور وانی نکتے سے رجعت ہے۔ جہاں شرقی تصنیف و تخلص اور مصلحتی طرز احساس کا لہجہ صرف قبلہ میں ہند کی شجرات اور سنی و کتب نثر کے حوالے میں فورٹ ولیم کالج میں انکی نثر کو وہاں دیکھا جاتا ہے عام بول چال کے قریب اور عام قاری کے لئے چل چم تھی۔ چنانچہ بارہا ہند کے دیوانے میں انگریزوں کی کیا کرتے

”محبوبوں کے قدر وہی پہلی مٹی کر اسٹ سے لطف سے فرما کر اس تھے کہ نصیب ہندوستانی کھنڈ میں ہو اور
کے لوگ ہندو“ سلطان“ صورت ہو“ ان کے ہاتھ“ خاص و عام گھٹیں میں بولتے ہیں“ ”تذکرہ“

پھر اس دور میں کے دیکھتے اردو نثر کو سے گہری شخصوں کے مطابق احساس کی کو شکل کی گھٹیں خود اپنے طرز احساس کو پرے طور پر نہ بدل سکے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ عربی فورٹ ولیم کالج کے قدیم مصنفین کی نثریں خصوصیت کی حامل تھیں۔ مثال کے طور پر میرزا و ہار بھی نثر کی ”دوسرے مصنف کے حصے میں تھیں“ ”دوسرے فورٹ ولیم کالج کے ڈاکٹر مصنفین جن میں خود میرزا بھی شامل ہیں۔ قدیم طرز تحریر میں بہ عطف نثری اسلوب کے سرت پروری طرز میں مل سکے۔

مرزا غالب کو بھی دو اہم اسلوب درپے میں ملے تھے جن کے مطالعے سے ایسی اگر ایک طرف سبب اور تہنیک نثری حقائق اور اس کے سحر وانی فہمیت نہ ہوتے تو احساس ہوتا تو دوسری طرف فورٹ ولیم کالج کی نثر کے بارے میں اندازہ ہوتا کہ یہ اسلوب پھر عام فہم ہے لیکن اس میں اپنے دالے کے داخلی شعور اور زندگی کی دکھائی نہیں کی گئی۔ چنانچہ غالب نے اس کی کامیابی کرتے ہوئے اپنے نثری اسلوب میں نہ صرف اس کی تہنیک کی بلکہ اردو نثر کو ایک نیا شکل عطا کر دیا۔

غالب کا نثری اسلوب لکڑی اور انگریزوں کی شکل میں ہے جن کے حدود جوئے لب تک شریعت پر چکے ہیں۔ موجودہ ”اردو نثر“
مکتبہ غالب ہمارے خطوط غالب“ ہندوستان غالب دیکھو۔

غالب نے خطوط لکڑی کے بارے میں اسلوب نگارش کو دو شاخیں کر دیاں اس میں نہ صرف الفاظ کی درست اور کھنڈگی پر زور ہے اور نہ صرف دالے مطلب کو سادگی رکھا جاتا ہے بلکہ اس کے ہاں قدیم پر عطف حوالہ اور نکتے کی نثری تحریک نے نگاہ کو کھلی اسلوب اظہار

کیا ہے جس میں افلاک اور مسمیٰ ہام یک جہن ہو گئے ہیں۔ اسلوب کے بارے میں اگر یہ مفہوم ملن لیا جائے کہ ”اسلوب کھینے والے کی شخصیت کا یہ تو ہوتا ہے تو یہ بات بالکل قریب کی جا سکتی ہے کہ غالب کی نثر کی شخصیت کی شکل طور پر آئینہ دار ہے اور ان کی طرز نگارش میں ان کی شخصیت کا شعری ہونا ہر طرح کے قبیح اور مختلف سے پاک بالکل واضح نظر آتا ہے۔“

غالب کا ہر لفظی مزاج ”شعری طرز احساس سے واقف“ ”قلمی ہزار سے ہم آہنگ“ حالت اور شعری توان ”فریاد میں کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کی نثر میں صاف نظر آتے ہیں۔ انہوں نے نثر میں بے مختلف انداز پر توجہ دی اور سادگی ”سلاست اور روانی کو شعور بخلا۔ ان کی نثر میں خیال انگیزی کے ساتھ ساتھ ادب شعری کا عنصر بھی نمایاں ہے۔

غالب کی نثر کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ ان کے ہاں نثر کی مختلف انواع کے تقاضوں کا شعور سمجھتا ہے۔ یہ طویل میں سے پہلے کسی نثر نگار کے حصے میں نہیں آتی تھی انہوں نے ایک وقت میں نثر کے مختلف اسلوب کو ایک جا کر لیا ہے۔ ان کی بعض عبارتوں پر داسین گوئی کا گمان ہوتا ہے تو بعض عبارتیں ہندوئی لہجہ کی اسلوب لئے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان کے بے شمار کلمے دارا سے کے متحرک اور زندہ نکالے دکھائی دیتے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

۔ اگر زندگی ہے تو ہر شے جینیں کے تو کھلی کی جائے گی۔

۔ کام ہاں کی گلی ’خیرال کے پچانک سے رخ اٹھ چکے ہیں کے پچانک تک یہ چراغ ہے۔

۔ یہاں قہارے دارا تو خواب امین الدین میں بکھو ہیں ’میں تو قہار دارا ہوں۔

۔ اس چراغ کا دھار کا رہو ’میں نے اس کا کیا پکارا قہار تک وہاں دہلا دہلا چکاں کہ نہیں رکھتے تھے ’ایک کوٹ و قہار قہار

چند مفلس دیے تو ایک چمک فرام ہو کر کہو اس بل لیتے تھے۔

سواری نہ تو کوئی دم دیکھ دیا اسے ملک اور قیوں کہو نہ تھا ایک نگر دیکھا

غالب نے اردو میں جس زندہ اور قابل تقلید نثر کی بنیاد رکھی اسے ان کے بعد قبول عام حاصل ہوا اور یہی سبب ہے کہ آج کے دور میں بھی اکثر کے ہاں غالب کے اسلوب کا پر تو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

دگ سنگ

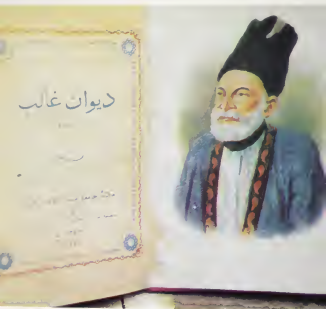
غالب کی بہت سی تصویریں ملتی ہیں پہلی بھی اور اصلی بھی مصوروں اور خطیبوں کے قلمی کوسنے بھی اور کیمرہ کی مرہون بہت بھی۔ غالب کے ہم عصروں مثلاً ذوق، نسیم، امجد، ذوق، کو کیمرہ کی نسبت بھر دہ آہستہ اور یہ شرف بھی مرزا ذوق ہی کے حقد میں لکھا تھا کہ کیمرہ کی آگہ نے ان کی شبیہ کو کسی نہ کسی طریقہ امیر کر ہی لیا۔ یہ کس مرزا کی وقعت سے مراد؟ وہ "دہ نکل لہا گیا قند گوہن کی حالت یہ تھی کہ چنگ سے اٹھ نہ سکتے تھے اٹھنا چھٹنا تک، ہر قدامت چوکی بھی پٹی سے لگا دی گئی تھی۔ اپنے جلی چار کے وقت ذوق کھینچ لے۔ وہ اس ابتدائی دور میں کوئی جانشین مل نہ سکا تھا ایک لکھنؤ لکھی سے کم نہ تھا۔ بہرحال کسی خوش اونی نے انہیں سدا دے کر کسی پر غمازی دلا اور یہ کھس چلا ہو گیا اور ہم تک پہنچا۔

غالب کی ان بہت سی تصویریں میں دو تصویریں زیادہ معروف ہیں بلکہ سکہ رائج حکومت کی مانند ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو ڈاکٹر ذاکر حسین نے کسی جرمن فاضل سے عوامی قلمی دور میں میں موافقہ علی کے جانے ہوئے ملنے سے بھی استعمال کیا گیا تھا اس تصویر میں ڈاکٹر صاحب اور جرمن فاضل دونوں کی عقیقہ کو اسی یکہ وصل ہے یہ تصویر دونوں غالب کے بچی سدا دہ لے جاسی اپنی بیٹی میں طبع ہو چکی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تصویر بنانی پر کشش ہے سدا دہ میں دو تصویریں ملتی ہیں، وہ دو اس کی بہرحال تھیں یا نقل، دو نقل۔

دوسری تصویر وہ ہے جو دونوں غالب ملوث تھیں، میں بھی شامل ہے۔ یہ تصویر اس سے قبل سر محمد افتخار کے مرید بھی دونوں غالب میں شریک ہوئی تھی۔ سر محمد افتخار کو یہ تصویر فارسی دہائی "مہرنگ" "لکھنؤ ہلڈ" سے ملی تھی۔ سدا دہ سری دہم غالب کے شاعر دلا دہا دے۔ اہل اسلوب کے سمجھے تھے۔ میں نے اس فوٹو گراف کا ذکر کیا ہے جو دہائی عسکری غالب کی کج ترین تصویر سمجھی جا چلتی۔ غالب کے جوان سے بھی ان کی افروختہ تعلقات اور دہائی طبع جھلکتی ہے۔ انہیں اپنا لکھی طعن بھی بہت مزہ تھا اور ان کی سرگرمیوں اور معاشرت کے دائروں رہتے تھے، بلکہ طرد اپنا کا ہوا اور وہ کام بھی ان کو اپنی نگاہ میں نہ آتا تھا اور کام جاری کے مقابلے میں بے رنگ نظر آتا تھا۔ ان میں سے اس دہائی نگار کا ذکر انہوں نے جانتا ہے۔ فروراجیلا کے ساتھ کیا ہے۔ یوں بھی وہ اپنی وضع طبع میں متعلق اور لکھنؤ کے مشترک لکھتے تھے۔ وہ تھے بھی لکھنؤ اور سدا دہ اور دگ سنگ دہا دے پر مشیت سے یہ کشش سدا دہ اور دہائی دگ سنگ دہا دے میں مل کر پیا دہ دہا دے میں دہا دے اور سدا دہ اور متعلق ہوئی ہو گی) کیا کہہ نہ دیں جانا وہ گا اور بھروسہ یہ مستحکم دہا دے کی عطا کردہ گری اور پتک !

بہرحال یہ عظیم نگار جہاں اپنے ذائقہ دگر کے اعتبار سے انہوں و ممتاز قادیانی اپنی شخصیت و دہا دے نگاہی میں بھی اپنی خصوصیات کا حامل تھا وہ اپنی طرف اپنی خدمت سے متوجہ کر لیتی ہیں۔ پہنچا کر ایک طرف اس کے اعتبار کو دگ سنگ دونوں کے درمیان تصور کیا گیا ہے 7 دوسری طرف دونوں کی تصویریں بھی ان اہل دہا دے کے جائزہ شہرت دیکھنے والے مصوروں نے اپنے خیال کے سادہ بنائی ہیں۔ پہنچا کر اور سدا دہ کی کوالی کی تصویر دوسری پہلے سے مل کے "دہائی بنی ہیں اور ان دونوں مصوروں کی خصوصیات کی عکاسی کی جا رہی۔

بریکٹل تاکہ غالب ہی اور دہا دے شاعر ہے جس پر ایک غم جاننے کی گنجائش مل سکتی ہے۔ سدا دہ اس سدا دہی طبعیت کے ہمارے بھی ایک صاحب کا جو کبھی کبھی ہی قند کسی نئی نگار نے اسے اپنا موضوع کر دہا تھا۔ یہ امر حقد ہے کہ میرے ہی حقد اسلوب میں ایک ایسا دور بھی مل گیا جس نے غالب کو گھر میں تبدیل کر دیا۔ یہ نگار عوامی نام سے (یاد کا نام نگار)۔ عوامی نام سدا دہ کیوں کا سامتی ہے۔ اس نے ہر تراشنے کے دوران تمام حوالہ تصویروں کو دیکھنا مل دھلنے کے فرق کو دہا اور غالب غمازی کے



یہ تصویر ڈاکٹر صاحبین نے کسی جرمن لکاش سے
 تیار کروائی تھی۔ اس تصویر کی تیاری کے لئے ۱۱۱۱
 مہلی کے جانے ہوئے جسے سے بھی استفادہ کیا گیا

تعلیقات غالب

شعری اصطلاح میں ”غزلیہ“ یا ”غزل“ ایسے اشعار کہتے ہیں جن میں کوئی شعر اپنی حالت اور اپنے کمال فن و فنپوشی پر فخر کا اظہار کرتا ہے۔ ”غزل“ لوہ نے قرونِ شامی میں غزلیہ کو ایک خاص صنف قرار دیا ہے۔ ”مثنوی نگاری اور اردو کے تقریباً تمام شعراء (غلام شاہ احمد) کے یہاں ہمیں ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں وہ کسی نہ کسی انداز میں اپنے کمال فن اور بعض شعراء اپنی برتری کا اظہار کرتے نظر آئیں گے۔ مثلاً ”مثنوی کے یہ اشعار خاصہ ہونے

ماؤشِ سحری بدستِ خاک شیرازِ لہجہ بود
گر نبردِ آہ کہ گردِ سوادِ دہانے میں
تقریباً کہ میں تو سرِ درجِ ستارہ دہم
نہ غوری نہ غلی دہ نہ دہلی

یا مثلاً ”میر کہتا ہے۔

میرؔ ہے میرؔ لہلہؔ ہوا
اگرچہ گوشتِ گریں ہوں میں شاموں میں میرؔ
پہ میرؔے شعرؔ نے روئے زلفِ لہم لیا

اسی طرح مسکنی اور سدا کہتے ہیں۔

مسکنی رنقتہ پہنچا ہے میرؔے رنج کو
شرویاں گرد ہے سوا کی بھی سوا کی کا
عوس معنی کی قصہ سچائی آتی ہے سوا کو
کوئی خاطر میں اس کے مٹی و مزلو آوے ہے

غزلی میں نکلی جیسے غائبانہ قسم کے شعرا بھی تعلقی سے نہیں بچ سکتے اگرچہ ان کے یہاں ایسے اشعار نکلیں گے جن اور چند ایک شعرا ایسے ہیں جن کے یہاں غزل اشعار کی خاصی کمزور ہے۔ ان میں غافل و مثنوی و فیض سرگرسید ہیں۔ یہ شعرا ایسا کہ پہلے عرض ہوا انہیں براہِ راست اپنے کمال فن اور اپنی عظمت کا اظہار کرتے ہیں اور کہیں دوسرے شعرا کو اپنے سے کم روئے کے شاعر کہہ کر انہیں طعنے میں مٹی پڑا دیتے ہیں اور اسی وجہ سے اسے بطورِ شاعر کا جانا ہے۔ مثلاً ”مثنوی ایک جگہ لکھتا ہے ”تک القلم“ کہتا ہے لیکن غافل جیسے بڑے شاعر کو ”عظم“ و ”جہنم“ شعر کہنے والا کے لقب سے یاد کرتا ہے۔

”اسلام اے تک القلم“ بدلتا۔ دلوز خاک
چن بادشاہ عالم شرویاں رنتم

دلکش ہیں کہ مرادوں دار از دلف

دماغ سے بس از مرگ سوسخت غافل

غالب کے یہاں بھی شعور کے شعاع کثرت سے ہیں جس تک اس کے لہو و کلام کا تعلق ہے اس میں اس قسم کے شعور بھی کے ہیں اور ان میں بھی دشمن اس کا لہر دھجھا ہے یعنی وہ کسی دوسرے شاعر اپنی برتری کا اظہار نہیں کرتا بلکہ بالواسطہ طور پر اپنے استاد سے کا دعویٰ کرتا ہے۔

رنگت کے تمی استو نہیں ہو غالب

کہتے ہیں رنگت نے میں کوئی میر بھی تھا

ہو یہ کہے کہ رنگت کہہ کر ہو رنگ قاری

حکفہ غالب ایک بار چند کے اسے خاک ہیں

لیکن قاری شاعری بالخصوص قصیدے میں اس کے فنیہ شعاع کی تعداد جتنی ہے اور کی ایک جگہ استاد چاہن معنی کا ما ہے۔ وہ چہ قصائد کے علاوہ بعض نعتیہ اور حقیقت کے قصیدوں میں بھی کہیں "ہر چار چار شعاع میں نور کہیں" اس میں باد و شعور میں اس نے اپنی فنی و عقلی طریوں کا ذکر جسے فنیہ استاد میں نور لکھتے ہیں کے ساتھ کیا ہے۔ اپنے بعض شعاع میں تو واضح طور پر وہ کسی بڑے استاد سے اپنا موازنہ کر کے اس سے اپنی برتری کا اس پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتا ہے اور بعض میں اس مقصد کے لئے اشاروں اور کنجوں سے حکم لیتا ہے۔ مثلاً "ایک مقام پر بارشانی بہت کا شوق کرتے ہوئے لکھا ہے۔

باینہرحہ آرائش گلزار کہ کلمت

ازہم بہتیم نہر فاصلہ ہیں را

بخت صلہ رخ و قول نورم نیست

تکلیف پر نظم دل بگلہ گزین را

دربانگ نئی کاثر دلوں عطف

گویم ہلچل باد لیکن چہ شہین را

اگر تم یہ کہو کہ قدرت نے تمام بخت و حیرت عطف کو خلق دی ہے تو ٹھیک ہے یہ سب کہ اسے مہلک نہیں اس عارف کا کہا (۱۰)

عطف آخریں صدی جاری کا ایک عظیم قول گو شاعر ہے اس نے قاری قول کو یاد خاص نہ کیا لیکن اور کھار بھلا وہ کسی بھی "سرب" شاعر کو نصیب نہ ہو سکے اور بھول چلی اگرچہ عطف کے تمام سطریں "سرب" شعراء ہی سے لئے گئے ہیں مگر بھی اس کی فزونی نے دنیا میں غلط بردار دیا اس کے آگے صدی مشرق و مغرب اور سطریں چھ شعراء بزرگ کی بھی آوازیں بخت ہو گئیں۔ (شعرا نگہ جلد ۲) آج بھی جہاں ایران میں اس کے کلام کو اشاعت کے لحاظ سے قرآن کریم کے بعد دوسری حیثیت حاصل ہے وہیں "ہم دنیا میں ہمیں دہشت و شوق پر دھاتا ہے۔" بھری جیسا کہ تمام شعراء بھی جس کے نبھنے میں قول کہ کہ غالب ایک قسم کا فخر محسوس کرتا ہے۔

غالب غلامہ نظمی دشت ام غالب

خلا لہم ام دہنم آفری دارم

شعرتِ فضاہ بادشاہ ملکِ خن
عملِ لغتِ دہی زبانِ جہانِ خن

بقول شعلی سلطان قدا اور سٹو سٹور میں، یہ ترانہ جس کے کام میں مشغلی اور دہائی کے عہد اس کی تالیف میں شائع کیے گئے ہیں
بدلت اور تہہ و تیغِ مصلحت کی فراوانی جسے غالب کا کلام بھی تقریباً "ہی قسم کی ٹوہوں سے میری ہے لیکن اس کا یہ کہنا کہ میری دہائی،
چلتے سے یہ دہان شاعر عاجز ہیں کسی قدر سہل ہے کیونکہ وہ دہانوں بھی سرحد پڑتی کے شاعروں اور انہوں نے بھی نئی نئی دہانیں تخلیق
کی ہیں۔

بعض فنی شعراء میں اس نے تارک اور انسانی لہائی اور عقلی کام پڑ قرار دیا ہے اور کہیں ان کے متعلق میں اپنے لہر کا بھی اعتراف
کیا ہے۔

امروز میں لہائی وفاقِ ہم باد

لہر

پھر ہار گیا روزگارِ مریخ
کہ او نہ پانچ ہنس گرم فراوانی
روانِ فکرِ طاقت یہ بلبلہ وہ نرس
خیالِ انوری دسی فکرِ عاقلی

میں شک و شبہ کی چھانٹے مسجد
پتھر دم دلم او دعویٰ مجاہدان

عاقلی اور انوری جیسے شعرا کا خیال بھی ہمیشہ فکرِ جہل کی بددلی کے پتھروں سے فاسر ہے تو ہمارے ایسے مسجد کی کیا بددلی
جہی کا لہائی کا دعویٰ کر سکیں۔) جیسا کہ پہلے بیان ہوا غالب نے ان شعراء میں کسی قدر کمر خمی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اگرچہ قصیدے
میں انوری و عاقلی اور شعوی بالخصوص دہی میں لہائی ایک خاص دہائی اور نظام و مرتبہ کے حامل ہیں اور انوری کے بارے میں تو کسی کا
قول ہے۔

وہ شعر سر تنِ طیرِ صفت
ہر چند کہ عاقلی ہمدی
لیاتِ قصیدہ و غزلِ را
لہری دہری دہری مدحی

لیکن درحقیقت اگر غالب کے قصیدہ کا ذکر، شعرا کے قصیدے سے موازنہ کیا جائے تو ہمیں جہی جہی سے قطع نظر بحیثیتِ مجاہدی یہ
مجہدی شعرا ایک ہی کلاس سے پرکڑے نظر آئیں گے۔ سوائے جہل کا یہ قول بہت حد تک درست ہے کہ غالب کا قصیدہ انوری و عاقلی کے
قصیدوں سے اگر کہا آئے۔ (پڑاؤ نگار غالب سلجھ کر کہتا ہے)۔

شعوی میں لہائی کا پڑا ہمدی ہے۔ غالب نے جو پڑا ایک شعرا کی کسی ہیں وہ بہت مختصر ہیں۔ مگر کہتا ہے "کہ اور اسے شعراء

مختل ہے دراصل غالب کا زیادہ تر میدان قصیدہ اور غزل ہے۔ اگرچہ اس کی مثنوی بھی بعض خصوصیت کی حامل ہے لیکن اٹھائی، بھر حال اس پر فوجیت حاصل ہے۔

مرزا کے فنی اشعار میں بیشتر مقلدات پر مشتمل ہیں۔ یہاں پہلا یہ کہ وہ کسی استاد کی طوٹ گئی اور دل بدامنی کا اعتراف کرتا ہے تو دوسری جگہ اسے اپنے مقلدوں میں بچاؤ کرتا ہے۔ یہاں ہے مقلد کے طور پر قصوری سے اسے جو حقیقت تھی اور جس طرح اس نے اس سے کسب فیض کیا ہے اس کا وہ جگہ جگہ اعتراف کرتا ہے۔

۱۔ نظم و سحر مودتا قصوری زندہ ام غالب

رنگ بھنی کرنا ام شیرازہ اوراقِ کشمکشِ را

دل بدامنی قصوری بال غالب بحثِ پیوست

دورِ غنیمتِ دوستیِ جاہل نہ دکانِ دوسے

اور مثنوی "ہم مختلف" میں ایک جگہ لکھا ہے:

دماں از کف کسہ چو نہ رہا

غالب و معنی و نظیری را

خاصہ رواجِ بدامنی معنی را

مکن قصوری بھنی معنی را

آنگہ از سر طراوی عکس

آسمانِ سست چو نامِ طعلی

طرزِ اندیشہ تقلید دوست

در تن لفظ بھنی دوسہ دوست

پشتِ معنی قوی زبانِ طعلی

خندِ دافری زبانِ طعلی

اور سارا اردو پیشِ غوریت دورِ غنیمت

لیکن جب غلبہ آتا ہے تو طو کو اس کا ہم پلہ قرار دیتا اور لکھتا ہے کہ وہ بھنی میں نے قصوری سے لیا ہے وہ مجھ سے دلیلی سے

لکھا ہے:

غالب - شعر کم از قصوری کم دے

عادل ش قوی دس دیا نوال کو

جاہل ہم دمن آنچہ از قصوری یا غنیمت غالب

اگر ہلو جاہل دمن دوسری پشت

نظیری کو جس کی جہی میں غزل کہ وہ قدوسے قول اور فکر کے لئے پہلے جذبات کا اعتراف کرتا اور یہ بھی لکھتا ہے کہ میں اس کا

وہیں کہ کر پھر دیکھو:

وہیں لاکھ کہ چوڑا ہوا طالب دعویٰ و نظیری را

دوسری جگہ وہ خود سے کتر رہے کا شمار رکھتا اور کہتا ہے کہ ان شعریں نظیری کو کچھ سے کیا نسبت اپنی نظیر تو میں طوری ہوں

مختلہ زنگہ سولان آگری چ کی

ہاں بھلی سودا جہم زلفی گوار

کون تو شکی و ہن منیا گوشل فضل

کراشتہ دور نظیری وعدہ آکر شد

ہ فی شعرچہ نسبت ہاں من نظیری را

نظیر کو ہاں منی ہم سلم مختلہ کوئے

اسی طرح معنی طالب کے بارے میں بھی اس کا یہی دہرہ ہے اگر ایک جگہ یہ کہتا ہے کہ:

سجہ نام مان و در غم سل منگیو

جہ شوق و جہل صدی طایں مست

چاہے معنی در قدر شوقی و غم

دلی و آواز شیراز و صفتی مست

اں دلوں کے بارے میں کہہ کر دیکھو اسی کو گوار بھی ہے اور دوسری جگہ اسی پر اپنی برتری میں طریخی کہتا ہے:

ہوشت ہشت طالب و ہن دشت دشت ہم

معنی کیست ایک نہ ہاں من دہیں چہ ہشت

وہی کوئی شمار ہے تو جس لیکن میرے جیسا نہیں میں ہر بحث کی کیا ضرورت؟

درفش علی دم حویں از معنی طالب

ایک کہ فاسد کہ بریں شدہ مثال

دشمنی میں ہوا معنی طالب کا کیا ذکر یہ تو ایک خاص کہتے ہیں جو کچھ یہ اتنی ہے

من کیم و گھن بکل افساد دم را

ی ہیں در گنج عروج کشوں طو مشکل

ہدایت لہوں غم گرم چہ دھ

نہو ز دلی ہوا و حزن ہل

یہ قصہ کہی لو کی یا انجیسے کی بات نہیں ہے تو یہ ہر معیار میں ہمیں یہ اقتدار نظر آئے گا اس کا زیادہ تر سبب یہ ہے

کہ جب ایک شاعر متعلق غنی کا آثار کرتا ہے تو اسے ضرور شعرا میں خود کوئی نہ کسی باتے شمار سے جڑ ہوتا ہے اور حتیٰ امکان

کو حاصل کرتا ہے اس کی جڑی کہے لیکن یہی سبب وہ اپنی طراوت و افادت اور استعداد کے سبب مت اگلے نکل جاتا ہے تو

میں شمار سے بچا معلوم ہوتا نکلتا ہے اور یہ ایک قدرتی امر ہے۔ ہر شاعر خوب میں اپنی ہی طبعیت میں ہی کہ ایک جڑی کرنے والا ہے

جودی کے جانے والے سے اس قدر چھ گیا کہ موٹر فزکر اس کی گرد آلودی نہ پہنچ سکی۔ میں ہم محل کے طور پر غور کرتی اور غائب
معلق کا ہم لے سکتے ہیں۔ معلق شروع شروع میں غور سے بہت متاثر تھا اس کا اس نے نہ صرف شعبوں میں اعتبار کیا بلکہ غور کی کئی
ایک غوروں کے جواب میں غوریں بھی کیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے:

استو غزل سحر سے چلی ہر کس کا

دارو غزل معلق غزل و دوش غزل

لیکن کتنے لوگ ہیں جو غور کے ہم سے واقف ہیں۔ اس کے برعکس آج تمام دنیا میں معلق کا طوطی بولتا ہے۔ اگر غائب نے کیں
بعض اساتذہ کی جودی کا ذکر کر کہیں اس سے اپنی برابری یا برتری کا تذکرہ کیا ہے تو اس کے پاس میں ہوں کیا ہا سکتا ہے کہ اس کے اول
غزل قسم کے اعتبار اس وقت کے ہیں جب اس نے معلق غزل کا تذکرہ کیا اور موٹر فزکر شعبدہ اس حد کے ہیں جب وہ اپنے مقام سے
پاری طرح اٹھ کر دکھا دے۔

ایسے غزلیے شعبدہ کے علاوہ جن میں اس نے بعض اساتذہ قدیم کا تذکرہ کیا ہے وہ اس کے ذمہ غزلیوں کے شعبدہ ہیں جن
میں وہ غزلیے شعبدہ میں اپنی غزلیوں کا اعتبار براہ راست کرتا ہے۔ اس کے ایسے شعبدہ میں بھی ایک خاص حلقہ ہے اور وہ غزلی جان
کی ہمہ محل ہیں۔ کئی ایک شعبدہ ایسے ہیں جن میں چھوٹی اور بڑی سبب سے نہ کہ سبب لگتی ہیں اور صحیحی کا عرصہ بھی ہے۔

مثلاً "ایک جگہ لکھا ہے کہ میں ایک ایسا سرا دہاں اور کھڑا ہوں۔ میں نے معلق کے جسم میں دوسرا چمک دی ہے اور وہ
کتنے ہیں کہ دنیا میں دہاں و دہاں نہیں ہے تو یہ لکھا ہے اس لئے کہ جب اس میں غائب جیسا ہر دہاں ہے تو ظاہر ہے اس میں سب دہاں و
چل سہا ہے۔۔۔ دہاں تو ہر شخص میں آتے ہے لیکن دہاں دہاں ہے لیکن ہم غزلیے کریم لکھے ہا ہے۔" کی اور کو صیغہ نہیں

۶۱۱

ہر دہاں غزل میں شاعر غزل جان

کہ دہاں کا لہر معلق جانے دارو

دہاں دہاں کہ دہاں دہاں تو پانے میں

تجربہ پانے کہ گھڑوں دہاں دارو

دہاں دہاں دہاں دہاں دہاں دہاں دہاں

ہر دہاں کہ چ غائب ہر دہاں دارو

غزل تو جودی غزل غزل غزل غزل

کہ ہر غزل دہاں دہاں دہاں دہاں

دہاں دہاں کہ دہاں دہاں دہاں دہاں

معلق دہاں دہاں دہاں دہاں دہاں

مست دہاں دہاں دہاں دہاں دہاں

دہاں دہاں دہاں دہاں دہاں دہاں

یاد شہد کے تھالی زہ اور املش

جگر در دست من ازلہ لعلے دلو

(اس میں محبوب عاشق کی املش سے لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح قلم بہت ہاتھ میں دے گا سے نہا کرتا ہے)

یاد "ہو کہ محفل شعر میں ہا میرے چراغ کے دھوئیں سے ہاتھ دھکے قمار کی خوشیاں حاصل کرتی ہے۔ اور میرے قلم کی بدلی سے وہ میرے قلم کی کہیں کہیں فرشتوں اور حضرت علیہ السلام کی ہمتوں کو شکر کرنے والی بن جاتی ہے۔

دور رسنگ قلم زہ در چراغ میں

یاد قلم جگر و شک جگر

از املش قلم بہ کہیں کہ قلم میں

یاد فرشتہ صید " و "سینہ لکھو" بہ

یاد

بھنگہ نہ دگر کہ بہ ہم دور تہہ سلم

زہیں قلم میں شہ گشتیں ہو دوری

برسم کلمہ سچوں در قلم غائب ہو قلم

یاد قلم از اول کورہ قلم غفلتے سچوں

اس شعر سے جوئیے کے بعد یہ ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ غالب نے اپنے بارے میں جو تعلق کی ہے اس میں نگاہ ایک محاکات

کے اس نے کوئی زیادہ مبالغے سے قلم نہیں لکھتا۔ واقعی قلم کی ایک پہلی کا تصور ہے اور یہ اس کی بد قسمتی ہے کہ اس کا قلم کام بھی

افتادہ اور قلم کا سخی و شعور آخر میں ہم اس کے پتہ میں شعور کو قلم کی جان کی تائید ہو، محفل میں قلم کرتے ہیں:

دشمنی سنی قلم زہ افظم

چون شمع غلام سے قلم زہ جفا

میراث دہدست زہ خوئی قلم

واقعی شعر رائد و جانی بکر کلام

یاد قلم زہ قلم زہ حرف شرارے

تسکے کا دست زہم پارسیان را

آدم کہ ہوا سچ انداز لغت

آدم کہ قلم سچ انداز لغت

لغتم زہم لکھتے از سفر قلم قلم

کلمہ زہم لکھتے از سفر قلم قلم

یہ جیتی و مٹی ازل سے کرم
 ہاں مہی وہاں کھائیں بیٹھا
 پتہ دست پہ از کار خود دست برآسم
 از جہاں خوردن سب جو کھانا
 پتہ نعل رنگ ابرو گلاب ہر قسم
 تو ہم ہمہ در اس غریب پیکار
 ہر وجہ کر کم و نہاں ہوا در
 ہمہ از کرم کرم کرم ہمہ جا

۱۔ اس مضمون میں غالب کے صرف نثری کام کو چنی ٹھکانا کیا ہے۔

۲۔ شعرا کے جلد سوم ۱۰۰ صفحہ ۱۵۵۔

۳۔ درجہ ہونے والے احوال جگہ از نہیں تھیں

۴۔ لکھنؤ از جگہ مستطیل و مٹی تھیں ۱۵۵

۵۔ کلیات نثری کے آخر میں اس نے دو تحریک ترقی کی ہے اس میں اگلی دو سب سے شعرا کے ساتھ غزلی کے اس فیض کا ذکر کیا ہے

۶۔ ادا جہاں کلیات غالب مستطیل و مٹی تھیں ۱۵۵

۷۔ ۱۵۵ کا درجہ ہونے کا ایک نوادر اس نے شہاک جیسے عالم بادشاہ کے خلاف بدگفتہ کر کے اسے مہاراجہ اور غزلی کو اس کی جگہ تخت پر

بٹھایا۔ (۱۵۵ صفحہ ۱۵۵)

سبیل احمد

مطالعہ خطوط غالب

یہ بات اپنے طور پر درست تحقیق دیتی ہے کہ انسانی تہذیب کی مختلف دھڑوں کی تشکیل میں خط و کتابت نے کیا کرشمے دکھائے ہیں ہم نکتہات غالب کا مطالعہ کرتے ہوئے شائد اپنی دور تک جاننے کی ضرورت نہیں مگر وہ عقیدہ میں ہر اسلوب اور ہر صنف فن کا نگار حضرت آدمؑ ہی کے زمانے سے کیا جاتا ہے اور عمومی حیثیت اس اسلوب یا صنف فن کے مخصوص گروہوں کو کم کر دیتے ہیں۔ ہر صنف ہم جانتے ہیں کہ نکتہ نگاری وہ اشخاص یا کسی گروہ کے نمائندوں کا پاسی محیط ہے مگر بعض اوقات یہ خطوط دوسروں کے لئے بھی کھل دیتے جاتے ہیں اور تہذیبی نیکیاں اور معنی کوئی اور شخصی مطالعات کی مختلف کیفیات کے نگار بننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس وقت یہ خطوط دوسروں کے لئے بھی کھل دیتے ہیں۔ اسے بغیر کسی خاص ترتیب سے ایسے کتابت کی کچھ صورتوں کو یاد کریں۔ صوفیانہ کلام کے خطوط جو روحانی کیفیت کے لئے فہرشی و مستوحش ہیں جیسے مثلاً "کتابت میر" دھن دھن جاتی فحش اور سواک کی مختلف جہوں کو گنگے کے لئے کھتے کرتا ہے اور اس وقت اس مشاعرے کے باب میں فن کے مخصوص صورتوں کی وجہ سے اسلامی فکر کی تاریخ میں بھی غریبیت اہم درجہ رکھتے ہیں جو دلی "منا" کے نکتہات جو صوفیانہ حقائق کے ساتھ ساتھ اس عہد میں برصغیر کے تہذیبی اسلوب کی مختلف کیفیات کو بھی سامنے لاتے ہیں واقعات ناگہانی اور واقعات پیدائشی نکتہ نگاری کی جتنی غائب کرتے ہیں۔

انگریزی شاعر گیتس کے لٹری رازوں کے نام خطوط جو انسانی زندگی کی ہلک سہلوں کو بیان کرتے ہیں۔ انگریزی میں ابتدائی نکل میں خطوں کو مختلف کے طور پر قبول کرتے ہیں مگر اسے لپ میں "سٹیک" میں خوب کام لیا گیا ہے، غالب کے بعد اہم نظام آزادی کی فہرہ خاطر سے صنف انگریزی "زیر لب" اور سحر کے خطوط نکتہ نگاری کی کئی صورتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ یہ شائیں نکتہ نگاری کی تاریخ بیان کرنے کے لئے درج نہیں کی گئیں مضمون صرف یہ دکھانا ہے کہ نکتہ نگاری کے نئے شعور یا نکتہ نگاری میں اور کتابت کے مختلف گروہوں کی خصوصیت اور کسی تہذیب کے کچھ پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں اور کیسے فن کا ارتقاء ہوا اور اسلوب ایک دوسرے سے جدا افتد ہے۔ ان کتابت کے ساتھ خطوط غالب کو دیکھیں تو خوب لوگوں کا ایک چلن دھن ظاہر ہوتا ہے۔ ذرا دیکھ کر سوچتے ہیں خطوں نے اسلوب کو کیا کچھ دیا ہے۔ ان خطوں نے انگریزی نثر کو نئے امکانات سے تو روشناس کیا ہی ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ خطوط انگریزی ادبی اور تہذیبی زندگی کے مختلف شعبوں پر کئی اور طرح بھی اثر ڈال رہا ہوتا ہے۔ انگریزی نکتہ نگاری کے خطوط کے کلاس بیان کرتی ہے۔ پلڈت کیشل پرنٹنگ ہاؤس 1960ء عریقی ممبران مریضوں میں داخل اور لب طبعی اہم نکتہ نگاری تحقیق ان خطوں کی حقائق اور فن کے حق کو درست شکل میں پیش کرنے کی سعی کرتی رہی۔

انگریزی مزاج نگاری کے کچھ شعبہ ہائے نگار رنگ ان خطوں سے انگریز۔ رشید احمد صدیقی سے متعلق امور پر علی نقہ انکوائری WIT سے کام لیتے والے لکھنؤ کے ہاں ان خطوں کے کیا اثرات نکرتا ہے انگریزی مطالعات اور کالم نویس پر ان خطوں نے کیا اثر کیا ہے مختلف شعبوں پر ایک نئی خط و کتابت کے اثرات کی ایسی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔

لب دہا یہ بھی یاد کریں کہ ہم نے ان کتابت کو کسی خاص طرح پر مبنی خود غالب کی سوانح کے طور پر مطالعاتی مضمون مری غالب پر دھن دھن رسل اور نور رشید فارسیام کی انگریزی تحقیقات (GHAI: Life and letters) میں کا لہجہ یا نکتہ نگاری خطوں ہیں۔ ایک تاریخی و مستوحش کے طور پر بالخصوص 1960ء کے بیگانوں میں دل کا نقشہ اور مختلف واقعات کا بیان نہیں اس دور کے بارے میں ایک حاضر شدہ ہم کرتا ہے۔ یہی نہیں اس وقت خود کتابت میں رہ رہا ڈال رہا اور نکل تک کی جھلکیاں دیکھتے ہیں حضور اہلکار نگار انتظار حسین نے اپنے

توانہ ہو گی۔ سرگرمی کی وسعت و پختہ ہو گی۔ فائز ائمہ گنبد مسجدوں کے داخلے چلتے ہیں اور بندوں کی رنج و زحمتوں کی جھڑپوں کے پچم ہوتے ہیں۔ ایک شیر لود اور بلی جن بند پیدا ہوا ہے۔ مملکت چلتا اسیا پرا ہے۔ فیض ائمہ خان گلشن کی حوالی ہے۔ ہر گھنٹے ہیں جن کو عوام نگہبازی کھتے ہیں۔ انھیں یاد آ کر ایک ایک کی ٹیڈا اعلیٰ گشت سے لہند بھاڑی نوادہ رسہ بند نہ لیاؤ گی اور ہر شمر کے بند۔

آپ نے دیکھا ہو انھیں موسم کے حال سے شہر ہوا تھا کہیں تک پہنچا شری زندگی کا بد ہوا تھا۔ اس نے ہر طور پر کاراستہا پارے انھیں میں کس جا کی گت ہے زندگی کی درہی سولہوں پنج و زبوں اور گنبدوں کاؤسے پلا سیر کی شعلی میں ہے مضامین کہ کہی دگوں سے ظاہر ہوئے ہیں اور غلوہ غالب میں فن کی کیا ذمیت ہے۔

اب آئیے اس چیز کی طرف ہٹے ہم طرز غالب کا نام دیتے ہیں غلوہ غالب پر مضامین لکھتے والے صاحب و کوپ اڑا دینے کے بعد تو ذکر کرتے ہیں اور اس میں ہمیں میں ہائی "موشوں" کا مضمون ہے سنی آرائش سے تغیر کرتے ہیں مگر کیا یہ سلسلہ تھا سنا ہے۔ کیا تحریکے اسلوب کا تدریجی زندگی کی لوشن سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ کیا آرائش کا مضمون صرف جاری قسم تحریک میں ہے یا اس آرائش کا انھوں کی آرائش مسجدوں اور دیگر عبادت کی شکل گری اور فنون کی دیگر مضامین سے کوئی تعلق نہیں۔ دوشیں بارش میں بھی ہوتی ہیں اور غور میں بھی کیا ان سب چیزوں کا عینیت مجموعی اسلامی فنون کی مختلف جنوں سے کوئی تعلق نہیں بننا ہے۔ صاحب و کوپ تو کیا اس کا تعلق بھی ایک خاص طرح کی تدریج و درجہ بندی سے نہیں آیا کیا یہ صاحب و کوپ ہے ظاہر نہیں کہتے کہ اس تدریج دانستہ میں کس کا کیا حکم ہے۔ حفظ مراتب کا اصول وہی پیدا ہوا گا۔ جہاں مراتب وجود کا کوئی بنیادی تصور موجود ہو۔ صاحب ایسا معاشرہ جس کے افراد کا اصول "کوئی کن" ہو۔ وہ حفظ مراتب کو کیا پہچان سکتا ہے۔ صاحب کی ہمت کا تو کہ کہتے ہم نے یہ فرض کر لیا کہ وہ راجی تدریب سے کہے ہوئے فی کس تھے۔ مگر صاحب کی طرز بندی کی اصل لہجہ اسی تدریج میں منظر میں ابھار ہوتی ہے۔ صاحب نے سولہی فنون اور کے نام ایک خط میں لکھا۔

"..... کہیں اتنی بھی تحریف کی ہو میں اپنے آپ کو اس کے قائل نہیں بناتا ہوں۔ ہر مگر کیا

میں کہ خدا نے مجھ سے پہلے کوئی ایسا نہ پیدا کیا ہو۔ محنت جانی قلبی یہ ہے کہ مسخوری

گزشتہ کا طرز خاص اور فن نازک خیالوں کا جوہر ہوں اور مہمہا فیاض سے مجھ کو ان کی تقلید

میں پادہ تحقیقی بنا ہے اور میں صاحب طرز بندہ ہوں۔"

ان باتوں کو دیکھ کر کہیں کہیں اور نہیں لدا "سخنوری گزشتہ کا طرز خاص" ان نازک خیالوں کا جوہر "اور" عقیدہ میں پادہ تحقیقی "کو پہلی نظر بھی خود کو صاحب طرز بندہ اسی میں منظر میں قرار دیا گیا ہے۔ "عقیدہ" کی اصطلاح آج و ستر قائل اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتی ہے مگر وہ اتنی معاشرہ میں اس کا مضمون کہہ لود ہے۔ صاحب کے بارے میں اوسے حق اور فکر جانتے ہیں کہ وہ لانا لکھتے سے کتنی دلچسپی دیکھتے تھے۔ مولانا احتیاج علی حوالی نے تو کمال محنت سے لافوں 'بیانی اور قسم تک کی تحصیل فراہم کر دی ہے۔ ان کے فنون میں جب جب داک کے قلم کا بھی تذکرہ ہے۔ اور امتیاز "ہر گت لکھتے تک کا ذکر آتا ہے ہر مختلف فنون نے یہ بھی دکھایا ہے کہ صاحب کی شعری میں بھی "مکتوب" نام حالات میں سے ہیں۔ پروفیسر جی بی بی نے اپنی مختصر انگریزی تصنیف SPARKS OF DANCE OF کے ایک مضمون میں صاحب کی شاعری میں فطام یا تحریر سے وجہ حالات کا بہت اچھا جائزہ لایا ہے مگر ان چیزوں کے ساتھ یہ بھی دھیان دے کہ صاحب مکتوب نگاری کی دانگی و فنون کی قدیم لہجہ کے بھی ہر برخاں تھے۔ لہذا میں مکتوب نگاری شعری کرنے سے پہلے "مکتوب نگار" میں مکتوب نگاری کے اکتب و ادب اور مکتوبات میں حسب حال علماء کے موضوع پر تفصیل سے لکھ چکے تھے مگر یہ وہ اسے فراہمی چیز قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں تو اکتب و ادب و طبیعت کوئی رعایت دینی کو مکتوب نگار لکھتا ہوں مگر



سردار و حاکم و مجاهد و شاعر

دولان غالب بصورت شیشه غالب از روی

در آن دوران
و در آن زمان

دیوانِ غالب

”اردو“

تھیں: لہذا ہی ہے کہ کی شادی نہیں ہو
 کھڑی ہے وہیں: ہر جگہ قصوں کا
 کہ کچھ ملت جاتی ہے عقل نہ رہے
 صبح کا شام ۲ ہا ہے دھڑے شیر کا
 جذبہ ہے: اختیارِ عشق رکھا جانے
 جہد: عشیر سے ہمار ہے دم عشیر کا
 آگہی: دایم کشیدیں جس قدر جانے بچانے
 دھما دھما ہے اپنے عالمِ عشق کا
 بس کہ ہوں غائب: ایسی میں بھی آتشِ لب و با
 سوئے آتشِ لب: ہے جگہ میں دلچر کا

براستہ قدر: دلیں دستان: دارِ بکر چہ
 مہرک ہو اسد! خواہر ہیں درد سے کیا

برائیں: نور کئی نہ آتا ہونے پر
 صرا کر: چلی: چیم: صود: قا
 آتش لے تھیں: سہا: کیا: دست
 ظاہر ہوا کہ دار کا سہا: قد: قا
 قا: غلب میں خیال کہ تھ سے سہا
 وہ آگہ کس کی: نہ زباں: قا: نہ: سہ: قا
 لیتا ہوں کتب: فح: دل میں: حق: ہند
 جہن ہی کہ: "رفت": کیا: اور: "ہند": قا
 دھما: کل: نے: دار: صوب: "رہی
 عہد: درد: ہر: لہاں میں: کتب: درد: قا
 چنے: ظہر: سر: نہ: کا: کو: کئی: اسد
 مرگشت: قلب: رسوم: دلچہ: قا

کچھ ہو: ہند: دل: آگہ: دل: آگہ: چا: چا
 دل: کل: کہ: کم: کیجے: ہم: نے: معا: چا
 عشق سے طبع: نے: زب: کا: مڑا: چا
 درد کی جا: چلی: درد: ہے: دھا: چا
 دوست: دبا: دھن: ہے: احقر: دل: معلوم:
 کہ ہے: اثر: دیکھیں: ہر: ہرما: چا
 سلی: د: ہلکی: ہے: لہو: د: ہلکی:
 صبر: کو: فاصل: میں: جرات: آگہ: چا
 فہم: ہر: کا: کچھ: "آگہ: ہم: نے: اپ: دل
 غول: کیا: ہوا: رکھا: کم: کیا: ہوا: چا
 دل: دل: نہیں: معلوم: جہن: اس: قدر: یہی
 ہم: نے: ہوا: اور: مڑا: تم: نے: ہوا: چا
 خوب: ہر: باج: نے: دم: ہے: کب: ہلکا:
 آپ سے کئی: ہلکا: تم: نے: کیا: مڑا: چا

دل: مڑا: سب: دل: سے: ہے: عہد: جہن: کیا
 آتش: جوش: کے: ہند: کیا: جہن: کیا
 دل میں: فح: دھن: د: ہر: ہر: کب: جہن: یہی
 آپ: اس: گھر: میں: گی: لہی: کہ: ہر: کا: جہن: کیا
 میں: ہم: سے: ہی: ہست: ہوں: درد: فاصل: آ: ہوا
 جہن: تو: آگہی: سے: ہر: عہد: جہن: کیا
 عرض: کیجے: ہم: اور: کی: گری: کل: آ
 کہ: خیال: کیا: قا: دھن: کا: کہ: صرا: جہن: کیا
 دل: میں: تھ: کو: رکھا: درد: دھن: کی: ہر:
 اس: چلی: لا: کس: کیا: کہ: کیا: جہن: کیا
 میں: ہوں: اور: اور: کی: اور: عہد: کہ: دل
 دیکھ: کہ: طرز: چاکر: دل: دھا: جہن: کیا

۶

حق پر رگ رچھو سر ملی لک
 قیوں قصور کے پندے میں بھی مرلی لک
 دم نے دلو نہ دی لگی دل کی دہریا
 بحر بھی چھوٹا گلی سے پریشانی لک
 بوئے گل ہزار ہاں دور پانچ فصل
 ہوتی ہم سے لک سو پریشانی لک
 دل صبر سے لک کا نامہ لکھو دور
 ہم باری کا ہند لب و دہان لک
 ہے تو ہموں کا ہموں دھواں پند
 غنہ مشکل ہے کہ یہ کام بھی آملی لک
 دل میں گھر گھسے نے اک شور غلاں غالب
 کہ اے شہر نہ لک کا سو پریشانی لک

۷

دھن میں مر گیا ہے نہ باب ہو جا
 حق میں وہ طلب گار ہو جا
 جا زندگی میں مرگ کا کھلا جا
 آنے سے پتھر بھی مڑا رک زند جا
 کیف تو ہے وہ کر رہا جا میں
 محو غیب میں تو تو جا
 دل بچر کے ساحل دہانے توں ہے لب
 اس دھڑ میں جلتی گلی آگے گرد جا
 جاتی ہے کوئی مشکل ایسے حق کی
 دل بھی گھر گیا تو ہی دل کا درد جا
 اہلباب ہاں ساری دھن دے کر بکے
 دہان میں بھی غیب جاواں زند جا
 یہ دہان ہے کئی اسم غنہ جلی کی ہے
 حق غنہ گھسے اہلباب گوار ہو جا

۸

غار سے مرقوب پتھر مشکل پند کیا
 تھامے یہ ایک کھنڈاں مدد پند کیا
 یہ نہیں ہے طائر نہیدی چلوں نہیں ہے
 مشکل کو دھوا جھڑ مشکل پند کیا
 جوتے پیر گنا آئند ہے مری کاش
 کہ دور غلیں غنہ گھسے لک پند کیا

۹

دور میں مشکل کا دور تلی نہ ہوا
 ہے یہ وہ غنہ کے شوق سہل نہ ہوا
 سہل غنہ سے تو آگلی سرکش نہ ہوا
 یہ دور بھی مطلب ہم غلی نہ ہوا
 میں نے پلا تھا کہ دور وہ سے پھولوں
 وہ غنہ میرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
 دل گھر گھر غلیں سے دھنری سہل
 گھر میں جلتی ہو غلیں غلی نہ ہوا
 ہوں تیرے دھن نہ کہنے میں بھی راضی کہ بھی
 کوئی صحت سگرا گھاسکتی تلی نہ ہوا
 کس سے غلی قسمت کی غنہ کیے
 ہم نے پلا تھا کہ مر جائی دور بھی نہ ہوا
 مر گیا دور ایک غنہ لب سے غلب
 جاتی سے مطلب ہم غلی نہ ہوا

۱۰

مشکل کر ہے دل اس قدر اس بار دھنوں کا
 وہ اک گھر ہے ہم دھنوں کے جلی نہیں کا
 جلی کیا کچھ ہے دور کوئی پسے دھن کا
 کہ ہر یک غنہ توں دہان ہے صبح مریں کا

۴

سلا دینی خلق و پاکیزہ ملت
ملت ہنسی کی کرتا ہوں اور انوس حاصل کا
بقدر خوف ہے ساقی غلام تھکتے بھی ہیں
جو تو دوسرے سے ہے تو میں غلام ہوں ساحل کا

۳

عزم میں ہے تو ہی لہلہ راز کا
ہاں دہرہ جہ لب ہے پہا ہے سار کا
دگر لکھتے کچھ بیلر تھا ہے
وہ وقت ہے سنگسار کھلتے ہر کا
تو اور سے لیر فکر ہے بحر ہوا
میں اور دگر قری حوا ہے دوار کا
صرف ہے خیال کہ میں میرا دگر میں
تھو میں ایک ہی میں ہیں گوار کا
ہی ایک دھڑلہ ہوا سے چلتے اچھل رہے
وہ گوشہ ہلا ہے سر شیشہ ہار کا
کوش کا دل کہ ہے کھٹکا کہ ہے ہزار
پہن پہ قری اس گھر لیم ہار کا
تدج کوش لیم جڑوں ہوا اس
سجہ کہ تھا دینے مگر ہاں راز کا

۴

ہم شہد میں اتحاد کا دگر کا
دیکھ داریا یہ وہ کچھ گوار کا
شب جیانی ہار دیم دشمن کا سحر کا
میں کھٹ سے کہ گوار بہت کہے کا وہ کوا

نہ کل حلقہ کل کی راج میرے میں کہ
یا دھن میں جو کلا ہوا دینے نہیں کا
دکھن کا کھلا دہی اگر فرصت نہانے نے
مرا ہر دہی میں اک حق ہے سوچا نہیں کا
کیا کچھ کھٹے کا وہ کھٹ میرے جوتے نے
کہے کہ تو فریاد عالم شہسختی کا
میری حقیر میں سحر ہے اک صورت غزل کی
پہلی ہنسی غم سے کا ہے طرب گرم دھن کا
کہ ہے گھر میں ہر سہیزا دہلی کھٹاکر
دار اب کھٹے نے پگھل کے ہے میرے دھن کا
لہوئی میں لہن خون کھٹے لکھن آمدنی ہیں
پہلی وہ ہوں میں ہے دہلی گھر نہیں کا
ہزار اک ہنسی کھٹے خیال ہار ہتی ہے
دلہ لہو گوار کھٹا ہے ہفت کے دھن کا
پہلی میں خبر کی آج آپ سوتے ہیں کھٹے دہن
سب کیا خواب میں اگر جسم ہاں پہن کا
میں سلیم کس کس کا کوا پائی ہوا ہر کا
قصد ہے سحر کھٹے ہوا میری دھن کا
کھر میں ہے کھٹے پہلے راز کا غالب
کہ یہ شیراز ہے عالم کے اترے پہن کا

۵

نہ ہو گا یک پہلی بھگی سے لہق کم میرا
جہیز سوچہ دہرہ ہے کھٹ لہم میرا
میت قہی میں سے لہن لب یہ ہے حلقہ ہے
مگر سوچ ہوتے گل سے جاک میں آتا ہے دم میرا

تو سے دوسرے ہے ہے ہم تو یہ جان بھرت ہوتا
 کہ خوشی سے مراد ہوتا ہے فکر اختیار ہونا
 تیری بھائی سے ہوتا ہے، بدھما تھا محمد ہوتا
 بھی تو نہ تو اسکا فکر اختیار ہوتا
 کوئی میرے دل سے پہلے تو سے جبرائیل میں کو
 یہ نقل کیں سے ہوتی ہے جگر کے پار ہوتا
 یہ کھل کی دھاتی ہے کہ چہ ہیں دست داغ
 کوئی پہاڑ سا ہوتا کوئی فلم کسل ہوتا
 رگ تنک سے چپتا وہ لو کہ ہمارے ہوتا
 تے فلم کچھ دسے ہوتا ہے اگر شرار ہوتا
 فلم اگرچہ جان میں ہے یہ کھل بھی کہ دل ہے
 فلم خلق کر دے ہوتا فلم روزگار ہوتا
 کون کس سے میں کہ کیا ہے شبہ فلم ہی ہا ہے
 کچھ کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
 ہوتے مرے ہم جو رہا ہوتے کیں نہ فرق ہوتا
 نہ بھی جانا ہوتا نہ کسی غور ہوتا
 اسے کون دیکھ سکتا کہ چاند ہے وہ چکا
 وہ جاتی کی جو بھی ہوتی تو کیوں وہاں ہوتا
 یہ سانگہ قصوف " یہ ترا جان غالب
 تجھے ہم دل کھینچے ہو نہ وہاں غور ہوتا

۲۲

ہوں کہ ہے کھنکھار کا کیا کیا
 نہ ہو مرنا تو جیسے کا حوا کیا
 خیال بھلی سے دعا کیا
 کھل تک اسے سلا مار کیا
 نوازل اپنے ہا دیکھا میں
 طاقت اپنے رکھیں کا کھا کیا
 کھ ہے کھا کھا ہوتا میں
 خیال اپنے نہ کھیر کھا کیا

قربا شہر میں ایک میں ہے
 ہوں کہ ہاں ہوں دعا کیا
 میں مہر میرا ہے خودی ہے
 خیال اپنے سنی کا کھا کیا
 دلیل مہر دلیں میں
 فکر کوئی اپنے ہا کیا
 دل اور قند ہے ہا
 ہم اس کے جیسا تھا پہچان کیا
 کھا کیا ہے میں خاص ہا
 شہر کھ کا خون ہا کیا
 ی اے حالت گر ہا ہا
 کھتے جیت دل کی صدا کیا
 کیا کس نے ہر دلی کا دعویٰ کیا
 کھیر خاطر باطن ہا کیا
 یہ جلی دعا میرا کھا کیا
 یہ کھر کھر طاقت کھا کیا
 اپنے ہا ہے غالب اس کی ہا
 مہارت کیا طاقت کھا کیا

۲۳

درویش کو غضب بہ کوئی ہم سا نہ ہوا
 ہر کھ کا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
 بھلی میں میں وہ کھوں دھوئی ہیں کہ ہم
 لکھے ہا کسے وہ کھہر آگاہ ہوا
 سب کو خیال ہے دعویٰ تری بیکہلی کا
 دھند کوئی بھیر آئندہ ہا نہ ہوا
 کم نہیں ہاں ہم جی ہا ہا
 ہوا ہا ہا کیا ہے کہ ہا نہ ہوا
 چہ کا دلی ہے وہ ہا کہ سب تک نہ کیا

نہ سے ملے کہ لگا کر 'عالم' غالب غفر کہ وہ
کہ صبریت کا ہوں عرضِ ستم ہائے بدلتی

۲۶

گر نہ حدودِ شبِ فرقت چلی ہو جانے کا
بے غلغلا دلِ سر ' سر چلی ہو جانے کا
دہو کر بیا ہی شامِ ہر شبی ہو جانے کا
نہ قر مجبورِ بلی غافل ہو جانے کا
لے آجوں سوئے میں اس کے پاؤں کا سر کر
لگی جوں سے وہ کالرِ ہڈیوں ہو جانے کا
دل کو ہم ترسوا دیا کہجے تھے کیا مضمون تھا
بھئی یہ پہلے ہی گذرِ اجلی ہو جانے کا
سب کے دل میں ہے جگہ جی ہو تو راضی ہوا
مہ پہ ' کلا' اک زندہ مہلی ہو جانے کا
مر غفر گرم فریادی تعلیمِ حیا
شہرِ ضعیف میں جگہ خوں رنگ میں لگی ہو جانے کا
بارج میں مہ کو نہ لے ہا' دیند میرے دل
ہر ٹکڑے ایک چشمِ غولِ غلی ہو جانے کا
دائے گر ہوا ترا نصفِ عمر میں نہ ہو
اب تک تو یہ توقع ہے کہ وہی ہو جانے کا
قائد کیا سوچ آ کر تو بھی دانا ہے امید
دستی جوں کی ہے تی کا لیاں ہو جانے کا

۲۷

وہ صفت کمرِ ہوا نہ ہو
میں نہ اچھا ہوا نہ بڑا نہ ہو
میں کرتے ہو کیوں دیکھوں کہ
اک کتاب ہوا رنگ نہ ہو
ہم کیوں قسمتِ آئینے پائیں؟
تو ہی جب گزر آتا نہ ہو

خاک کا دلق ہے وہ قفلہ کہ دینا نہ ہوا
ہم کا میرے ہے ہو دکھ کہ کسی کو نہ ہوا
کیم میں میرے ہے ہو فتنہ کہ ہوا نہ ہوا
ہوئی کوسے دم 'اکر' نہ لکھے توفیق
عمر کا قصہ ہوا 'مطلق' کا چچا نہ ہوا
قلعے میں دھڑ دھکیں نہ وہ لور جوت میں لگی
کھیل لڑکوں کا ہوا 'دھڑ' چچا نہ ہوا
تھی خبر گرم کہ غالب کے لڑیں گے پڑے
دیکھتے ہم بھی گئے تھے 'چ' کتاب نہ ہوا

۲۸

امد ہم وہ جوں جوں گداتے ہے سہا ہیں
کہ ہے سرِ بختِ ڈھنگر آہِ یکسرِ غدا لہا

۲۹

بچہ گذر گرم خند ہے شرمِ پارسی کا
جوں خلیفہ صمد رنگِ دعویٰ پارسی کا
نہ ہو صبرِ کتابت دوست دسا ہے دلق کا
یہ سر صمدِ فکرِ طہیت ہے دعویٰ پارسی کا
دکترِ حسن دے لے طوطہِ دیش کہ سر آما
چراغِ جلا دیش 'کس' کس کوئی کا
نہ مارا ہوں کہے ہر دم غافل تھی گدوت
ما ہاتھ خون ہے سہہ حقِ بھیتی کا
قنداقے لگی گھوٹاں ہے لکھی ہے
وہ جس سے لکھا فکروں ہے دست و پائی کا
وہی اک بات ہے جوں جس وہی کھسرت گل ہے
ہاں کا جوتہ 'بات' ہے مری رنگیں لولی کا
دکترِ ہنس چلا 'جو' زلفِ روسی کا
ہر دم تک ہے وہ چچا ہے تھی ہے دلق کا

نہ کہہ کر کہہ بہ عطا کر صبر دل ہے
میں تھک میں ہے صبح و شام دنیا کا
لفظ کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو پار اور
جان میں اس کی ہے جلا کر لیا کا

۲۹

قلعہ نے ایک حیرت سے جس پر ہوا
ظلمت میں ہے سرسبز دشت گور ہوا
افکار عشق کی عمارت عروسی دیکھا
خیر نے کی تو لیکن وہ تھا کچھ ہے ہوا

۳۰

بہ بہ تعجب سفر بار نے عمل بدعا
تجربہ عشق نے ہر ادب سے اک دل بدعا
دل نکلتے ہے بہ حیرت کدو عشق تو
خبر کہتے کو طوفانی نکل بدعا
یاس و حسد نے یک عود پہاڑی لگا
گھر سے لے طلسم طبع ساکن بدعا
نہ جیسے عشق لعل کے حشریں غالب
گھر دل کھول کے دلا کو بھی سائل بدعا

۳۱

میں نور پرستے سے ہیں تھو کہم کہیں
گر میں نے کی تھی توبہ عشق کو کیا ہوا تھا
ہے ایک تیر جس میں دونوں چھوے ہنسے ہیں
"وہ" کے کہہ کر اپنا دل سے بھر چکا تھا
دہائی میں غالب کہہ میں ہنسے توبہاں
بہ رشتہ ہے کہ تھا ہمیں کہ کھاتا تھا

کچھ شیریں ہیں جیسے لب کہ رقب
کلیں کہا کے ہے حرا نہ ہوا
ہے فر گرم ہی کے کہنے کی
تج ہی گھر میں ہوتا نہ ہوا
کیا وہ نسوا کی خدائی تھی
بھگی میں مرا بھگ نہ ہوا
جان دئی دئی ہوئی اس کی تھی
حق تو ہیں ہے کہ حق ہوا نہ ہوا
دلہ گردب کہا سو نہ تھا
بہم کر رک کہا روا نہ ہوا
دہائی ہے کہ دل جلتی ہے
لے کے ملنے دل میں ہوا ہوا
کہہ تو پڑھتے کہ لوگ کہتے ہیں
"تج غالب لعل سرا نہ ہوا"

۲۸

کہ ہے عشق کو دل میں بھی جلتی ہے
گھر میں جو ہوا اضطراب دلا کا
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پتھر کتب
کر سم نہ ہوں فقیر غلام فرما کا
جالتے ہاتھ قوس ہے بند اگر ہے بھی
"وہ" کھینچ خاطر ہے جتن دلا کا
قم فراق میں کھینچ سیر دنیا نہ
مجھے ملے نہیں عہد ہاتھ بجا کا
بہار عروسی میں کو دھکا ہوں
کہے ہے ہر یں شہنشاہ جگر دلا کا
دل اس کو پہلے ہی ڈال دلا سے دے پٹے
میں دلا کئی میں کے جھٹکا کا

۳۲

مگر طراوت نہ دیتے تھے تو وہی ہوتا
 ہے کرکڑ نہ ہوتا تو چلیں ہوتا
 غلیں دل کا گھر کیا ہے وہ کار دل ہے
 کہ اگر تک نہ ہوتا تو پتلیں ہوتا
 بھیک مر دہا ہا تو رہا ہا
 کلا رضوی بی دیوار کا وہی ہوتا

۳۳

نہ تھا بکھڑا تو خدا کا بکھڑا نہ ہوتا تو خدا ہوتا
 ڈھانچہ کو ہولے نے نہ ہوتا تھی تو کیا ہوتا
 ہوا جب تم سے ہیں ہے جس تو تم کیا سرے گلے کا
 نہ ہوتا کہلاتی ہے تو زار و دھوا ہوتا
 ہوئی دست کہ غالب مر گیا پکار آتا ہے
 وہ ہر ایک ہاتھ کہنا کہ میں ہوتا تو کیا ہوتا

۳۴

یک دنہ لکھی نہیں ہے کہ ہلاک کا
 ہاں چلو بھی قلیل ہے لے کے دل کا
 ہے سے کے ہے مخلص مخلص آگیا
 کھینچا ہے ہر دوسلے نے لہ لہا کا
 اہل کے گدھ پ ہیں نہ ہاتھ گل
 کہتے ہیں جس کو خلق خلق ہے دلا کا
 ہونا نہیں ہے نہ تو فکر حق مجھے
 نہائی قسم ہوں مگر ہلاک کا
 ہاں ہر مگر خلق سے آواز ہم سے
 ہاں کیا کریں کہ دل ہی حد ہے لڑا کا

۳۵

۱۔ خلیج دل ہے ختم میں سورج تک لہر
 ۲۔ نئے کدہ غالب ہے نئے کے سورج کا
 ۳۔ ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک
 ۴۔ ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک

۱۔ سر ہلاک نہیں جیسا ہے لم پتلیں سما
 ۲۔ رات کھپ ہے رات پتلیں سما
 ۳۔ یک لک پتلیں نہیں جیسا کھپ ہلاک
 ۴۔ چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریں سما
 ۵۔ شمع اسباب گرفتاری خاطر سے ہاں
 ۶۔ اس قدر تک ہوا دل کہ میں دلی سما
 ۷۔ بدگلی نے نہ ہلاک اسے مرگم فرم
 ۸۔ دلا ہے ہر دلا ہوا دلا ہوا سما
 ۹۔ لڑ سے لپٹ یہ ہلاک کہ ہلاک ہلاک
 ۱۰۔ ہلاک جس سے تیل شہر دلا سما
 ۱۱۔ سر خلق میں کی خلق نے دست ملی
 ۱۲۔ ہر قدم ملیہ کو میں لپٹ جیسا سما
 ۱۳۔ ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک سما
 ۱۴۔ دلا ہلاک ہلاک اس قدر آمل سما
 ۱۵۔ دل ہلاک کے کھلا اس کو دلا ہلاک
 ۱۶۔ خلق کی کہ ہلاک کو سلی سما

۳۶

۱۔ ہر مجھے دلا تو ہلاک آیا
 ۲۔ دل ہلاک ہلاک قیاد آیا
 ۳۔ دم لہا تو نہ قیامت نے ہلاک
 ۴۔ ہر تو دلا ہلاک ہلاک آیا
 ۵۔ ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک ہلاک

دیکھ کر تیر کو 'ہو کیوں نہ کیا تھا
 ہو کرنا تھا دلے طالبِ آخر بھی تھا
 چنے میں حب نہیں رکھے نہ فریاد کو ہم
 ہم ہی آتشِ سوں میں 'ہو ہوں میر بھی تھا
 ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آتا نہ سہی
 آخر اس عرش کے درخش میں کئی تیر بھی تھا
 بکڑے ہاتھ ہیں فرشتوں کے کھٹے ، ہاتھ
 تھی کئی ہزار دمِ قہر بھی تھا
 رخصتے کے جسمیں آتش نہیں ہو طالب
 کھٹے ہیں سگے زائے میں کئی میر بھی تھا

۲۸

بہرِ ملک 'دھلی سونگے کا
 زبانت کھنڈ ہوں طائرِ آزدوں کا
 ہر 'ہر 'سپیدی ہر 'ہر
 میں دل ہوں فہرہ و غوروں کا

۲۹

تو 'دست کسی کا بھی سم کر نہ ہوا تھا
 لہووں پہ ہے 'ہر علم کو بھ 'نہ ہوا تھا
 پھر 'سرِ غلب کی طرح دستِ خستہ
 خورشید ہزاروں کے بارہ نہ ہوا تھا
 دھلی ہزاروں مت ہے اٹل سے
 آنکھوں میں ہے 'ہر قہر کو گور نہ ہوا تھا
 وہ تک کہ نہ دیکھا تھا قہار کا عالم
 میں مستقر 'کھنڈ' طائر نہ ہوا تھا
 میں سلو دل گورگئی بار سے خوش ہوں
 یعنی سحرِ شعلہ کمرہ نہ ہوا تھا

ہر 'ہر 'نیکبر طر بار کا
 طر بارنگی اسے مسرہ دل
 ہر کرنا تھا ہر بار کا
 رنگی ہوں بھی گور ہی باقی
 کہیں را را گور بار کا
 کہا ہی رہوں سے خالی 'ہر کی
 گور را کھنڈ میں گور بار کا
 کہ 'ہر 'برستہ فریاد کہیں
 دل سے کھٹے آگے ہر بار کا
 ہر ترے کہنے کو ہاتا ہے خیال
 دل ہم کھنڈ گور بار کا
 کئی دہائی ہی دہائی ہے
 دست کو دیکھ کے گور بار کا
 میں نے بھوں 'ہر لوہی میں اسد
 کھٹے طائر کا کہ سر بار کا

۳۰

ہوئی پائیز تو کچھ ہمتِ آخر بھی تھا
 آپ آتے تھے 'تھر کئی میں گور بھی تھا
 تم سے ہے جا ہے بھے اپنی جہی کا کہ
 اس میں کچھ شہرِ غلبی 'شہر بھی تھا
 تو بھے بہل گیا 'ہر 'تو چاہا ہوں
 کئی خزان میں میرے کئی گچے بھی تھا
 قہ میں ہے ترے دست کی 'ہر دلف کی بار
 ہوں کچھ اب میرا 'گور ہادی' دلچر بھی تھا
 علی اک کور بھی آنکھوں کے آگے 'تو کیا
 ہمت کرتے کہ میں بہر کھنڈ' قہر بھی تھا
 جہت اس کو کوں 'ہر کچھ نہ کے خبر بہل
 کہ بھر چلے تو میں اقی قہر بھی تھا

روئے عقل جس در کثیر ہوا ہے
 ہوا اختیارِ باطن واصل نہیں ہوا
 ہوا وہ جس عشق نے برفِ بخت میں
 غیر از کھ لب کالی مانگی نہیں ہوا
 کو جس ہوا چرخِ حرم اپنے ہوا
 لیکن ترسے غیل سے باطن نہیں ہوا
 دل سے ہوا کشتِ زکات کی کہ ہوا
 حاصل ہوا صریحہ حاصل نہیں ہوا
 ہوا عشق سے نہیں ہوا کر ہوا
 جس دل پہ ہوا تھا مجھے وہ دل نہیں ہوا

۳۳

دلکہ کتا ہے کہ اس کا غیر سے انعام چاہے
 عقل کتنی ہے کہ وہ ہے مریں کا آگاہ
 اور وہ ہمارے ہمارے ہر رنگ ہے
 گردشِ بھوں پائندے کی کتا
 عشق ہے ساق طائرِ بوقلمون ارہاب ہوا
 اور صحرایہ دستِ بھو و قلعہ دہا آگاہ
 میں نور اک آفت کا کھوا وہ دلِ عشق کہ ہے
 عاقبت کا دشمن نورِ نورانی کا آگاہ
 قلعہ بجزِ دلکہ ہرگز نہ رہا چاہے
 میرا دھڑ مونس نورِ آئینہ تیرا آگاہ
 کوہِ کشمیر ایک کشمیرِ تیرا آگاہ
 تنگ سے سہل کر ہوا نہ پیرا آگاہ

۳۴

ذکر اس پری دلی لا نور ہر جلی لہا
 ہی گیا رقبہ آخر تھا ہر دلی لہا

ہوا کے سوا کچھ کئی سے ہوا کچھ
 ہوا ہر دلی ہی بھی تر نہ ہوا تھا
 ہوا کئی لہا دلی بکر سے مری کھیل
 آگاہ کچھ چکرِ سحر نہ ہوا تھا

۳۵

شب کہ وہ ہوا نورِ شمس ہوا
 دھندل ہر شمعِ چرخِ شمس ہوا
 حشرِ باطن سے کسوں تک ہو گئی ہے
 کس قدر یا سب ہاکی صریحہ پاس ہوا
 حاصلِ کمال نہ دیکھا جو کشتِ آمد
 دل پہ دل عادت کوا یک لبِ شمس ہوا
 کیا کسوں ہوا کئی لم کی فراغت کا ہوا
 ہوا کچھ غولِ دل پہ صبرِ کسوں ہوا

۳۶

آئینہ دیکھ لہا سا نہ لے کے رہ گئے
 صاف کو دل نہ دینے پہ کتا نور ہوا
 ہوا کی لہا ہوا سے گھٹ نہ دینے
 اس کی لہا نہیں ہے یہ ہوا صبر ہوا

۳۷

عشقِ نیازِ عشق کے چل نہیں ہوا
 جس دل پہ ہوا تھا مجھے وہ دل نہیں ہوا
 چاہا ہوں دلی صریحہ ہستی کے ہے
 ہوں شکر کشتِ نورِ عقل نہیں ہوا
 مرنے کی لہا دل نور ہی نور کہ ہے
 شکارِ دست و ہوا کے چل نہیں ہوا

ہاں در ہوائے یک فکر گرم ہے سرد
پہلو ہے دیکھ کر سے دارِ غم کا

۳۷

خود سے دارِ گم ہے دارِ آہ کا
کئے ہیں جسمِ تھک کو حد دکھائیں کیا
رہے ہیں گردش میں ہیں سلطہ آہیں
ہو رہے گا کہ نہ کہ گمراہی کیا
راگ ہو تو اس کو ہم بھیں دکھا
بب نہ ہو کہ گئی تو دھوا دکھائیں کیا
ہو لے گئے ہیں ہرے سے ساتھ ساتھ؟
دارپ اپنے دکھ کو ہم دکھائیں کیا
سوجھ غم سے گردی گئی نہ ہائے
آہیں دار سے اٹھ جائیں کیا؟
رہ رہ دکھا کیا مرنے کی راہ
مر گئے ہیں دیکھ دکھائیں کیا
پہنچے ہیں وہ کہ "غالب کون ہے؟"
کوئی دکھ کہ ہم دکھائیں کیا؟

۳۸

حافظ ہے شگفتہ جلو بیا کر نہیں گئی
جہی زکھر ہے آئینہ دارِ بیداری کا
جھل جھلک دھوا نہیں خود داری ساحل
جہی ملتی ہو تو ہاں ہے دھواں نہ بندی کا

۳۹

عشرتِ قلم ہے دھوا میں تارِ ہوا
درد کا حد سے گزرا ہے دھواں ہوا

تو کیوں بہت پہنچے جسمِ نیر میں دارپ؟
آج ہی ہوا حضور! میں کو اچھل گیا
حشر اک بیداری ہے اور ہم نہ سمجھتے
عرش سے نوحہ ہوا آگے نہیں لپکا
وہ نہ جس قدر دھواں ہم اُسی میں چلے گئے
پاسے آگیا دکھ! میں کا پاسوں لپکا
درد دل کھول کب تک چلوں تو کو دکھا دل
انگلیں زکھر اپنی! غم غمراہی لپکا
سمجھتے سمجھتے مت ہانا! آپ نے صدمہ دار
تھپ تھپ سے صدمہ دھپ آہیں لپکا
تارے نہ فدا کر لیا ہے دشمن کو
"دست کی طاقت میں ہم نے ہم دیا لپکا
ہم کہاں کے رونا تھے کس جہر میں پکا تھے
ہے سب ہوا۔ غالب دشمن آہیں لپکا

۴۵

مردِ ملت فکر میں مری قسمت ہے
کہ رہے چشمِ غمراہ پہ آہیں میرا
رضیتِ دل تھے وہ کہ ہوا غم
جسے پہرے سے ہو ظاہر فکرِ بیک میرا

۴۶

ناخن پہ دھمک دارِ خود کرا ہے دردِ ہاں
ہے شاد بہا نہیں غمراہ کیلے کا
جسمِ نوحہ سے چلے گئے نہ دکھ کہ رنگ
صدمہ دھمک جنت ہے اس نام گم کا
دھت آکر قبول کرے کیا ہو ہے
شروعی سے طرد نہ کرنا گم کا
حشر کو کس دکھ سے ہانا ہوں میں کہ ہے
ج گئی جیلورِ دلم سے جاسی گم کا

تھ ہے یہ رشتہ د موم کے جھپ کیا ہے کر
 صبح اسی کو کسے ٹپٹل ہوا صبح شراب
 ہر صبح اسی ہے طوطی طرب سے ہر
 صبح ٹکی صبح شفق صبح سیا صبح شراب
 جس قدر صبح نکلتی ہے ہر گھنٹہ
 دے ہے نکلتی ہے دج آہو صبح شراب
 بلکہ دوسرے ہے رگ ملک میں طرب ہو کر
 شہر رگ سے ہے ہلی نکلتا صبح شراب
 صبح گل سے چلتی ہے گزہ بھر شیل
 ہے قصور میں رہیں ہلو نا صبح شراب
 شے کے پردے میں ہے تو نکلتے ہار
 بلکہ رکتی ہے سر لکھنا صبح شراب
 ایک عالم ہے وہ طوطی کیلئے فصل
 صبح سیا تو ٹپٹ سے صبح شراب
 شمع بلکتی اسی ہے دے موم ٹکی
 دہر ہوا ہے دنا ہے غنا صبح شراب
 ہوا لگتی ہیں مرے ہوا گل دیکھ لے
 ہر ہوا دلت کہ ہو ہلی نکلتا صبح شراب

ت

۵۱

شہر کے دہان کا کیا رہتی لکھ لے
 جن لوگوں کی تھی دھڑلہ ہر گز انکھت
 نکلتی ہے نکلتی تری چلے کا نہ دنا
 نکلتی ہے نکلتی کے ہوتے سزا انکھت
 نکلتی ہوں نکلتا سوزن دل سے غن کرم
 لڑکے نہ نکلتی مرے دل ہے انکھت

تھ سے قسمت میں مری صورت گل آہو
 تھا کھا ہاتھ کے چنے ہی ہوا ہو چلا
 دل ہوا نکلتی ہوا دست میں کرم
 مت کیا نکلتے میں اس ہتھکے کوا ہو چلا
 اب چلا سے بھی وہی موم ہم لکھ لکھ
 اس قدر دھڑلہ آہو دنا ہو چلا
 صفت سے گھر سہل ہے دم سوا ہوا
 یاد کیا بھی پائی کا ہوا ہو چلا
 دل سے نکلتا تری انکھت نکلتی کا نکلت
 ہو گیا گوشہ سے ہاتھ کا ہوا ہو چلا
 ہے لکھ لکھ پاری کا رہی کر نکلتا
 دے دے لکھ لکھ لکھت میں نکلتا ہو چلا
 کرکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ لکھ
 کیوں ہے گزہ ہو نکلتا سیا ہو چلا

ق

ہر گز تھ ہے کھلے لکھ لکھ لکھ لکھ
 دیکھ رشتہ میں ہر گز لکھ لکھ لکھ لکھ
 نکلتے ہے نکلتے گل نکلتے نکلتا نکلت
 نکلتے کو نکلتے ہر رگ میں دنا ہو چلا

ب

۵۲

ہر ہوا دلت کہ ہو ہلی نکلتا صبح شراب
 دے ہارے کو طرب دھڑلہ صبح شراب
 پچھ مت دہر ہر صبح صبح شراب
 صبح ملک میں ہوئی ہے ہوا صبح شراب
 ہو ہوا فرقہ سے ہوتے رہا دھکا ہے
 سر سے گزے ہے بھی ہے ہار کا صبح شراب

کبھی ہمارے ہمارے ساتھ وہ تو وہاں
 رہتا تھا ہے وہ کو ہمارے دیکھ کر
 میں تکیوں سے پار کے گھبرا گیا تھا میں
 ہی غرض ہوا ہے وہ کو ہمارے دیکھ کر
 کیا رنگوں ہے مجھ سے کہ آہستہ میں میرے
 طوطی کا عکس کچھ ہے اظہار دیکھ کر
 کرتی تھی ہم پہ ہنسی تھی نہ طوطے
 دیکھتے ہی ہمارے غریب قریب ہمارے دیکھ کر
 سر ہولنا وہ غالب شہیدہ جل کا
 وار گیا مجھے تری دھار دیکھ کر

۳

لڑتا ہے مولا دل اصرار میں درخشاں ہے
 میں ہوں وہ شہداء خیم کہ وہ غلیظاں ہے
 نہ بھڑکی صورت پرست نے یہی بھی جادو کرتی
 طوطی حیا بختوب کی بھرتی ہے دریاں ہے
 کا تعلیم درمیان طوطی ہوں میں لہلہ سے
 کہ ہمیں تمام اللہ" گھٹا تھا دیوار دھنسا ہے
 فراغت کس قدر دھن مجھے تکلیف مریم سے
 ہم کر صبح کستے پارہ اپنے طے مسکلیں ہے
 نہیں اچھیر، اللہ میں کوئی طوطا ہاں گیا
 کہ پشور جہنم سے جس کے نہ ہوتے مڑھوں ہے
 مجھے لب ' دیکھ کر ابرہہ شوق ہمارا ' یا آکا
 کہ فرقت میں تھی ' اعلیٰ برحق تھی گھٹاں ہے
 بچہ ہوتا شہزادہ کیا جانی روا ہے گا
 قیامت آگ ہونے سے ہے غالب طہیروں ہے
 نہ تو راج سے غالب کیا ہوا کہ اس نے شہت کیا
 ہمارا بھی تو آکر لہو چتا ہے گریباں ہے

مکرم اس نے کہا ہے کہ جس کا جہنم میں
 لہو نہ کوئی ہم شہزاد کے جہنم
 جی میں ہی کہہ نہیں ہے ہمارے دگر نہ ہم
 سہارے کا ہے نہ رہی ہے کے جہنم
 بھولوں گا میں نہ اس سے ہمارے کو ہوتا
 بھولنے نہ ملے گا ' مجھے ہمارے کے جہنم
 مقصد ہے ہاں اعلیٰ دے سنگھ میں ہم
 چتا نہیں ہے دشت و ہزار کے جہنم
 ہر چہ وہ مظہر حق کی سنگھ
 حق نہیں ہے وہ د سار کے جہنم
 ہوا ہوں میں تو چاہتے ہوں وہ انشت
 سکتا نہیں ہوں ہمت کھڑے کے جہنم
 غالب نہ کہ حضور میں تو ہمارے طوطی
 ظاہر ہے مجرا جل سب ان ہے کے جہنم

۴

کہیں جل کیا نہ گھبرا سہار دیکھ کر
 جلا ہوں اپنی طاقت ہمار دیکھ کر
 اعلیٰ ہست کتے ہی اعلیٰ جہنم مجھے
 سرگرم ہاں اپنے شہزاد دیکھ کر
 کا آہستہ شوق جہنم ہم وہ جہنم
 دھن میں تم کو ہے جب ہمار دیکھ کر
 آتا ہے میرے گل ' ہمارے دھن سے
 مرنے ہوں میں کے ہاتھ میں ہمار دیکھ کر
 جہنم ہوا ہے گھٹا جہنم طوطی
 لڑے ہے میرے تھی دھن دیکھ کر
 دھرتی کہ ہار نے کھینچا ہم سے ہاتھ
 ہم کو شہزادہ شہزادہ ہار دیکھ کر
 کہ جانتے ہی ہم آپ جہنم حق کے ساتھ
 جہنم ہمار شوق ہمار دیکھ کر

جوں کی دھیری کس سے ہو کر ہو نہ مٹی
 گریں چاک آق ہو گیا ہے مٹی گریں ہے
 رنگہ رنگہ اقل لہو رنگہ رنگہ
 ہزار آئینہ طے ہارے ہے ہزار یک پیوستہ ہے
 لک سے ہم کو چلی رات کا کیا کیا تھا ہے
 حلقہ لہو کا گئے ہوئے ہیں قرض راجہ ہے
 ہم دور ہے جب راجہ آٹھ دھن کے رکنا ہے
 شعلہ سر سے قسمت لک کی ختم دہان ہے
 ناک سوہنہ کرحلق ہے اپنی حقیقت کا
 لورج طالع خفاک ہے سواک کس ہے
 اندھیل ہے کس اندھ کا جانی سے کتا ہے
 کہ مٹی ہر کر خون ہے عالم مٹی گریں ہے"

حکم علی مصلحت سے ہیں کہ وہی تھ پہ مٹی ہیں
 ظلم ہر طرف مل جاتے کا تھ سا رجب آخر

دوم تھا کہ دیکھو برا دھاک کوئی دن دور
 تھا گئے کیوں اب رو تھا کوئی دن دور
 مت جاتے گا سر کر رہا ہر نہ گئے گا
 ہوں نہ پہ تیرے ہمیر فرما کوئی دن دور
 کہے ہوکل دور کج ہی کہتے ہو کہ "مہوں"
 نا کہ چھ نہیں" اپنا کوئی دن دور
 جاتے ہوئے کہتے ہو "جہمت کو نہیں گئے"
 کیا خوب ا جہمت کا ہے گویا کوئی دن دور

ہے بلکہ ہر اک فن کے ہاتھ میں نہیں دور
 کرتے ہیں جہت تو گردنا ہے مٹی دور
 اب وہ نہ نہ گئے ہیں نہ کہیں کے مٹی پات
 دے دور دل ہی کو ہو نہ دے لک کو دہاں دور
 اور سے ہے کیا میں لک ہر کو پچھتا
 ہے تھر مٹو کر ہاں کی ہے مٹی دور
 تم شر میں ہو تو میں کیا تم جب انہیں کے
 لے آئیں گے ہاروں سے ہاروں ہاں دور
 ہر چند جب دست ہوئے ہست بھی میں
 ہم ہیں تو انہی رو میں ہے سنگ گراں دور
 ہے خوں بھر جوش میں مل کھول کے دہا
 ہوئے ہو کئی دیکھ غولہ لٹلی دور
 مرنا ہوں میں توڑا پہ ہر چند سر لا جاتے
 ہلو کو لگی ہو گئے جائیں کہ "مٹی دور"
 لوگوں کو ہے خوشیہ جوں کپ کا دھوا
 ہر روز دکھنا ہوں میں اک داغ نکل دور
 لیتا نہ اگر مل جھیں دھاک کوئی دم نہیں
 کرے ہو نہ مرے کوئی دن تو دھن دور
 پاتے نہیں جب دہا تو چہ جاتے ہیں تالے
 دکی ہے مٹی طبع تو ہوں ہے دھن دور
 ہیں اور بھی دھاک میں سمجھو ہست ہست
 کہتے ہیں کہ مٹی کا ہے اندھ جوں دور

مقلد جیسے آئینہ ہے سلطان رنگ آخر
 قہر آہ دہا ہاں لا پاتا ہے رنگ آخر
 نہ کی سلطان مٹی وہا نے قہر دھت کی
 ہوا جام دھواں مٹی لکھ داغ چاک آخر

دل جلد نکلتا ہے ، دماغ کئی
 کہ دیکھ کر کہتا ہے : دماغ کئی
 ہر ایک دماغ جانتی ہے کتابت پرست
 کئی نہ خاک ہوئے ، ہر ایک جلد ہر
 نہ پچھو دستہ بخیر : جلد کتابت
 جلد سے نکلتا گروں ہے ایک خاک ہر

۷۰

دستہ 'سی' کرم رنج کہ سرہنگ خاک
 گزرتے ہے کلمہ یا لہر کمر باد ہوا
 یک قسم کلمہ آمل نہ ہے مطلق دشت
 لعل پتلی ہے سر گری دلت ہوا

۷۱

کہیں کہ اس جگہ سے دکھوں جان ہوا
 کیا نہیں ہے مجھے کہیں ہوا
 دل سے لگا ہوا نہ لگا دل سے
 ہے دے دے دے دے دے دے دے
 کب لگے ی ہے کی کتابت
 دقت خط ہے اور جان ہوا

۷۲

نہ کئی فکر ہوں نہ پتہ نہ
 میں ہوں اپنی قسمت کی کوا
 نہ اور آواز میں تم کوا
 میں اور کوا ہوں اپنے کوا

ہاں اسے کھنکھاتا ہوا ہوا ہوا ہوا ہوا
 کیا ہوا کوا ہوا نہ مرنے کوئی ہوا ہوا
 تم نہ شب یادیں تھے مرنے کمر کے
 ہر کئی نہ ہوا کمر کا نہ کھنکھاتا کوئی ہوا ہوا
 تم کوئی سے تھے اپنے کمر کے ہوا ہوا
 کرا کرا کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 مجھ سے کہیں کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 چوں کہ بھی دیکھا نہ کھنکھاتا کوئی ہوا ہوا
 گزرتی نہ ہر جگہ سے دقت کوا ہوا ہوا
 کرا کرا کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 ہوا ہوا ہوا کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 قسمت میں ہے مرنے کی کرا کرا کرا کرا

۷۳

۷۴

دماغ مجھے نہ جان کہ ہوا کرا کرا
 ہے دماغ کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 ہے ہر کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 ہوں کرا کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 سے کرا کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 غلام کیجئے ہے کرا کرا کرا کرا کرا

۷۵

دماغ کرا کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 دماغ کرا کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 نہ ہوا کرا کرا کرا کرا کرا کرا
 ہوا کرا کرا کرا کرا کرا کرا کرا

نیر کی سنت نہ سمجھوں گا ہے؟ تو میرے
دلم میں کبھی نہ جاتا ہے میرا ایک
یاد میں کبھی تھے وہ دن کہ وہ لڑکی میں
دلم سے گرا تو میں بچوں سے پتا لگا تک

۷۹

وہ ایک چاہے ایک مریض ہوئے تک
ہوں گیا ہے تو ایک کے سر ہوئے تک
ہم ہر صبح میں ہے عطا صد بھر تک
انہیں کیا گزرتے ہے غصہ و کمر ہوئے تک
باقی میرے طلب اور قضا ہے تک
دل کا کیا رنگ کون غور بھر ہوئے تک
ہم نے ہمارے کہ تھیں نہ کہ گئے تھیں
ہم کو ہوا میں گئے ہم تم کو لڑ ہوئے تک
ہر فرد سے ہے ہم کو قہر کی نصیم
میں میں ہوں ایک صحت کی نظر ہوئے تک
یک نظر میں میں فریضہ ہستی ہستی
گراں ہم ہے ایک دھڑکی شہر ہوئے تک
فریضہ ہستی کا لہر کس سے ہوئے مرگ طبع؟
طبع ہر رنگ میں ہستی ہے سر ہوئے تک

(گ)

۸۰

کہ تھ کہ ہے چھینو اپنی دعا نہ ایک
یعنی تھ ایک طرح ہے دعا نہ ایک
آپ ہے دل میں صحت دل کا شہر ہر
تھ سے صحت گز کا صحت لہ خدا نہ ایک

تھ نیک سے دعا بھرا کرتی ہے
تھ بھرا رہتی ہے دعا بھرا کرتی ہے
تھ دل میں طبع صحت کی بھر نہ ہے
تھ صحت ہے صحت میں صحت طبع
تھ ہے دیکھ کے بچوں ہر ہے دیکھ کو
تھ ہیں ہر دل پہ صحت دل میں بھرا کرتی ہے

(ف)

۷۷

ہم رقبہ سے نہیں کرتے دل میں ہوتی
بھریں تک ہوتے لہ اختیار ہوتی
ہوتا ہے دل کہ کیں نہ ہم ایک ہر ہر گئے
لہ باقی صحت طبع ہر ہر ہوتی

(ک)

۷۸

دلم ہر بھریں کیں بھریں ہے ہوتا تک
کیا ہوتا اگر بھریں میں ہی ہوتا تک
کہ دلم ہر ہے بھریں ہر دلم دل
دلت ہوتا ہے ہستی میں کیں قد پیدا تک
تھ کو لڑائی دے تھ کو بھریں ہوتی
تھ بھریں کا دلت ہر بھریں گل کا تک
تھ بھریں کا بھریں ہر بھریں کا کہ تک
کہ بھریں ہے ہر دلم بھریں ہوتا تک
ہر دلت ہے صحت دلم بھریں کا دلت ہر
ہر دلت ہے بھریں دیکھ ہے ہر بھریں ہوتا تک
بھریں کہ بھریں بھریں بھریں ہوتا ہے
دل طلب کرتا ہے دلم ہر دلت ہیں بھریں تک

جہاز کے بعد بکھرے پتوں میں
 ہیں پراگندہ شیشیے دلیر ہونے میں
 صاف سے ہے 'نئے قامت سے' یہ ترکہ آج
 ہیں دھڑکنے والے گھر سے ہونے میں
 دھم دھم اس میں ہیں لاکھوں تھامی آسما
 جلتے ہیں سینے پھٹنے کو دواں غار میں

۸۳

یہ ماحول ہی ابھی فراموش
 تھا خدا دیکھ کر خدا خدا معلوم

۸۴

دکھ کو جارہی ہیں مارا وطن سے دور
 دکھ کی مورتی خدا نے مری بکسی کی شرم
 وہ جلتے زلف کبھی میں ہیں اسے خدا
 دکھ کے لیے میرے دلوں کی بارش کی شرم

(ن)

۸۵

لوں دامن بختہ غارت سے ایک خواہر خوش " دے
 غالب یہ خوف ہے کہ کہیں سے آوا کہیں

۸۶

" فرق اور " وصل کہیں
 " شب و روز " د و " وصل کہیں
 فرستے کہلائے عشق کے
 ادا ہے گھرنا جیل کہیں

(ج)

۸۷

یہ کس قدر ہائیکس لہجہ دہانے کی
 باتوں کے گھوڑے ہیں خدا ہٹے کی
 کڑواؤں میں سہارے کہ ہر طرف
 لڑنے ہنسے ہیں جلتے دامن ہونے کی
 ہوتا ہے سوچنے رنگ کے دھوکے میں مر گیا
 اسے دانتے اٹھتا ہے لڑنے ہونے کی
 خوش حال اس جھڑپ سے مست لا کر ہر
 دھکا ہر شکر سلیقے کی سب پائے کی
 تھکا کرتی ہے اسے تھکے کے ہمارے
 میرا رعب ہے جس طرح سانس کی
 شرم سے رکھتے ہیں مجھے یاد ہمارے
 جلتے ہے شراب و دل ہے ہونے کی
 سطوت سے تھکے جلتے صحن خیر کی
 لوں سے مری دکھ میں رنگہ ہونے کی
 مجھ سے ہی جلتے کا ہے یہ دھوکا کہ جن تک
 ہے اعتبار دہانے ہے کی دھانے کی
 غالب مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو
 جس کا خیال ہے کچھ جھپٹے ہونے کی

(م)

۸۸

لم نہیں ہوا ہے آوازوں کو جی ایک جس
 ہٹی سے کہتے ہیں روشن طبع نام خدا ہم
 جھٹکتے ہر دم کہے ہے مجھ کو ہر خیال
 ہیں ذاتی گردن " غمگین ایک بتے خدا ہم

کس حد سے غم کیجئے اس لطف چاہے
پرسش ہے اور پاسے حتیٰ وہیں نہیں
میں کو ہم صوفی غم کو ہم صوفی
پہلوں نہیں ہے اگر صوفی نہیں
پور نہیں نہ دیکھتے دھم ہی میں
آخر وہی تو دیکھتے ہو تم کہلوں نہیں

(۳)

ہر پند ہوں گواہی تو غلب ہے
ہر پند پشت گریں لب و لہجہ نہیں
ہوں سحرچہ دوزخ فی سحر خہ ہے
لب پند ، نیکر دوزخ اہلی نہیں
مگر سے جہر جد اگر مل نہ ہو
دل میں پھری بہار میں گر لہجہ نہیں
ہے نغمہ جد دل اگر اقل کہ نہ ہو
ہے ہار دل غم اگر آرد اہلی نہیں
تھیں نہیں اہلی میں نہ سے ہو مگر غلب
سحر دہش کے بدلے جلیں گریں نہیں
کتنے ہو کیا کہا ہے دی سر پشت میں
کہا نہیں وہ چہرہ بخت کا نہیں نہیں
پانا ہوں اس سے دل کہ اپنے کام کی
دور اہلیں اگرچہ سرچشیں نہیں
ہوں ہے پائے پور دے کیوں کے بھی
غلب کو چاہا ہے کہ وہ ہم ہوں نہیں

۴۳

پیش دشت اور دی کوئی تھو نہیں
ایک پتھر ہے سوسے پتھر میں زکھر نہیں
حق اس دشت میں دے ہے کہ کو کہل
ہوں پیر لا نگر دے قصہ نہیں

تھے ہی غم ہائے کھل ہر سونے دل
ہر کار زلف کو نگہ سوسے جا کھوں
میں اور صوفی ہونے بکر اراض
تو اور ایک وہ سوسے کہ کیا کھوں
کالم سوسے کھوں سے کھے مفضل نہ چاہ
ہے ہے خدا کہہ گئے ہے وہ کھوں

۴۴

سوی سوسے ہار کھے چاہ جس دشت
میں کیا دشت نہیں ہوں کہ ہار بھی نہ سکوں
صوف میں صوفی غلب کا کھوں کیا ہے؟
ہات کھہر تو نہیں ہے کہ اہلی نہ سکوں
زور شادی میں کھہر کا ہم کر اہل
کا قسم ہے ترے لئے کی کہ کھہر نہ سکوں؟

۴۵

ہم سے کھل جہ پند سے پستی ایک دن
درد ہم پندیں کے دہر کر ہر مس ایک دن
نور صوفی ہائے ہار کھوں نہ ہو
اس ہادی کے نہیں میں ہے پستی ایک دن
فرض کی پستی سے جلیں کھتے تھے کہ ہوں
دکھ کھتے کی ہادی ہر مس ایک دن
نور ہائے ہم کو بھی اسے دل قیمت جانے
ہے صوفی ہائے کھہر ہر مس ایک دن
بھول دھما کھیں سوسے ہر کھتے نہیں
ہم ہی کر پستی تھے غلب پستی ایک دن

۴۶

ہم ہر جہ سے زک دے کا کھوں نہیں
اک پتھر ہے دگر ہر اہلی نہیں

صبرِ لختہ کھل رہی ہائی ہے
 بلند رہا وہ دمِ عشق میں
 سکر لہجہ تھا جلدی گویا
 غزل میں گریہ دہائی سکر پھر میں
 سر کھن ہے، میں دلم سر اچھا ہے
 لختہ لگ ہے، لہجہ حق میں
 جب کرم رخصت چاک و سبائی سے
 کوئی تھیر بڑھ لختہ تھیر میں
 غالب اپنا ہے، حق ہے بڑا غزل
 "کب ہے وہ ہے جو سہ میر میں"

۹۳

مست ہوک رہا میں کسم ہے
 ہی بیج سوہانہ طبع چم میں آئی

۹۵

بھنگی کرتے مائن ہے دیکھا ہے
 کھل گئی ہاتھ لگی سہا سے دواہر میں
 لختہ گل سے لگا ہے دھواں دار کھلی
 سو ہے پاملس آزاری گرفتار میں

۹۶

عشق	باز	ہے	نوسید	میں
ہاں	پہاڑی	قہر	ہے	میں
صلحت	دست	دست	کلی	ہے
ہام	ہے	عالم	ہشہ	میں
ہے	گلی	تری	سلج	دہا
دہ	ہے	ہم	قرشہ	میں

دو سقین نہ اُڑا ہے
 درد مر جانے ہی یکہ ہے
 گردش رنگ غریب سے ار ہے
 علم عروضا جلدی میں
 کہتے ہی "بیچے ہی میں" وہ
 ہم کو بیچے کی ہی میں

۹۷

جلی تھا حق قدم دیکھتے ہیں
 خیالی خیالی برم دیکھتے ہیں
 حق تصنیف عالم کچھ دہی کے
 سُہا میں بحر دم دیکھتے ہیں
 تیرے سوہت سے اک قدم گم
 قسمت کے لئے کو کم دیکھتے ہیں
 قضا کہ لے لے لے آئند دہی
 تجھے جس قضا سے ہم دیکھتے ہیں
 سراپا کبر ہا لے دایا دل سے
 کہ شب و کا حق قدم دیکھتے ہیں
 ہاکر قیدیوں کا ہم بھی غالب
 قضا کے الہ کرم دیکھتے ہیں

۹۸

حق ہے طے دار سے ہر غالب میں
 کلم ہیں کہ نہ حق ہے راست غالب میں
 کب سے ہوا کیا جلا غالب میں
 قبیلے ہر کوئی دیکھ کر غالب میں
 بکھر نہ انتظار میں پڑ آئے ہر
 آئے کا مد کہ گئے آئے ہر غالب میں

۱۳۲

ہاں تو حسنِ ظہیرؔ اے ہم اہلِ نہیں
 ہے کھٹکے جگہ کھڑے یہاں نہیں
 خلق و جودِ عزیزؔ خدا کیا خوب
 ہم کو حلیمؔ کوئی فریاد نہیں
 کم نہیں وہ بھی فریاد نہیںؔ پ دستِ معلوم
 دشت میں ہے مجھے وہ پیش کر کر یاد نہیں
 اہلِ خلق کو ہے طوفانِ دولتِ کتب
 طوفانِ سنجؔ کم اور خلقِ اسد نہیں
 دلتے عہدِ "حلیم و نبی" مل جاتا
 ہوتا ہے کہ ہمیں طوفانِ فریاد نہیں
 راگِ حسینؔ گل و لالہ پرچیں کہاں ہے؟
 مگر ہرگز ہرگز ہرگز ہرگز نہیں
 "سُورِ کُحلی" کے تے ہرگز ہے گنجیں
 نوزد اے مرغ کہ گوار میں عید نہیں
 لی سے کرتی ہے بہت دوش گما
 دی ہے جانے وہیں اس کو دم لکھ نہیںؔ
 کم نہیں بلکہ گری میں دے گھٹ سے بہت
 کی کھٹ ہے دلے اس قدر کد نہیں
 کرتے کسی مد سے وہ فہم کی کھٹ غالب
 تم کو ہے مگر یادِ دل یاد نہیں؟

۱۳۳

دلوں میں دے کے وہ کچھ یہ غلطی ہا
 ہاں آپنی = شرم کہ گوار کیا کریں
 تھک تھک کے ہر دم سے وہاں وہ گئے
 جوا چاہے نہ بائیںؔ تو کھلا کیا کریں
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا غول اہلِ جہاں؟
 وہ لمبی ہا کھلاؔ تو گزار کیا کریں

چل ہوں تھوڑی دور ہر اک تھوڑے ساتھ
 پہاڑ نہیں ہوں انکی دھیر کو میں
 خواہش کو ہاتھوں نے پہنچا دیا قرار
 کیا پہنچا ہوں اُس بُھڑیاد کر کو میں؟
 ہر دھڑکی میں بھول گیا دہر کھٹے بار
 پانا دگر ایک دن اچھا خبر کو میں
 لپٹے پہ کر رہا ہوں کھاس اہلِ دہر کا
 کھان ہوں دل چاہے جھڑکا ہر کو میں
 غائب تھا کہے کہ سولہ سولہ
 دیکھوں غلط پہلو اہلِ گھر کو میں

۱۳۴

ذکرِ بھلاؔ ہے پانی بھی اے حشر نہیں
 غیر کی بات بگڑ جائے تو بہرہ دور نہیں
 وعدہؔ میرؔ گھٹ ہے ٹوٹا طالعِ خلق
 جودِ اہلِ عقد ہے وہ لاکر نہیں
 ظہیرؔ ہنسیؔ خلق کی کر ہے عالم
 لوگ کہتے ہیں کہ "ہے" ہے ہمیں حشر نہیں
 کھو ہوا بھی حقیقت میں ہے وہاں لکھیں
 ہم کو ظہیرؔ اہلِ غنیؔ سہر نہیں
 صبرؔ اے ذاتِ فریاد کہ وہ جانتے نہ رہی
 خلقؔ چہ عہدؔ کی گھٹ تو دگر نہیں
 میں ہو کتا ہوں کہ ہم بگڑے ہمت میں نہیں
 کس دھوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم عہد نہیںؔ
 ہم کہ علمؔ ہر لطفِ دلچ آتا
 تو کھٹ میں کسی رنگ سے مضار نہیں
 سلفِ شہرؔ یادؔ ہم ہیں ہم لوگ
 دانتا وہ پلہ کہ طوفانِ انور نہیں
 ہوں غمگین کے کھٹ میں غلطی غالب
 میرے دوسے پہ = جنت ہے کہ حشر نہیں

۲۴

ہر گئی ہے خبر کی شیریں جانی کار
مخلوق کا اس کو گل ہم سے زہاں ہے نہیں

۲۵

قیامت ہے کہ جس لیلیٰ کا دشتِ قفس میں آ
عجب سے وہ لہو میں بھی ہوتا ہے نلے میں؟
دلِ پاک پہ اس کے دم آتا ہے بھگے غائب
نہ کہ سرگرم اس ہزار کو اللہ آنے میں

۲۶

دل کا کرگ کیا ہی کو بھی عمارت
بارے اپنی نیکی کی ہم نے پائی دار ہاں
ہیں خدائے کمال اور آفرین کے دم
میر گھٹا ہے چرخِ رہنما ہاں

۲۷

ہم نے ہر میں دیوارِ دہ کو دیکھتے ہیں
کبھی ہمارا کبھی بھی ہمارے کو دیکھتے ہیں
وہ آئے گھر میں طہرے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم نے کبھی بھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں اس کے دست و پاؤں کو
یہ لوگ کہیں مرے دلم جگہ کو دیکھتے ہیں؟
ترے عیاں طرف نگہ کو کیا دیکھیں
ہم اپنے طالعِ نعل و کمر کو دیکھتے ہیں

۲۸

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
شہرِ فرق سے ہرجا زور نہیں
کلی کے کہ شب سے میں کیا رہاں ہے
ہاں سے آگاہی کو اور ہاں نہیں
ہر آؤں سناؤں ہی کے تو مرہا نہ کہیں
ہر چاہی وہی سے کہیں کو تو خیر نہیں
کبھی ہر یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
کہ "ہم دم میں ہم بھگت دلتا نہیں"
عقلِ حید کے لٹی ہے اور وہ بھی شراب
گولے کچھ بھگت بھگت نہیں
ہاں میں ہر غم و شادی یکجہ ہیں کیا کام؟
ہاں ہی ہم کو خدا نے وہ دل کہ شہ نہیں
تم ہی کے ہوتے آفرین سے کہیں کو غائب
ہے کیا کہ تم کو اور وہ کہیں کو "ہاں نہیں"

۲۹

حیرت تو میں کو ہمارا دہتے ہیں
ہم بھی حیرت کی ہمارا دہتے ہیں
تو کائنات نے اتر دیکھا ہے
ہم بھی ایک اپنی ہمارا دہتے ہیں
جیسی فرست کے عقل اسے ہر
بقا کو ہاں ہاں دہتے ہیں
نہر ہستی سے رہائی معلوم
شک کو ہے سہا دہتے ہیں
نور رنگ سے ہے دانش کل
مست کب بدلتا دہتے ہیں
عقل ہائے حیرت مست ہاں
لوگ غلے کو زما دہتے ہیں

دوست خاندان چیلر کا دھڑلے دھڑکیا ہوا
 قہقہہ، ہم شیلپ ہے، میرے ہر قدم پر قدم اٹھائے تھے
 ہاں کسی سے ہو غصے گھڑی میرے ہنسنے کی
 شب - ہو "رنگ دہی پتھر دانوں کے دانوں میں
 کوہاں باغی، ہوا میں شہر ہواں اتلی
 ہوا ہے صفا "ہیلپ" "جیے ہیلپ" دھڑکیاں میں
 ہوئے اس سر دلی کے جلیاں قہقہے کے آگے
 "کھلیں ہر ہر آئینے میں شہر کا وہ دانوں میں
 دہاؤں ٹیک ہواں یا جہاں" بہت غافل ہے
 ہوئی اعلیٰ توہیں آگسٹ میں، ہواں توہیں گھٹن میں
 ہواؤں دل دے ہواؤں، ہواؤں خلق نے گھ کا
 سید ہو کر سچا ہو گیا ہر قدم توہیں تھے
 اسیا دعاؤں "تاکیر اللہ" ہائے توہیں ہواں
 علم دستور توہیں ہو گیا ہے غول گھڑی میں

طرے بھان کے اپنی نظر میں خاک میں
 سوائے غولہ بھر ہر جگہ میں خاک میں
 بھر غبار ہوئے ہوا اڑا لے جانے
 وگرنہ لب و لہجہ ہی میں خاک میں
 یہ کس بے حسہ شاہی کی کہ کہ ہے؟
 کہ غمیر جادوئی کئی رنگارنگ میں خاک میں
 بھلا اسے نہ سہی کہ مجھ کو دم آتا
 اڑ رہے تھیں یہ اڑ میں خاک میں
 خیال جادوئی کئی سے غراب ہیں بیکل
 شریعت کے دوار دور میں خاک میں
 ہوا ہوں متعلق کی جادوگری سے شریعت
 سوائے صحت قہر گھر میں خاک میں

100

دعاگو سے دوش پہ ڈھلا بھی نہیں
 لیکن جسے سبب میں اک نہ بھی نہیں
 دل کو نیاز صبرِ دیار کر چکے
 بیکار تو ہم میں مختصر دیار بھی نہیں
 ملنا تو اگر نہیں آسلی تو سل ہے
 دیوار تو یہی ہے کہ دیوار بھی نہیں
 ہے خلق مرگت نہیں نکلی ہے اور یاں
 طاقت بظاہر اندر کوار بھی نہیں
 غورنگ کے ہاتھ سے ہے سوالِ دل
 صرا میں اسے خدا کوئی دعا بھی نہیں
 چھانکنڈ دعاوتِ اظہار یکہ غریب
 یاں دل میں صفت سے ہوسر پار بھی نہیں
 اور نہ اپنے زار سے میرے خدا کو مان
 آواز لائے مرغ کرگد بھی نہیں
 دل میں ہے پار کی مہرِ مٹاں سے دعاگو
 مال آگاہ طاقتِ انورِ باد بھی نہیں
 اس سلگی پہ کھنڈ مر جائے اسے خدا
 کرتے ہیں اور ہاتھ میں کوار بھی نہیں
 دیکھا آئندہ کو طوت و جلوت میں بادیا
 دعاوت کر نہیں ہے تو بشار بھی نہیں

1

نہیں ہے دھم کوئی تجھے کے درگزر سے تو میں
ہوا ہے تکرارِ قصہ 'ہاں' رشتہ چشمِ سولہ میں
جہل ہے 'ہاں' قصہِ کشتہ عتد و ہفتی
کعبہ چاہے باقی ہے ہر گھبراہٹِ روزگار میں

ہاں کے طور پر کہنے کی کیا وجہ؟ دیکھیں ناظر
پہلی ۶ روایتی روہ ایم ہے ہم کو
۱۰ قسم ۱۰ نازک کہ عشقی کو لکھیں گئے ۱۰
۱۰ ہم ۱۰ ملازم کہ تھوڑی بھی قسم ہے ہم کو

گھڑو آئے کا ہاتھ نہیں کھینچتے
ہرگز میرا انشا سوا کم ہے ہم کو
حقیر ملکہ شوق نہیں ہے یہ قدر
حرم میر کھلے دلوسہ حرم ہے ہم کو
لے پائی ہے کہیں ایک رقعہ عجب
بلاؤ نہ کشش عجب کرم ہے ہم کو

72

تم پہ تم کو کچھ سے نہ دم دور نہ
 دل کو بھی پہنچے وہ تو کیا کہہ سکتا؟
 پہنچے نہیں پہنچتا روزِ مژدہ سے
 قاتل اگر رہے ہے تو تم کو نہ
 کا وہ کہی ہے سہہ کئی دلی جہاں سے

بتا کہ تم ہر صبح قریشہ دے لے گا
 ابراہیم قلب میں ہے ان کے ایک کمر
 مرا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ
 وہ بیکہ پہنا تو ہر لب کیا جگہ کی تہ
 سب سے ہر دروازہ ہر کھلی خانہ
 شمع چمک رہی تھی قریب سب دوست
 لیکن خدا کرے وہ ڈرا جلا کر
 چاہے بھی کہ نہ وہ تو جگہ ایسا ضرور
 دینا ہر بارہا اور مرا بارہا

مقام کی جستجو میں پہلا ہوں تو دور دور
 تہ سے سواکتھ ہیں اس غشت قہ سے ہاتھ
 آتے رہے غفلت داشت نور دلی کہ بھڑک
 جتے ہیں خود بخود صرست اندر کھنک کے ہاتھ
 ہے ہاتھ لگی ہمارے میں ہاتھ کہ ہر طرف
 اڑتے ہوئے اٹھتے ہیں مرغ چابی کے ہاتھ
 شب کو کسی کے خواب میں آتا ہے یہ کہیں
 دیکھتے ہیں توج اس بیت ہاتھ ہاتھ کے ہاتھ
 خواب صرست کام میں کہیں کر سوتا ہے یہ
 چاہے ہوں دھوکے شہر شہری غفلت کے ہاتھ

1

وہی اس کو عالم دل ہے تو یوں میں ہوں شرمندہ
 محنت یہ بھری تو کی تاثیر ہے نہ ہوا
 اپنے کو دیکھتا نہیں اوقاسم تو دیکھ
 تیرے نام پہ دیکھتا نہیں ہے نہ س

1

پہلی بات : یہ غلط ہے کہ ہم سے ہم کو
 خود انہی باتوں میں ہم سے ہم کو
 میں اس اور مجھے دل جو رکھتا ہے
 اس قدر وہی زندگی ہم سے ہم کو
 نصف سے نکلی ہے اور ہے ہون نہیں
 ہے۔ کہنے سے نہیں طاقت ہم سے ہم کو
 ہیں کہ مجھے تھکن کہ کہہ رہے ہیں
 یہ نظر ملا ہوا تو ہم سے ہم کو
 رکھ ہم طرح ہ اور اگر ہفت میں
 میں مرا سر جی ہ ہم سے ہم کو
 ہر بات کے ہر بات کو تھکا جاتا
 میں کے ہونے کہ "ہم سے ہم سے ہم کو"

وہ کیسی؟ کس کا عشق؟ جب سر پہونڈا لہوا
 تو ہمارے سنگ دل بھاری سنگ آہٹیں کیں ہں؟
 جس میں تھ سے دھواں نہیں کھتے نہ نور ہم
 گری ہے جس پہ کل نکل وہ میرا آئینہ کیں ہں؟
 یہ کہہ سکتے ہں ہم دل میں نہیں ہیں؟ یہ ظفا
 کہ جب دل میں تھیں تم ہو تو آنکھوں سے نکل کیں ہں؟
 ظفا ہے چہرہ دل کا شہر : دیکھو ہم کس کا ہے
 نہ کچھ گم تم اپنے کو : کواکس دریاں کیں ہں؟
 یہ تھ توئی کی ظفا : ورنہ تو کیا تم ہے؟
 ہونے تم دوست جس کے دشمن اس کا آہں کیں ہں؟
 کیا ہے گولہ تو سٹکا کس کو کہتے ہیں؟
 ہر کے ہر کے جب تم تو میرا آہٹیں کیں ہں؟
 کا تم نے کہ ہمیں ہر غیر کے ملے میں رسائی؟
 جا کہتے ہں جی کہتے ہں ہر کہہ کہ "ہاں کیں ہں؟"
 ہا چلتا ہے ہم کیا سنوں سے تو عتاب
 تہ سے ہے سر کہتے سے وہ تھ پہ سوں کیں ہں؟

۳۸

رہتے ہں لٹی جگہ جلی کر جلی کوئی نہ ہں
 ہم آئی کوئی نہ ہں نور ہمیں کوئی نہ ہں
 ہے وہ دہرہ سا ایک گھر ظفا چاہتے
 کوئی ہمیں نہ ہں نور پاسوں کوئی نہ ہں
 پاسے کر عیار تو کوئی نہ ہں عیار دار
 اور اگر ہر چاہتے تو نور توں کوئی نہ ہں

۳۹

تر سر تپ وہ دل و دل ہے آئینے
 طری کو عشق ہمت سے مطلق ہے آئینے

کی وہ بات کہ ہو محکمہ تو کیں کر ہں
 کہے سے کہہ نہ ہوں ہر کہہ تو کیں کر ہں؟
 ہمارے دکان میں اس فکر کا ہے ہم وصل
 کہ کر نہ ہو تو کیں جانیں ہں تو کیں کر ہں؟
 لب ہے اور کیا نکلتی تو کیا کیجے؟
 دیا ہے اور بھی کو کہ تو کیں کر ہں؟
 تھیں کو کہ گزرا صم ہر سوں کا
 جوں کی ہں ہر ایسی ہی طو تو کیں کر ہں؟
 ایچے ہں تم اگر دیکھتے ہں آئینے
 یہ تم سے ہر میں ہوں ایک ہں تو کیں کر ہں؟
 تھے نصیب ہں ہر وہ چاہ میرا سا
 وہ نفس دن نہ کہے رات کو تو کیں کر ہں؟
 ہمیں ہر من سے ایسے اور انہیں عاری قدر
 عاری بات ہی پہنچیں نہ ہو تو کیں کر ہں؟
 ظفا نہ تھا ہمیں ظفا پہ نکلی نئی کا
 نہ مانے وہ وہ ہر ہوں تو کیں کر ہں؟
 عیار جس جگہ کو دیکھ کر کہ تھ کو قرار
 یہ نفس ہر دگہاں میں فرد تو کیں کر ہں؟
 مجھے ہوں نہیں عتاب دے ہر عقل حضور
 "فراق یاد میں تھیں ہں" تو کیں کر ہں؟

۴۰

کسی کو دے کے دل کوئی توازن نہیں کیں ہں؟
 نہ ہو جب دل ہی جتے میں تو ہر حد میں نہیں کیں ہں؟
 وہ اپنی غم نہ پھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیں پھوڑیں؟
 جب سوز کے کیلج بھیجیں گے ہم سے سرگرم کیں ہں؟
 کیا غم نے رسوا کئے ایک اس محبت کو
 نہ دوسے تک ہں تم کی وہ میرا راز دل کیں ہں؟

چہ سوز دار ہر دم و دہارِ غم کہہ
جس کی ہلہ یہ ہو ہمار اس کی خوش نہ ہوا
ہمار نکاح کی بھی صورت اعلیٰ
دستاری نہ دہم یہاں نہ ہوا

صد ہزار روپے دے ہے تو مڑاں اٹھائے
 طاقت کمال کہ روپ کا املاں اٹھائے
 ہے ملک یہ برادر معارف ہوں عشق
 یمن ہنوز صفت طلاق اٹھائے
 دیوار ہمارے منظر حوروں سے ہے لم
 اسے غلامی غراب نہ املاں اٹھائے
 بے صبرے اہم رات کو روتا نہ کیجے
 بے پناہ جسم پتلی اٹھائے

مسجد کے دروازے خراب تھے۔
 بھول چکے تھے۔
 مانتے تھے کہ یہ ایک اور شخص ہے
 آخر حق کی بات نہ تھی۔
 وہ دہائیوں تک ظلم و ستم کی
 بات کر رہے تھے۔
 انھوں نے یہ دیکھا کہ ہم مسلمان
 تھے۔
 ان کو دیکھا کہ یہ دہائیوں
 کے لیے تھے۔

ہے رنگور لکھ دو گی ورنہ ہا ہا
ہر رنگ میں ہمارا کٹھن ہے
سڑا ہوا ٹم پڑا ہے بھگور بھاری
وہ سڑے قبلہ وقتِ حیات ہے
ایک ہی مسیحا گردشِ عبادت
مقامِ کیش مستقر ہے رات ہے
انڈولنا ہے اصل سے غائب اندھ کو
بھڑکی ہی سے لگے ہے ہر بات ہے

پہلے تو میں تھا ایک دل یک لہو غلام " " مجی
 سو رہتا ہے انداز پکیٹ سرکوں " " مجی
 رہے اس شراب سے آزاد ہم چہرے غفلت سے
 غفلت برطرف تھا ایک اندازِ دہوں " " مجی
 ظاہر مرگ کب نسکریں آزاد کو بخشے
 مرنے جاں نثانی ہے اک صہریوں " " مجی
 نہ کرنا کائنات ہر لمحہ کو کیا معلوم تھا ہم
 کہ " " گا چاہت افروغی درجہ دہاں " " مجی
 نہ تھا کُشتیِ غمِ بجا ہے ہر لمحہ
 مرنے روئے چھٹی میں ہے اک سورج غلام " " مجی
 " " محنت کی خواہش ملتی گروں سے کیا کیے
 لئے بچا ہے اک " " چہرہ جاں داؤگوں " " مجی
 مرنے دل میں ہے غائب شوقِ وصل و شہو بھری
 راہ " " دل کرے نہ اس سے میں ہے مجی کہوں " " مجی

ہے ہم اُنکی بھی غمی آرزو لہوں سے
جگ آئے ہیں ہم ایسے خوشہ طلبوں سے

ہے وہ خود میں سے بچتا رہا
ہر بات اس کے پاس دل حق ٹھاہر ہے
لیکن قدرے شب سبب میں شرب
اس بھی حلاج کو گری ہی رہا ہے
ہر ایک مکان کو ہے نہیں سے طرف اشارہ
نہیں جو مر گیا ہے تو جگہ ٹھاہر ہے

۱۳۲

کرماتی سے قائم اٹھائے مل ہے
لڑائی میں کہ یہی بات سمجھی مل ہے
کس کو جہاں صبرِ اقلد کا گرا
دل فدا جی و شہر نہاں ہے مل ہے
کس پرستہ میں ہے آئینہ ہوا نہ خدا
رستہ کہ خدا لولوب ہے سوال ہے
ہے ہے خدا خواستہ وہ خود دشمن
اسے حق و فضل سے تجھے کیا خیال ہے؟
نکلیں ہمارے کبہ حق کے قدم سے ہاں
خیر و نیک ہے نہ کہ خیر و نیک ہے
دشمن پہ یہی عرصہ اکل تک تھا
دیا دشمن کو حق و فضل ہے
ہستی کے مت قریب میں کہانہ اشارہ
یام ہم عتدہ دلیہ خیال ہے

۱۳۳

تم اپنے شکوک کی باتیں نہ کہو کہو کے پہلو
خدا کہ مرے دل سے کہ اس میں آگ جلی ہے
ملا یہ دردِ عالم بھی تو شہت ہے کہ انور
نہ گریہ صحت ہے نہ تو علم نس ہے

نہیں دل میں گر نہ تھا کہو لم کا وصل
تو نے ہر کس کی جی میں نگہاں ہے اپنے
کیوں میں تم طواری کا تھ کو آقا قاضی؟
دشمن اپنی جی میں دھڑائی ہے اپنے
مر جہر کا تو نے جان رہا ہوا تو کیا
مر کو بھی تو نہیں ہے پلہاری ہے اپنے
زیر تختی ہے مجھے آپ و ہوائے زندگی
میں تھ سے جی اسے ہمارا گری ہے اپنے
کلی لٹلی ہے ہر جہاں کو کیا ہو گہرا
ناک ؟ ہوتی ہے جی نہ کاری ہے اپنے
شرم رسولی سے چاہیہا غلبہ ہے اپنے
نعم ہے اہل کی تھ ؟ ہوا داری ہے اپنے
ناک میں ہمارے ہمارے صحت ہی کی
انہ کی دنیا سے راہ دوح داری ہے اپنے
باقہ ہی حق گہرا کا ہم سے ہوا رہا
دل پہ آگ گئے نہ پیا زلم کاری ہے اپنے
کس طرح کہنے کوئی شب ہے تیرے ہٹل
ہے تھر تو کہتا آخر غری ہے اپنے
کوئی مجھ پریم و نعم محروم مل
ایک دل جس سے یہ حامد داری ہے اپنے
حق نے پکارا نہ تھا ہاتھ ہاں دشمن کا رنگ
وہ کیا حال میں ہو کہ حق غری ہے اپنے

۱۳۶

مرگشتگی میں عالم ہستی سے ہاں ہے
نہیں کہ دے لو کہ مرے کی جس ہے
نہیں میں مرے دل کو کہ کی خبر
اب تک وہ ہوتا ہے کہ جیسے ہی ہاں ہے
کیجئے جہاں سہر سہر لم کہیں نکلتا
ہر مرے جان پہ لپٹا ہاں ہے

۳۳

ایک پہلو وہ تھا تو یہ بھی مست کیا
 ظاہر کھڑے تھے وہ کا ظہر ہزار ہے
 ی جے اٹھ کی جھکی ہے نہ کیوں؟
 ہم میں چلتے شخص پر چند آفتی ہے
 آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
 ہر کوئی دربار کی میں ٹالے سے بھاڑ ہے
 ہے وہی ہستی ہر ارد کا خود خدا
 جس کے ہونے سے نہیں آہیں سرشار ہے
 مجھ سے مت کہ تو میں کتا تھا اپنی زندگی
 زندگی سے بھی مرانی میں دلوں جڑ ہے
 آنکھ کی تصویر سرائے پہ کھینچی ہے کہ آ
 تھ پہ کھل بدلے کہ اس کو صورت نہ رہے

۳۵

بچوں میں گزرتے ہیں یہ کہنے سے وہ میرے
 کدوا بھی کدوں کو بدلے نہیں اپنے

۳۶

میری ہستی فضا سے جڑت آکر تھا ہے
 جسے کہتے ہیں ہمارے اسی عالم کا تھا ہے
 غصہ کیا؟ صلہ کی کہتے ہیں کہ کوئی سوچ ہے
 وہی ہم ہیں جس سے ہمارے بل جڑ کا ہے
 دھنسنے دلیوں پہ فطرتی دھنسنے اے ہم
 اور فطرت دھنسنے جس کا کہنے دیکھا ہے؟
 نہ کوئی غمی و اندیشہ کہیں نہ کوئی لہری
 کدو افسوں کا صبر تھوڑا تھا ہے

۳۷

ہم کہ عالم کہ کیا ہو چاروں کھٹ ہے
 انہیں ہمارے وہ کھٹ چاروں کھٹ ہے
 دل گئی کی ہمدرد ہوئی رکھتی ہے ہمیں
 وہ وہاں جہاں سر چاروں کھٹ ہے

۳۸

جمع غلوں حاصلی میں بھی تو ہزار ہے
 سر تو کہنے کہ وہ شعلہ کوہ ہے
 کبر عشق سارے عالم ہمارے ہے
 ہمارے کوا کدو ہمارے کی کوہ ہے
 دھنسنے دھنسنے غلوں ہمارے دیکھا
 یک جہاں ہمارے گل فرشتہ ہمارے ہے

۳۹

خلق مجھ کو نہیں دھست ی سی
 میری دھست تری شہت ی سی
 خلق مجھ نہ خلق ہم سے
 کہ نہیں ہے تو حکومت ی سی
 میرے ہونے میں ہے کیا رسائی؟
 اے وہ میں نہیں حکومت ی سی
 ہم بھی دھنسنے تو میں ہیں اپنے
 خبر کو تھ سے صحت ی سی
 اپنی ہستی ی سے ہے یہ کہہ ہے
 آگے کہ نہیں فضا ی سی
 سر ہر چند کہ ہے ہستی غم
 دل کے غلوں کہنے کی فرصت ی سی

رکتا ہوا ہوں فرقہ و چٹا دھبہ سے
دھت ہوئی ہے دھبہ آپ و ہوا کے
بے فرقہ ہی گردی ہے ہو گرجہ مر شہر
محبت بھی کل کیس کے کہ ہم کیا کیا کیے؟
تھوڑے ہو تو خاک سے ہاتھوں کو لے ضم
تو لے وہ گنہگار گنہگار کیا کیے؟
کس دردِ عشق سے نہ رہتا کہے عدا
کس دردِ ہمارے سر پہ نہ کرے چا کیے؟
محبت میں غیر کی نہ چلی ہو کہیں یہ تو
دھبہ لگا ہے پورے طرزِ افکار کے
خود کی ہے نور ہوتا مگر ٹو رہی تھیں
بھولے سے اس نے نیکیوں وعدے دیا کیے
غالب قصص کو کہ لے گا جواب کیا؟
ہا کہ تم کا کیے اور وہ سنا کے

۱۵۳

دھبہ مر شہر رو شہر و شہر ہے
اس سب کے سب کو بینِ آفتاب ہے
پہلے سے ہے سو شہر بدل سے
ہر قدم چلتا سو شہر ہے
دھبہ ہوا ہے پشیمان اپنے بھت کا
نے بھگتے کی گئی نہ اگست کی گپ ہے
بائبر ہوا دھبہ دھبہ ہے شہر ہست
غافل گئی کہے ہے کہ تختِ غلاب ہے
نقاد کیا دھبہ ہو اس بھگتِ حسن کا
ہر دل بدل چلا کہ جس کے شہر ہے
میں ہمارے دل کی قہقہہ کو کیا کہیں؟
ہا کہ کہے دھبہ سے مگر بھابھ ہے
گھبرا اتنا سرسبز بیچ ہا سے
کھد پ لے کو دھبہ سوا دھبہ ہے

ہم کوئی دھبہ بنا کرتے ہیں
دھبہ شہرِ محبت ہی ہوا
یکہ تو دھبہ لے لے لے لے
کو دھبہ کی دھبہ ہی کسی
ہم بھی شہر کی غر دھبہ کے
بے نیازی تری حالت ہی کسی
دار سے چھوڑ چلی ہوتے ہوتے
مگر نہیں وصل تو محبت ہی کسی

۱۵۴

بے گروہی میں کوہوں جا لھے
مگر دھبہ ہے عدا دھبہ لھا لھے
دھبہ سے ہے اس شہرِ آفتاب کوئی
ہم کی عدا ہو چلا رہا لھے
مستند لے کہیں ہوں دو دھبہ لھا لھے
نہ دھبہ سے نہ دھبہ لھا لھے
کہا ہے کہ دھبہ میں تو ہے چاہیں
لے لگی ہے شہرِ کل سے جا لھے
کہیں کسی پہ کہیں سے دل کا سہلا
شہروں کے دھبہ لے دھبہ لھا لھے

۱۵۵

دھبہ اپنی دھبہ اس شہر سے گزری غلاب
ہم بھی کا ہا کریں گے کہ خدا دیکھتے تھے

۱۵۶

اس دھبہ میں لھے نہیں جاتی جا کیے
بیجا دھبہ اگرچہ اٹھارے ہوا کیے
دل ہی تو ہے بیجا دھبہ سے دار کیا
میں اور چلاں در سے ترے ہیں عدا کیے؟

ہر کون کا تصور میں بھی نکلا نہ رہا
جب آرام دلا ہے ہر دلی نے مجھے

۱۵۶

کراہی جتنی میں لہر دلا رہی ہے
بقی قومیں دھندلے غمزدہ گرج رہی ہے
غیر ناگفتہ یا بے گھر حقیقت معلوم
بہتر رہیں غریبوں کی رہیں ہے
ہم سے سبک دھلی کس طرح اٹھنا چاہئے
دارا پشور دستور بھر شعلہ شمع بدلتی ہے

۱۵۷

اک رہا ہے درد دہلی سے سزا یافتہ
ہم جاہلی میں ہیں خود گھر میں بہار آئی ہے

۱۵۸

سدا کی ہے اس کی مریخت کی صیرت دل میں ہے
بہیں نہیں پتا کہ ہر گز کھیر کالی میں ہے
دیکھا تھیں کی لذت کہ وہ اس نے کہا
میں نے یہ پتا کہ کیا یہ بھی میرے دل میں ہے
کہتے ہیں کہ کس کس بدلتی ہے دلے ہا میں
دار میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس مصلیٰ میں ہے
اس جہم چھیدی خاک میں مل چاہئے کی
یہ وہ ایک لذت طاری سنا ہے حاصل میں ہے
سبک وہ کہیں کچھ؟ داد کی کو ملتی ہے
اور نہیں سکا ہوا ہو قدم دلی میں ہے
جہد دار آئندہ دوزخ ہوا دل کسی
تھوڑے شہر قسمت کس کی تپ دلی میں ہے؟
ہے دل شہرِ قاتل ہمت ہم چاہے کہ تپ
دم کر اپنی آواز کہ کس کھنکھ میں ہے

۱۵۹

دیکھا قسمت کہ تپ لہجہ پہ دھک پہاڑ ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا چلتے ہے
پتاہ دھول دلی سے کی گئی کہ چھینٹے میں ہے
آکھیر تھری صبا سے کھلا چلتے ہے
نیر کو بادب وہ کیوکر مع کھائی کسے؟
کر دیا بھی اس کو آئی ہے تو شہر چلتے ہے
دلی کو یہ کہتے کہ ہر دم پتا کھیچے چاہئے
دل کی وہ حالت کہ دم لپٹے سے گھبرا چلتے ہے
درد ظلم بھر تری رخ غریب سے دل دلا
لہجہ وہ ہوتا ہے دلی کہ پتا میرا چلتے ہے
کہتے ہیں طویل کھنکھ پتاہ دار دار مطلق
یہ ہم اپنے گھسے چلتے ہیں کہ وہ چاہتے ہیں
اس کی دم گرائیں سن کر دل دھندل رہی
شکرہ شکرہ چلتے نیر چلتا چلتے ہے
وہ کے مطلق وہ ہی رخ اور خاک میں کیا
دھک کھنکھ چلتے ہیں جتا کہ آتا چلتے ہے
مصلیٰ کو اس کے مسودہ پہ بھی کیا کیا ہیں
کھنکھ ہے جس قدر کتا ہی کھنکھ چلتے ہے
سار میرا مجھ سے مصلیٰ خود بھگتے ہیں
ہاں مجھ آئی ہیں کس سے گھبرا چلتے ہے؟

۱۶۰

گرم فیرا دیکھا شکرہ دلی نے مجھے
تپ دلی ہر میں دی گزراہی نے مجھے
نہ وہ غمزدہ عالم کی حقیقت معلوم
نے لیا مجھ سے مری صبر دلی نے مجھے
تکلیف آدلی دوست ہے یہ جلدی وہم
کھنکھ کھنکھ ان صبح دلی نے مجھے

تم کو بھی ہم دکھائی کہ ہمیں نے کیا کیا
فرصت کتنا کچل لی تھی پہلی سے کر نے
دوم میں کہ نصرت کی ہم جیوتی کریں
پتا کہ آگ بزرگ ہمیں ہم سفر نے
اسے سنا کچھ دھڑ دھڑا دیکھا
تم کو کہیں جو غالب آتھو سر نے

۲۱۱

کئی دن کر رہ گئی اور ہے
لپٹ ی میں ہم نے لپٹی اور ہے
آٹھ دھڑا میں یہ گری کھینچا
سبز لم اپنے لپٹی اور ہے
بادا دیکھی جی میں کی دیکھی
یہ کہ آپ کے سرگرمی اور ہے
دے کے غلام دیکھا ہے بد ہے
بکہ تو پیچ لپٹی اور ہے
خالص اور جی آکر بخیر
" ہائے آٹھ اور ہے
" بھی بہت دیکھی سب تمام
ایک مرکزہ لپٹی اور ہے

۲۱۲

کئی دن نہ میں
کئی صورت نظر میں
سوت کا ایک دن نہیں ہے
چند کہیں رات میں
آگے آتی تھی غلو مل ہے
آپ کسی ہائے میں
پتا میں ڈوب جاتے ہیں
یہ طوفان ہمارے میں

۱۵۹

دل سے دی تھو بکر تک از گئی
جہنوں کو اک عوا میں رضا مند کر گئی
عقل سے کیا ہے سید لوثا لفظ لڑائی
تقلید ہند داریا زلم بکر گئی
" پتا چھو کی سرسپہں کھینچا
آئیے میں آپ کہ قصہ لایہ سر گئی
آئی لپٹ ہے خاک مری کسے یاد میں
پدے آپ سے بھا بہ کو ہاں دی گئی
دیکھ تو دھڑا لپٹا لپٹا ہوا
سوت لپٹ یاد بھی کیا نقل سکر گئی
بر ہ ہاں نے میں بہت شعلہ کی
آپ آہستہ شیعہ ظہر نظر گئی
کھارے نے میں ہم کیا دیا غلب کا
مستی سے ہر کہ ترے رخ ہے بکر گئی
لڑائی کا تھوڑا یک بار مت کیا
کئی تم سے کہ ہم یہ قسمت بکر گئی
پتا چھو نے اسے کو اٹھ علی جیس
" دہلے کئی " ہولی کدھر گئی؟

۲۱۰

نہیں کہ ہم نہ دیکھی جو غلی نظر نے
جوری غلو میں تھی صورت کر نے
اپنی گلی میں جھ کو نہ کر دہن بہ عقل
بھرتے ہاتھ سے خلق کو کہیں جتا کر نے
ساقی گری کی شرم کہ آگ دہن ہم
ہر شب چاہی کہتے ہیں نے جس قدر نے
تھ سے تو بہت کام میں لپٹی اسے تمام
میرا سلام کہیں کر ہائے

گور / ا سہ گردنوں میں دیکھا
کیا لوح / ستارہ گور فوٹا ہے
بہار / ہوا وسط سنی کھست
ہم خیال / بیکہ ہے گردش ہے

قطرہ

اے تیرا دامنِ بیلو ہوائے دل
دھند کر جس میں ہوا کے فوٹا ہے
دیکھو مجھے ہر دہانہ صحت کھ ہو
میری سنا ہو کوئی صحت نوح ہے
سنی ہے جلوہ دھندلے لکھ و آگے
مغرب ہے نورِ دھندلے لکھ و آگے
شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بیلو
دھندلے باغیچے و کتبہ کن فوٹا ہے
لف فوج سنی و دھندلے سداں بیک
ہر ہنر کھ " گردش کوئی ہے
" کج دم " دیکھتے آئے " ہم میں
نے " سود و سداں " و گردش ہے
دارِ فوج صحت شب کی غلی ہوئی
اک شمع " گئی ہے " ہر بھی فوٹا ہے
آئے ہیں لب سے یہ سداں لکھ میں
چاند سرور عداں لکھ سداں ہے

اندا

گور / مری جان / ا قرار نہیں ہے
چلتی / ہوا / ہوا نہیں ہے
رہنے / ہی / ہوا / ہوا نہیں ہے
کے / ہوا / ہوا / ہوا نہیں ہے
کے / ہوا / ہوا / ہوا نہیں ہے
کے / ہوا / ہوا / ہوا نہیں ہے

مٹی کھنڈرِ عشق کی پانچ ہے کیا فر
" لوگ رنڈ رنڈ سرلا فلم ہوائے
تھی رنڈ سے کیا ہو چلی؟ کہ دور میں
تھوے سوا بھی ہم " ہوائے سے تم ہوائے
لکھتے رہے جن کی کھنڈرِ عشق
ہر چہ اس میں ہوا طرے فلم ہوائے
نور دھندلے تھی تھی " ہوائے کے ہم سے
نور دھندلے ہوا میں ہوائے رنڈ ہم ہوائے
ہوا میں کی شمع ہے رنڈ رنڈ عشق
ہر ہوا لکھتے ہوائے کے فلم ہوائے
ہوائے ہم میں چہ ہوائے ہوائے
ہوائے نہ کھنڈر " ہوائے ہوائے ہم ہوائے
ہوائے لکھتے " ہوائے لکھتے ہوائے
ہوائے لکھتے " ہوائے لکھتے ہوائے

۱۲۹

ہر نہ نورِ دھندلے دل کی " کہے شمع پہنچی
" شمع لکھتے ہے " کھنڈر ہے لکھتے
مجھے اس سے کیا توقع ہے " لکھتے لکھتے
کبھی کوئی میں جس نے نہ سن مری کھنڈر
ہوائے لکھتے کسی کو ہوائے لکھتے
کہ ہوائے ہوائے کو لکھتے لکھتے

۱۳۰

طقت کوئی میں ہوائے شمع فلم کا ہوائے ہے
اک شمع ہے لکھتے ہوائے ہوائے
نے " ہوائے " ہوائے " ہوائے
ہوائے لکھتے " ہوائے " ہوائے
ہوائے لکھتے " ہوائے " ہوائے
ہوائے لکھتے " ہوائے " ہوائے

و جج جس کے لئے ہم کو یہ بدبختی ہو
 جانے والا سنگم منقطع کیا ہے
 یوں قرب اگر تم بھی دیکھ لوں وہاں
 یہ شیشہ و قلعہ دکان دھوا گیا ہے؟
 وہی نہ جانتے تھے کہ وہ اگر وہ بھی
 تو کس لمحہ پہ کھینے کے آواز کیا ہے
 ہوا ہے شہر کا مصائب بھرے ہے [۱۸۰]
 وگردہ شہر میں غارتگی کی آواز کیا ہے؟

۱۸۰

میں انہیں بھولوں اور کہہ نہ سکیں
 جلی تھکے ہوئے چھوٹے ہوتے
 قرآن کا پڑھنا ہو کہ وہ
 کانٹے اقامت میں لے جاتے
 میری قسمت میں علم کر لیا تھا
 دل بھی پا رہا کئی دے جاتے
 جی جان دے رہا ہے غارت
 کوئی دن اور کئی چھوٹے

۱۸۱

خیر میں عمل میں ہوتے ہم کے
 ہم رہیں یوں تھکے رہ جاتے
 عمل کا تم سے کیا فائدہ کہ
 بھگتے ہیں پائنتی علی ہم کے
 وہ کہیں کے کہیں مطلب کہہ نہ ہو
 ہم تو مانتے ہیں خدا کے
 رات ہی دھم پہ جتے اور صبح دم
 دھم دے رہے ہیں ہم کے
 دل کو آنکھوں نے پھنسا لیا مگر
 یہ کئی تھکے ہیں خدا کے

اور جانا تھا ہے غارتگی سے
 لب تک آتا ہے وہ جیسا ہی رہا ہوتا ہے
 قطعہ

غارت میرا کہ وہ ہے ہمارے جج
 شہر کی دھوا میں یوں تھکے رہا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے وہ جیسا ہی رہا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے وہ جیسا ہی رہا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے وہ جیسا ہی رہا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے وہ جیسا ہی رہا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے وہ جیسا ہی رہا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے وہ جیسا ہی رہا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے وہ جیسا ہی رہا ہوتا ہے
 لب تک آتا ہے وہ جیسا ہی رہا ہوتا ہے

۱۸۲

ہر ایک بات پہ کہتے ہیں تم کہ "تو کیا ہے؟"
 تم کو کہ یہ کھانا منقطع کیا ہے؟
 نہ شیشے میں یہ کھانا نہ بنی میں یہ
 کوئی دکان کہ وہ شہر تھکے ہو گیا ہے؟
 یہ دکان ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم جی تم سے
 وگردہ غارت یہ ہوتا ہے وہ کیا ہے
 ایک رہا ہے وہاں کے لوہے سے
 طرے رہے کو لب تک آتا ہے
 رہا ہے جسم پہاڑی میں گیا ہے
 کہتے ہیں وہ لب تک آتا ہے؟
 دکان میں دکان بھرے کے ہم جی قابل
 لب تک آتا ہے وہ جی نہ چلا تو ہمارا کیا ہے؟

۱۸۷

ہاں کہوں کہ بتا ہاں
 - اگر چاہی تو میر کا ہاں
 محبت دلوں سے واجب ہے خار
 ہاں نے اپنے کو کھینچا ہاں
 ہاں کو جسے کیا سمجھا تو دار
 ہاں اب اس سے بھی سمجھا ہاں
 ہاں کہ جب ہے لوح کل
 کہ لوح کا بھی اظہار ہاں
 دہش کا ہاں ہے بگائگی
 حہ پہنچا ہم سے پھرنا ہاں
 دھن نے بھی کھیا غیر کو
 کس قدر دھن ہے دیکھا ہاں
 اپنی رسائی میں کہا پاتی ہے سہی
 یاد ہی بگڑا آرا ہاں
 حصر موند ہے ہ جس کی امید
 بھڑکی اس کی دیکھا ہاں
 غفلت میں رہے غفلت کے واسطے
 ہاں رہا بھی اچھا ہاں
 ہاں ہیں خوب دلوں کو منہ
 آپ کی صورت تو دیکھا ہاں

۱۸۸

ہر قدم دوریٰ خلی ہے نکلاں مجھ سے
 میری رفتار سے ہٹا کے ہے جاواں مجھ سے
 دوسرے موانع لڑنا ہے تھکن خوشتر
 ہے کہ دشمن شیرازہ چڑھیں مجھ سے
 دھن آئندہ دل سے شب غفلت میں
 صورت ہاں رہا سلیہ گریں مجھ سے

اور کہ کھیا ہے تم جہا کے انورے
 ہر حال فکر کیا اک چشم لعلی ہے

۱۸۷

جس دلم کی ہر نکتی ہر تھو دلم کی
 کلمہ دیر بارہا اسے قسمت میں حد کی
 اچھا ہے سرکشہ مٹلی کا قصور
 دل میں نھر لئی تو ہے اک بارہ لہو کی
 کہیں اوستے ہر مٹلی کی ہے مٹلی ہے؟
 ہاں تو کوئی سیتا نہیں فریاد سو کی
 دشنے نے بھی حہ نہ لکھا ہر بیکر کو
 کھر نے بھی بات نہ پائی ہر کھر کی
 صدف ہر باہم کہ اک سر سے ثابت
 صورت میں رہے ایک ہت فیرہ ہاں کی

۱۸۸

یہاں ہنسنہ گری آئینہ دے ہے ہم
 جہاں کے ہاں ہیں دلور ہے قرار کے
 انورہ گل کھنڈ ہاں ہاں ہے
 اسے صلیب ہاں کہ چلے دن ہاں کے

۱۸۹

ہے وصل ہر عالم حنین و حید میں
 عشق شرع و عاشق روانہ ہاں
 اس ب سے دل ہی ہاں کا ہر بھی تو ہاں
 عشق فضول و جوشہ روزانہ ہاں

یہ وہ سر سے گرا ہے کہ ٹپٹے نہ اٹھے
کام وہ کن پڑا ہے کہ ٹپٹے نہ جٹے
عشق کا درد نہیں ہے یہ وہ آتشِ دل ہے
کہ ٹپٹے نہ لگے اور بجائے نہ جٹے

۱۸۳

پاک کی خواہش اگر وحشت یہ مہمانی کے
مج کے ہاتھ دلم دل کی پہیلی کے
طلب کا تجربہ وہ عالم ہے کہ گر کیے خیال
وہ دل کو زورِ غمِ بھری کرے
ہے نکس سے بھی دل نوبہ وار کب تک
انجید کو یہ عشق کر سہیلی کے
بیکار کر تھم مسو دار سے پادے گشت
موسے شیشہ وہاں سفر کی مڑکلی کے
ظاہر سے نکھارے زلف کو اہت لے کر
یک دم حضور ہے وہ یکہ پہیلی کے

۱۸۴

وہ آنکھ غلاب میں تکیں اضطراب تو دے
دلے لکھے تجھ دل چل غلاب تو دے
کسے ہے تھل لکھت میں میرا وہ دہا
تری طرح کوئی جگہ کہ کو تب تو دے
دکھا کے جھلس ب ی دلم کر ہم کو
د دے وہ دے تو دے سے کسی دلب تو دے
پا دے لوگ سے سلق ہو ہم سے غربت ہے
پناہ کر نہیں دہا نہ دے غلاب تو دے
لہر غلاب سے مے پناہ پاہ بھول گئے
کا ہر اس نے گرا میرے پاہ دلب تو دے

لم عشق نہ ہو سہلی سوزِ دل
کس قدر غلغلہ آئند ہے دیوانہ مج سے
اگر تیرے سے جانا سحرانے ہوں
صورتِ رشید گویا ہے چرخوں مج سے
مندی بہرِ قہرِ فراغت ہو ہو
پڑ ہے سانس کی طرح میرا شہس مج سے
عشق وہاں میں کر تو مجھے گشتِ ہمارے
ہو کہ شکرِ فکرِ عشق پہنچاں مج سے
نکسی ہنسے شبِ ہر کی وحشت ہے ہے
سلیہ فرخندہ قسمت میں ہے ہنسی مج سے
گردشِ سحرِ صحرِ طردِ رنگیں مج سے
آئند دلی و یک وہاں جریں مج سے
کہ گرم سے ایک آگ جیتی ہے
ہے چاندِ دل و شاکِ گشتیں مج سے

۱۸۵

کند ہیں ہے غمِ دل اس کو جانے نہ جٹے
کیا جٹے جٹ جٹ جٹ جانے نہ جٹے
میں یاد تو ہوں اُس کو مگر اسے چنید دل
اُس پہ ہی جانے کچھ لگی کہ ہیں آئے نہ جٹے
کھیل کھیا ہے کہیں پھوڑ نہ دے بھول نہ جانے
کال ہوں بھی ہو کہ ہیں میرے ستائے نہ جٹے
غیر پھرتا ہے لئے یوں تے فلا کو کہ اگر
کوئی پناہ ہے یہ کیا ہے؟ تو پہچانے نہ جٹے
اس نزاکت کا برا ہو وہ کھلے ہیں تو کیا
پناہ توں تو انہیں پناہ لگائے نہ جٹے
کہ نئے کون کہ ہو ہلو گری کس کی جہا
پہو پھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ جٹے
صورت کی راہ نہ دیکھوں کہ ہی آنکھ نہ دے
تم کو پہوں؟ کہ نہ آؤ تو جانے نہ جٹے

خدا! دنیا دل کی گر تیرا اہی ہے؟
 کہ بتا کچھ ہوں اور کچھ کہتا ہے مجھ سے
 "دو" اور میری دانتوں میں حق طاعتی
 عادت تیرے پاس بھی گھرا ہوا ہے مجھ سے
 اور "دو" دیکھنی ہے اور یہ بھائی ہے
 نہ پوچھا ہوا ہے اس سے نہ پوچھا ہوا ہے مجھ سے
 تجھے سے لگے اسے نا سیدی کیا قسمت ہے
 کہ دانتوں میں ہار پھوٹا ہوا ہے مجھ سے
 ظلمت پر طرف خدا کی میں بھی "س" لیکن
 "دو" دیکھا ہوا ہے یہ غم دیکھا ہوا ہے مجھ سے
 ہوتے ہیں پار ہی پہلے جو عشق میں رہی
 نہ ہوا ہوا ہے مجھ سے نہ ہوا ہوا ہے مجھ سے
 قسمت ہے کہ ہوسے دی کا ہم سر طالب
 "دو" کلاہ خدا کو بھی نہ سہا ہوا ہے مجھ سے

۲۰۷

ہاتھ عشق کا ہوا ہوں طاقت ہے
 کھلا ہوا ہوا ہوں طاقت ہے
 نہ جانیں کہ کے لئے دانتوں میں ہوسے
 تجھے کہ تیرے بھی درون طاقت ہے
 "دو" دیکھنی ہے اور یہ بھائی ہے
 "دو" دیکھنی ہے اور یہ بھائی ہے
 "دو" دیکھنی ہے اور یہ بھائی ہے
 "دو" دیکھنی ہے اور یہ بھائی ہے

۲۰۸

ہاتھ ہوں کہ کر تو ہم میں جا رہے لگے
 میرا وہ دیکھ کر کر کوئی "دو" دیکھنے لگے
 کیا قہر ہے کہ اس کو دیکھ کر آہستہ رہم
 وہی تک کوئی کسی تیرے سے ہوا رہے لگے

میں ہے مشکل لذت ہائے صبر کیا کہیں!
 گرد سے ہے گھٹ کرند مطلب لگے
 دل کا کر پ بھی "تیرے" بھی سے "دو" کے
 عشق سے لگے تھے رخ میرا مطلب لگے

۲۰۹

حضور شاہ میں "قل" عشق کی تھکناں ہے
 ہاں میں "غش" خوابوں میں کی تھکناں ہے
 قد گھوٹیں تھیں و کوئی کی تھکناں ہے
 جہاں ہم ہیں وہاں درد میں کی تھکناں ہے
 کر کے کوئی کے عینے کا تھکناں ہے
 ہوا میں غش کے نیوٹے حق کی تھکناں ہے
 صبح صبر کو کیا ہے کھلی کی ہوا طوائف!
 اسے یوسف کی ہوتے ہیں کی تھکناں ہے
 "دو" کیا ہم میں دیکھو نہ سیر ہر کہ باغ تھے
 غیب و سر طائر اہم کی تھکناں ہے
 دیکھ طائی میں "تیرے" بھر کے پار "دو" ہر
 فرض شستہ بنت ہر گھس کی تھکناں ہے
 نہیں کہ سحر و زہر کے پھول میں گھوٹ
 ہوا داری میں شمع و دھواں کی تھکناں ہے
 پا نہ اسے دل دیتے! چلی سے کیا حاصل
 کر ہر تیرے دھواں کی تھکناں ہے
 رگ و پے میں جب اتنے دھواں دیکھیے کیا ہو؟
 اہی تو "تیرے" ہم و دھواں کی تھکناں ہے
 "دو" تھیں کے مرے گھر "دو" کیا دیکھا تھاپا!
 نے تھکناں میں اب ہر گھر کی تھکناں ہے

۲۰۶

بھی تھی میں اس کے ہی میں کر آہستہ ہے مجھ سے
 بھائی کر کے اپنی "دو" شوا ہوا ہے مجھ سے

کو ہاتھ کو جھٹکی نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہے وہ الکی مائر دھتا مرے آگے
ہم بیٹہ ہم شرب ہم راہ ہے میرا
غالب کو برا کہیں کو اپنا مرے آگے

مرد نہ دکھائے نہ دکھا ہے ہزار غلب
کھول کر پہاڑ ڈرا آنکھیں ہی دکھا دے لگے
وہاں تک میری گرفتاری سے وہ غول ہے کہ میں
دلف گریں جہاں تو رشتے میں اپنا دے لگے

۲۰۹

۲۱۰

کون بادل تو کہنے نہ "دعا کہنے"
میں کو کہ جو تم ہیں کو تو کیا کہنے؟
نہ کیج غلی سے ہر تم کہ "ہم حشر ہیں"
لگے تو تو ہے کہ جو کہو کہہ "بہا کے"
وہ بکھر سی پہل میں جب از ہوا
لگے تو کو ہر کہیں نہ آگیا کہنے؟
میں اور ہوا راحت برامہ پناہ
وہ زلم چا ہے جس کو کہ دکھائے کہنے
وہ دہلی ہے جس کے نہ دہلی ہوا
وہ ہوا کے جس کو نہ ہوا کہنے
کسی حشرم ہوا کا ہی مرقی کہنے
کسی صحت کا مرقی "وہا کہنے"
کسی علاتہ کی گریں نہیں کہنے
کسی مکتوتہ ہر گریں ہا کہنے
رہے نہ ہوا تو ہوا کو غول ہوا کہنے
کے زبان تو ہر کو مرقی ہوا کہنے
میں ہوا کو علاتہ نہ ہوا ہوا کہنے
دہلی "دہلی" دہلی دہلی ہوا کہنے
میں ہوا کو فرصت نہ ہوا ہوا کہنے
طرحہ ہوا دہلی ہوا کہنے
سبز ہوا کہ کدہ ہے ہوا غلب
خدا سے کیا ہم ہوا ہوا کہنے

پانچواں فصل ہے دعا مرے آگے
ہوا ہے شب ہوا رشتہ مرے آگے
اک کھیل ہے اور کھیل میں مرے نزدیک
اک بات ہے ہزار میرا مرے آگے
وہ ہم نہیں صورت عالم لگے ہوا
وہ ہم نہیں ہستی اشیا مرے آگے
ہوا ہے لہلہ گرد میں میرا مرے ہوا
کہتا ہے جی غلب ہوا مرے آگے
مت پہچان کہ کیا مل ہے میرا تو ہے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے میرا مرے آگے
جا کہنے نہ غول دہلی گراہوں نہ کہیں ہوا؟
ہوا ہے ہوا آئندہ میرا مرے آگے
ہر دیکھتے ہوا کی غول ہوا کہنے
دکھ دے کوئی چاند میرا مرے آگے
لہلہ کا گول گزرتے ہے میں دلف سے گزرا
کہیں کہ کہیں حشرم نہ ہوا کا مرے آگے"
ہوا لگے لگے ہوا ہے ہوا کیجیے ہے لگے لگے
کھہ مرے پیچھے ہے کھہ مرے آگے
ہوا ہوا ہے مستحق فری ہے ہوا کام
ہوا کو برا کہتی ہے ہوا مرے آگے
غول ہوا ہے ہوا مل میں ہوا مرے ہوا
کوئی شہر ہوا کی ہوا مرے آگے
ہو صبح نہ اک غول غول ہوا ہی ہوا
آگے ہے ہوا دیکھتے کیا کیا مرے آگے

سوزِ دل کے ہیں اہلبِ سحر دردِ دل
دل بھیا کرے دلبِ آفتابِ صبح ہے

۲۲۱

میں ہے ہوا قندارِ حشرِ جہاں ہے
آئینہِ دل کے کمرِ افریقہ جہاں ہے
آپا اسے آگے ! رنگِ لہوِ باطن؟
ختمِ دا گردِ آفتابِ دل جہاں ہے

۲۲۰

بپ تک پہنچا دلم نہ بچا کہے کوئی
مشکل کو تھ سے رامِ خلی دا کہے کوئی
عالمِ ظہرِ دھلتِ بھوں ہے برابر
کب تک خیالِ غلوں بچا کہے کوئی
اٹھو گی نہیں طربِ آفتابِ اقلیت
ہاں دندن کے دل میں نر جا کہے کوئی
دوسے سے اسے غمِ حیات نہ کر لکھے
آو بھی تو صفِ ملی دارے کوئی
چاک بگر سے جب دو پستل نہ دا ہوئی
کیا قاتل کو بیب کو دھا کہے کوئی
نصیر بگر سے ہے رنگِ برادرِ شرفِ علی
کچھ پائی صرا کہے کوئی
باغیہ لکھ ہے بکھر لگاں سدا
تو نہیں کہ تھ کو لکھا کہے کوئی
ہر رنگِ دلالت ہے صلیبِ گمراہ گشت
نکلی نہیں بھوں سے ہر سیا کہے کوئی
سر ہوئی نہ دھا صبرِ آفتابِ صر
فرست گئی کہ بھئی کتا کہے کوئی
ہے دشمنِ طبعِ لکھ یاں لکھ
ہر درد نہ نہیں کہ نہ بچا کہے کوئی

۲۱۹

دوسے سے نورِ خلق میں دھاک نہ کہے
دھولے گئے ہم اگلے کہ بس پاک نہ کہے
شرفِ بھانے نے ہمارے گھلوں سے کھلی
تھے ہر ی نہ صلب ہر یوں پاک نہ کہے
دھانے دور کو ہمارے آوارگی سے تم
ہمارے غیبوں کے تو چھاک نہ کہے
کھتا ہے کون ہوا بلبل کو ہے اڑا
پدے میں کئی کے لاکھ بگر چاک نہ کہے
پاکھے ہے کیا دھواں دھم اہل خلق ۲۱۸
کب اپنی آگ کے طس و چٹاک نہ کہے
کہنے گئے تھے اس سے تھخل کا ہم گھر
کی لکھ ہی لکھ کہ بس خاک نہ کہے
اس رنگ سے اٹھ کر اس نے اندر کی خلق
دھن بھی جس کو دیکھ کے فٹاک نہ کہے

۲۱۸

لکھ ہا شادابِ رنگ و سدا ہستمِ طرب
شیر سے سوزِ سبزِ جامِ لکھ
ہم نہیں مت کہہ کہ ہم کو نہ ہم غمِ دھست
ہاں تو میرے لئے کو بھی اقلیت لکھ ہے

۲۱۷

مغربِ بحرِ شرفِ دھن بھانے صبح ہے
دعاۓ ہمیں اہلبِ بھانے صبح ہے
ہے ہم میں غم کو صبرِ اہلبِ کئی
یک پہلی دھن بھانے دھانے صبح ہے
کھنکھنِ آواز کو میں بکھی حرام
دردِ دھن دھن بھانے صبح ہے

قسداں طرا ، دہن جانتے ہیں ہم کیا ہے
 دلہن ، ہے اگر غصہ تو غم کیا ہے؟
 کہنے تو شب نہیں کہنے تو صابن کھولے
 کوئی بتا کہ وہ دلہن ہم - ہم کیا ہے؟
 کھلا کہہ کوئی ایسا صاف صاف
 کہے نہ کہ وہ دلہن ہم کیا ہے
 نہ مٹا دھڑکا قافلہ کیش و ملت کا
 خواہے واسطے ایسے کی ہر قسم کیا ہے
 وہ دل و دھڑکا کرنا = شہ ہے ہم
 وگرد ہم شعلہ و ہم ہم کیا ہے
 خلی میں غصہ غلبہ کی آتش طغلی
 ہیں - ہم کہیں نہیں اب میں ہم کیا ہے

بچوں کے ہے جسم آئینہ رنگہ گل ہے لب
 اسے صواب وقتو ہمارے بدل ہے
 سچ اپنی ہے وعدہ دہار کی لکھ
 وہ آئے یا نہ آئے پہ پاں افکار ہے
 ہے ہر سائے دہلی اچھوں گھر نہ کر
 ہر دوسے کے لب میں مل پڑا ہے
 اسے صواب یک تصویر میں ہر آئین
 طوائف کو تم لعل بدل ہے
 دل صفت کھا غم نہ کھا ہر ی کسی
 اسے ہے دہلی آئینہ تکل وار ہے
 لفظ کلیکو ہر د آئے خانہ افکار
 اسے رنگ آئین تھے کیا افکار ہے؟

۲۳۶

علم : کل قدر نہ غل ز لیا ہے
 دارِ دل بچھو نظر مجھ سے لیا ہے
 دل غول شد، شکستہ مسرتِ بہار
 آئینہ : دستِ بہر دستِ ہوا ہے
 شعلے سے نہ ہوتی دوسرے شعلے نے ہوئی
 کی کسی قدر افسوس، دل پہ چلا ہے
 قتل میں تھی ہے وہ شرفی کہ بہ صد اہلی
 تھیند : اوجِ کل آفتاب نکلا ہے
 قری کعبِ خاستہ و بلیں قصبِ رنگ
 اسے یاد نکلتا بیکر سہلو کیا ہے؟
 غل نے تری افسانہ کیا دشتِ دل کو
 مشقی : ہے دستِ گلِ لڑکے کا ہے
 بھری د : دوانے گرفتاریِ افسانہ
 دستِ ہر رنگ کہہ جائے گا ہے
 سلیم : ہوا طبعِ شہیدانِ مکتوب
 چارِ حم آئینہ قصہ لڑا ہے
 اسے : تو غریب میں کیا دوسرے بھی
 مانے کی طرح ہم پہ لبِ دشت چلا ہے
 ہارے مٹھوں کی بھی مسرت کی لے مار
 دہسہ اگر اس کہہ مٹھوں کی سوا ہے
 ہے کائی مٹھوں سے ہے دل نہ ہو چاہے
 کوئی نہیں جیسا تو میں جہاں خدا ہے

۲۳۷

مختار : کل جلی کو نور کی
 قسمت کئی ترے نہ دینے سے غم کی
 اک غمیں کل میں کہوں گا ہیں
 پتی ہے آگ جیسے شہیدانِ پور کی

دعا : تم کا نہ کسی کو پاس
 کیا بات ہے قصہ شربِ طور کی
 تیرا ہے مجھ سے دھڑ میں قاتل کہ ہیں ادا
 کرا : بھی مٹی نہیں تیرا سر کی
 کہ بیل کی ہے مجھ بلی ہے لڑکچہ
 آفتابی : اب بڑ ہے اپنی بیل کی
 گواہ نہیں پہ دلی کے ٹھلے ہونے تو ہیں
 کہے سے میں ہوں کہ بھی نسبت ہے ہر کی
 کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا حال
 کا نہ ہم بھی میر کریں کہ طور کی
 گری سہی کام میں لگیں نہ اس قدر
 کی جس سے بات اس نے لکھتے خود کی
 چاہے کہ اس طرح میں مجھے ساتھ لے بھی
 جگ کا کلب قدر کہیں کا حضور کی

۲۳۸

لم کہنے میں بڑا دلِ جامِ بہت ہے
 : رنگ کہ تم ہے سو کھم بہت ہے
 کہتے ہونے مٹی سے جا آئی ہے دند
 ہے میں کہ مجھے دند نہ جام بہت ہے
 نے توکل میں ہے نہ عید کہیں میں
 کہنے میں جس کے مجھے کرام بہت ہے
 کیا نہ کو ہوں کہ نہ ہو کہہ مائی
 پاشی : صل کی طبع عام بہت ہے
 ہیں اہل فرد کی مائی جس پہ دلی؟
 پاشی : دم : جام بہت ہے
 : ی پہ پھول مجھے کیا طبع عام ہے؟
 کہہ : نے پیرا جام بہت ہے
 ہے کہ کہ اب بھی نہ ہے بات کہ میں کہ
 اور نہیں اور مجھے کرام بہت ہے

مگر یہاں تویت سے شہ کے
 نصیب مر مر مر مر مر مر مر
 ایک حصے مل میں تھے لیکن یہ ایک
 میری صلاح سے باہر تھا
 تھا ملو دولت حق ہے کلید
 کس نے کھولا کب کھولا کج کر کھولا
 بارگاہی کی دیکھیں کا ہوا
 مجھ سے کرشنکر علی مسر کھا
 یہ جہل نرم قول توفی ص
 لوگ باہیں علیہ د حیر کھا

فرض

خج میں بیجا رہیں ہیں بکا
 کالے ہونا جس کا وہ کھا
 ہم پکاری اور کھلے ہیں کون ہائے؟
 بار کا ہوا وہ پاری کر کھا
 ہم کو ہے اس راہداری کے گھونٹ
 صحت کا ہے روتہ تہ پکا
 واقعی دل کے ہوا کہ تہ داغ
 دلم لیکن داغ سے ہوا کھا
 پتھر سے دکھ دی کب ابھرنے نکل
 کب کر سے غصے کی بھر کھا
 صحت کا کس کو برا ہے بدلت
 دھوی میں پھوٹ رہا کھا
 سوز دل کا کیا کرے ہاوی غصے؟
 شک بھری منہ اگر دم بھر کھا
 شے کے ساتھ آگیا پیچ مرگ
 نہ کیا تھا میری پھلتی ہے کھا
 دیکھئے غلاب سے کر ابھار کولی
 ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھا

مگر یہاں تویت غزالی کا خیال
 مر مر مر مر مر مر مر مر مر
 غصے سے پائی غیبت نے ہوا
 پہاں میں لکھتے ہی نظر کھا
 صحت سے سودا کی دیکھی کھا
 ہاں مرض سے رجوع ہوا کھا
 مر کھا چرخ چکر کھا کھا
 بادشہ کا راہجو نظر کھا
 بادشاہ کا ہم لیتا ہے غلط
 لب مگر پایہ حیر کھا
 سکھ شہ کا ہوا ہے روکھا
 لب حیر کہنے دار کھا
 شہ کے تھے دھوا ہے آگ
 لب گیا سکر سکھ سکھ کھا
 شک کے وارث کو دیکھا خلق نے
 لب طرب طفل و سحر کھا
 ہو گئے کیا صحت؟ ہاں اب ہم ہے
 دفتر سرور میں داور کھا
 کر ابھی ہے حشاش ہلام
 بھر ابھی حشاش کر کھا
 ہاتا ہوں ہے طبر مسر غزل
 تم کے لے ناگھنوا ہم نور کھا
 تم کو سائنشلی ہب شک
 ہے جسم روز و شب کا ہر کھا

مشق

در صفت آب

ہاں طبر روز منہ دوز
 کہیں نہ کھلے در فرید را
 غصے کا سنے دہا
 شکر گل کا ہے سکنس ہا

مجھ سے کیا پہتا ہے کیا کہتا ہے
 کتنے اپنے خور و زور کئے
 ہائے آسمان کا کچھ جانا ہو جائے
 جلد لکھو رہب لکھنا ہو جائے
 تم کا کون سا سر میرا ہے؟
 شوخ کوئی کہتا ہے
 آگ کے لی میں کیوں رہے امیر؟
 آگ سے یہ کہتا ہے کہ یہ میرا
 تم کے آگے چل جائے خاک
 پورا ہے چلے پہلے آگ
 نہ چلے جب کسی طرح حدود
 پہلے پہل میں کیا آگ
 یہ بھی آگ پانی کا کھوتا ہے
 شرم سے چلی پانی ہوتا ہے
 مجھ سے پھر جس طرح کیا ہے
 تم کے آگے ہنس کر کیا ہے
 نہ گل اس میں نہ شرف و رنگ نہ ہا
 اب تو اس آگے تب ہوا کی ہا
 اور دھانچے کیس کیس؟
 ہاتھ شیریں میں ہے مٹاں کی

ق

جان میں ہوتی کر یہ شیریں
 کوئی کہتا ہے کہ تم گئی
 جان دینے میں اس کو کیا جان
 یہ وہ ہیں سل وے نہ سکتا جان
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ شرم
 کہ دھانچہ ال ال میں مگر
 آگ لکھ گئی یہ کہ کا ہے تمام
 شیرے کے کہ کہے دینے ہم
 یا یہ ہو گا کہ لڑا دھانچے سے
 ہاتھوں نے ہاتھ جنت سے

آگلی کے یہ علم رہا اس
 ہر کے کچھ ہیں سر یہ سر گاس
 یا گا کہ شعر نے شرف ہا
 دھانچے تک رہا ہے سبیر ہا
 تب ہوا ہے شرف لکھنا یہ گل
 ہم کیوں دھن ہو کہی یہ گل
 قہا ترنگ رہا ایک خند ہا
 رنگ کا لہو ہے کہی ہا
 ہم کو دیکھا شرم اک ہا
 پیک رہا طے دے طے
 دھانچہ لکھ لکھ رہا
 لکھنا دھانچہ آپ رہا
 یہ رہا رہا طے کا قہ
 طے دھانچہ کا بکر کہ
 صاحب شرف و رنگ و ہا ہے ہم
 یا ہندو رہا ہے ہم
 خاص یہ ہم یہ دھانچہ
 تو یہ گل ہاتھ لکھنا
 یہ کہ ہے دھانچہ دھانچہ
 حال سے اس کے ہے دھانچہ
 قہ رہا یہ دھانچہ و ہا
 دھانچہ دھانچہ و دھانچہ
 کارہائے دھانچہ و دھانچہ
 چو کہے دھانچہ و دھانچہ
 دھانچہ اس دھانچہ کا دھانچہ
 دھانچہ دھانچہ کا دھانچہ
 اس دھانچہ دھانچہ و دھانچہ
 دھانچہ دھانچہ و دھانچہ
 دھانچہ دھانچہ و دھانچہ
 دھانچہ دھانچہ و دھانچہ

مسی اگلا سر اختیار نہیں کیے
 وارث طرز بکر باقی پیدا کیے
 خاتم دستور نہیں کے مطلب کیے
 سر بختیو پہلو سے ملا کیے
 اختر موندہ نہیں سے بہت دے کیے
 ظلو شکو سب مل سکو لیا کیے
 ہر داسو داسو دم کیے فرض کیے
 بخارہ صوبہ بختیو نہیں کے کیے
 وضع میں اس کو اگر کیے بختیو نہیں
 رنگ میں سبز و غیر سبب کیے
 صورت میں اسے لڑائی کے سرور کیے
 سے کوس میں اسے اختیار م سبب کیے
 کیں اسے ظلو در بکر بہت کیے
 کیں اسے نقد و بکر تہ کیے
 کیں اسے کوہر غلاب تصور کیے
 کیں اسے ہوکر دودھ علق کیے
 کیں اسے عکرو بختیو لیا کیے
 کیں اسے بختیو پہ بخارہ سبب کیے
 بخارہ ہور کے کوس دست کو مل کیے فرض
 اور اس بختیو پہلی کو سبب کیے
 قطعہ

نہ پانچ اس کی حقیقت حضور وہ لے
 بھے یہ بھی ہے میں کی دلتی سبلی
 نہ کہاتے ہیں لگتے نہ ملے سے ہور
 یہ کہاتے حضرت قوم یہ جنتی سبلی

بیان مصحف

مظہر ہے گزارش اہل حق دلتی
 اپا جان صبر طبیعت نہیں بھے

۱۰ ہانت سے ہے بخارہ کہا ہے کری
 بکے شہری دودھ دلت نہیں بھے
 آزاد ہو ہوں اور مرا ملک ہے سبب کی
 ہرگز بھی کسی سے دولت نہیں بھے
 کیا تم ہے یہ خوف کہ عطر کا نام ہوں
 ملا کہ جادو صوبہ دولت نہیں بھے
 اختر شہر سے ہو بھے پاش کا خیال
 یہ کب یہ بختیو یہ بختیو نہیں بھے
 ہاجر ہوں ملا ہے شہر کا ظہر
 ہوکر اور کوہ کی حالت نہیں بھے
 میں کون اور بختیو ہی اس سے دلتا
 بکے اہلکار خاطر حضرت نہیں بھے
 سرا کھا کیا وہ اسل اس
 دلتا کہ ہاجر غیر حالت نہیں بھے
 خلق میں آ پانی ہے حق مکتوب ہانت
 حضور اس سے بختیو بہت نہیں بھے
 دلتے ظن کسی کی طرف ہو تو دلتا
 سوا نہیں جس نہیں دلت نہیں بھے
 قسمت ہی کسی یہ طبیعت ہی نہیں
 ہے ہر کی بک کہ طبیعت نہیں بھے
 صلیق ہوں اپنے قول میں غالب خاکوا
 کتا ہوں ج کہ بختیو کی حالت نہیں بھے

شرح

حضرت ملک ہندو ! بھے ملا کہ بھے
 تھ سے جو اتنی دولت ہے تو کسی ہانت سے ہے
 مگر تو ہے کہ بکھ اگر گرم کہے
 دلتو بکھ سے دوسری دلت سے ہے
 ہور میں وہ ہوں کہ کر ہی میں بھی ہور کہیں
 غیر کیا خود بھے طبیعت ہی دولت سے ہے

مصلیٰ کا یہ تھا جس کے سب سے سروس
 بہت آگ گونہ سروس دل کو ترسے بات سے ہے
 ہاتھ میں تھکے رہے تو سحرِ دولت کی عقل ا
 یہ دعا شمع و سرِ چاندی مابلت سے ہے
 تو سکھ ہے مہرا فقر ہے ملتا تھا
 گوشہِ شعر کی بھی لہ کو طاقت سے ہے
 اس پہ گزرتے نہ گلی ریح و دیا کا انداز
 تابھر خاک شمسِ اعلیٰ فراہت سے ہے

مترقات

ہے ہر شبہ آخرِ بحرِ سفرِ بہار
 دکھ دیں جان میں بحر کے سے ملک بوی ہار
 یہ آئے بہم بحر کے ہے غور یہ کے مست
 سبزے کو دہنا بہرے پھولوں کو چلتے ہمار
 غالب آہ کیا جاں ہے نہ بڑا سحرِ بادشاہ
 ہاتھ نہیں ہے ب مجھے کوئی نوشتِ غم
 پتے ہیں سونے روپے کے چلے خسرو میں
 ہے جن کے آگے حکم و زور مرد و باد
 یوں گھجے کہ سچ سے غفلت کیے ہوئے
 لاکھوں ہی آلب ہیں اور ہے بحرِ ہمار

دوہجہ شلہ

اے شلہ جرائگر ہیں بھلی بھلا
 ہے غیب سے ہر دم تجھے مدد گونہ ہلا
 یہ عطرِ دہشاد کہ کوشتل سے نہ رہا
 تو دانگے اس صفت کو سہی یہ اشکات
 غصے ہے غمِ شعر سکھ سے ڈا ڈکا
 کہ لب کو نہ سے پشور ہیں سے طہارت
 افس کہ بلیلی کی وزارت سے شرفِ فنا
 ہے غمِ بلیلی کو کہے تھی وزارت

ہے فکرِ مہدی کا فہمِ دل
 ہے رازِ کلائی رازِ فہمِ دلالت
 تو آب سے کر سب کرے طاقتور ہیں
 تو آگ سے گریخ کرے تابہرِ شہادت
 اموڑے نہ ملے مہم و دیا میں دہائی
 باقی نہ رہے آنکھِ سواہی میں حرارت
 ہے کہہ گئے تکتہ سرفرازی میں ذوق
 ہے کہہ گئے سحرِ غزالی میں مہارت
 کہیں کر نہ کہیں دیا کو میں غم دیا
 ہمار ہے عشق میں تری بھی مہارت
 تو روز ہے آقا اور وہ دیا ہے کہ ہوئے ہیں
 ظہورِ حق مصلحتِ حق اعلیٰ بشارت
 تھ کوشتلہ مر ہیں آبِ تابِ مہارک !
 غالب کو ترسے شبہ غلی کی وزارت ا

قطعہ

ظہورِ صوم کی بکھر دھنگہ
 اس غصے کو خود ہے لونا دکھا کہے
 جس پاس دودھ کھول کے کھلے کو بکھ نہ رہ
 دودھ اگر نہ کھلے تو بھار کیا کہے؟

مزارِ شریفِ مصطفیٰ پر حضورِ شلہ

اے شہیدِ آہیں اورنگ !
 اے جہادِ انقلابِ آہور !
 فنا میں آگ ہے لوائے گوشہ شمس
 فنا میں ایک دہ سحرِ سید فکر
 تم نے مجھ کو یہ آہِ آہد باقی
 ہوئی بھی وہ گری پدار
 کہ میرا مجھ سے دودھ باقی
 دیکھو تویت دیا

مجھ کو دیکھو کہ میں ہوں یہ حیات
 اور پھاری ہو جاں میں وہ دار
 جس کو لیتا ہوں ہر پہلے قرض
 اور رات ہے سو کی غرار
 میری گلاہ میں قتل کا
 یہ کیا ہے شریک ساہوکار
 تیرے مجھ سے نہیں نکلے میں
 شام غور گئے خوش گھوڑ

روز کی دھندل کر نیچے
 ہے زہری میری قتل گاہ دار
 دم کا اجڑم کر کیے
 ہے غم میری ابرو دار
 غم ہے گرنے دہن کی دار
 قر ہے کر کہ نہ مجھ کو چار
 آپ کا ہند اور جاں دار
 آپ کا دگر اور کھنوں بھلا
 میری گلاہ کیجے ہاں ہاں
 کہ میں مجھ کو زندگی دلا
 غم کرا ہوں اب دعا کا کام
 شادی سے نہیں لگے سوا
 تم سلامت رہو گزار دیں
 ہر دن کے ہوں دن جاں دار

قطعات

یہ عجم ہوں گا دم ہے میرا دم نہ لے
 جہاں میں ہو کوئی رخ وطر کا طالب ہے
 ہاں نہ قلب میر کبھی کسی کا ہے
 کہ ہو شریک نہ میرا شریک غالب ہے

گرچہ تو دوسرا رنگ ہے میری
 ہوں خود اپنی نظر میں لگا ہوا
 کہ گر لپٹا کو میں کون نکلی
 جانتا ہوں کہ آئے خاک کو مار
 شاد ہوں جس لپٹائی میں کہ ہوں
 پٹا کا لعل کار کار
 خلد زار اور مہار اور دار
 تو پٹ سے ہے عزیز کار
 بارے کار بھی ہو گھاٹہ شہر
 نشین ہو جس میں شمس چار
 نہ کون آپ سے تو کس سے کون؟
 دھابہ خودی لعل دار
 جو مرثیہ اگرچہ مجھ کو نہیں
 نفقہ کرنا شکر سر دہار
 کہ تو جلتے میں چاہیے آخر
 کہ سے ہاں دوسرے تار
 کہیں نہ رہا ہوں لگے پاشلی؟
 جم دیکھا ہوں ہے اگرچہ تار
 کہ ٹپٹا نہیں ہے لب کے سال
 کہ بٹا نہیں ہے لب کی ہاں
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 ہوا میں جاگے ایسے لیل وند
 آگ تپے کھن تک قند
 دھوپ کھلے کھن تک پہن دار
 دھوپ کی پاشلی آگ کی گری
 دھابہ دھابہ دھابہ دار
 میری گلاہ ہو مہر ہے
 اس کے لئے کا ہے اب غبار
 رسم ہے سوسے کی بھابی ایک
 وطن کا ہے ہی بلبل چار

قصہ

سہل تھا مسل سولے پہ ملت مشکل پہڑی
تھ پہ کیا گڑھے کی لگے دودھ ماضی ہوئے
تین دن مسل سے پہلے تین دن مسل کے بعد
تین مسل تین تھوڑی نہ سب کے دن ہوئے

قصہ تارخ

ہند اچھن طرے میرا جگر
کہ جس کے دیکھے سے سب کا ہوا ہے ہی جگہ
ہوئی ہے ایسے ہی لڑتے سال میں غالب
نہ کہیں ہو بلکہ مسل جیسی "محمود"
۱۸۵۳ء

قصہ تارخ دیگر

ہوئی وہ میرا جگر کی شادی
ہوا دیکھو طرے میں رقصہ ہند
کہا غالب سے تارخ اس کی کیا ہے؟
تو ہوا "محمود" جگہ "محمود"
۱۸۵۳ء

قصہ

کہ ایک ہوش کے سب جادو اور ہیں
دور دور رنگ ہم اکٹا نہیں
کہاں پہ ہاتھ دھرتے ہیں گرتے ہوئے سام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم اکٹا نہیں

روایات

ہند لڑائی ہم جگر
لڑائی جانی رہے سارے کل
آ پہلے ہیں آ سارے اچھن ہم
لے سر گڑھے یک قدم احتیال

شب رات دہا حق نکال کا تم کا
کیا شرح کہیں کہ طرز و عالم کا
دودھ میں ہزار آنکھ سے سج تک
ہر قلم و لکھ دودھ کا

آکھڑی پہ جگہ شکر و لعل
پہ سوز جگر کا بھی ہی طود کا مل
کا دھو جگہ بھی قیمت کئی
لوگوں کے لئے کیا ہے کیا کھیل نکل

مل تھا کہ ہم پہلو دہر قید کی
جگہ رنگ و صبر و دہر کی
ہم اور "محمود" لے "جگہ" "محمود"
غزل دہر نہیں تو لہو کی

پہ طاق حیدر قاتل لڑنے کے لئے
دھشت کدو طاق لڑنے کے لئے
جگہ ہر ہر صورت کھتر پہ
لگتے ہیں یہ پرمال لڑنے کے لئے

دل خستہ دوزخ ہو گیا ہے کہا
اس سے گھر حیدر ہو گیا ہے کہا
یہ یاد کے آگے ہل سکتے ہی نہیں
قلم حیدر ہو گیا ہے کہا

رنگ جی کے پند ہو گیا ہے غالب
دل رنگ رک کر ہند ہو گیا ہے غالب

ہم نے دھشت کردہ دم بول ہی نہیں شیخ
شعر خلق کا اپنا سوسن سجا

ہے کہیں تھا کا دوسرا قدم باریک؟
ہم نے دھشت نہیں کو ایک ٹکڑا ہا پلا

فی نہ دھشت بولیں یکہ بول ہم کو
ہم کو لے لے کے دل میں غار صحر کا
مراشل ہر اک دل کے چچ تک میں ہے
میں دعا ہوں تجھ پر دم تیرا کا

سافر جہاد مرشد ہے ہر درہ خاک
تجھ پر دھشت آدھ م سناں تک
کس قدر خاک ہوا ہے دلیر کہاں تارک
تجھ پر دم تیرا سوسن سجاں تک

کس کا خیال آدھ ہفتاد؟
ہر رنگوں گل کے ہونے میں دلیر ہے قرار تھا

دھشت بول ہے یکہ آئینہ چاندی کس نے
شعر بول ہے ہر درہ سوسن سجا
تجھ پر دھشت آدھ م سناں تک
رنگ نے آدھ آئینوں کے شکل بدھا
اسطاعتیں ایسی تجھ کا خلق سے ہا
ہر کہ کہ آپ نہ کہیں اسے شکل بدھا

شیر فرسور تجھ نہیں یکہ عالم چاندی ہے
ہر قدر رنگ باری کراش میں ہے پانہ عقل کا
مجھے روا خلق میں غلبہ کم دھشت نہیں غلبہ ا
صداقت لہر صحر خلق ہے قدر بول کا

ہر دن اپنے اندھ لہریں آئینہ
یار لایے کہ دلیر صحر اسباب تھا

ہر صورت غلبہ سنی نہیں
لہو! میں عجم ہوں چہرہ گل کا

دھشت بول چھی کہیں کہیں یکہ درہ آئینہ
نہیں کہ لہو اسد ہے تجھ پر قدم صحر

اسے دانے غفلت کردہ خلق ا درہ باری
ہر پانہ سبک شہر دلو کردہ طور تھا
ہر رنگ میں ہا اسد قدم ہفتاد
پردادہ تجھ پر شیخ صحر تھا

اسد کا قدر طاعتی ہے نہیں صحر ہے
کہ صورت سنی را درہ مسم اپنے ہفتی کا

لہو! سافر خلق حلیم ہر کراش ہے کہیں کی
کہ لہو صحر میں ہے لہو ہر روز گری کا

لہو! ہر لہو ہر سافر فرمون قسم ہے
نہیں کہ ہفتی کہ ہے لہو ہے طاعتی کا

خلق میں ہم نے ہی ایام سے پہلے کیا
درد ہو چاہیے پہلے تو سب کا
آخر تک کر لائے سر زلف ہوا
خلو دکان کہ دکانوں پر غیب کا

خود داری خبر دل میں پنی کر دیا
غیب ! ایسے گچ کو شہیں کی دہانہ کا

خوش ہے کہینے ہے اضطراب کرا سو !
درد نکل کا کچھ غریبوں سے

دہانگی سو کی صحت نکلے طرب ہے
سر میں داسے گلن نل میں طہر سرا

ہر وہ سولے مانی آتا ہے کھا لیر کرے !
رنگ لڑا ہے گھٹن کے ہوا دھن کا

سو ! پہلے غریب قعدان تھا د سنی ہیں
خفی کا بندہ ہوں لیکن نہیں متعلق تفسیر کا

دل دیکر قصہ فرقت سے بل کے خاک ہلے
دلے ہوا خیالوں وصل عام دیا

ان دل فریبوں سے نہ کہیں اس پہ وار آئے
دھان ہو ہے کھاتو ہے غلام من گیا

لو ہستی سے رہے ہم دگر ہلکا
ہے کسی بھی شریک آئینہ ہوا آک
دھار یک شیرازہ دھلتے ہیں آواز ہوا
سبز ہے گلہنا کوہ گل دھلتا

سو تو ! بھی خاطر دہشت کے ہوا
دنا میں کوئی قصہ مشکل نہیں دیا
ہر پتہ میں ہوں طوطا شیریں خن ہلے
آئینہ تو ! میرے مشکل نہیں دیا

بھہ ہستی ہے ہمار شکل ہادی ہلے دور
ہر صبر غم میں ایک ہارم تا قوس کا

دکا غفلت نے دو اللہ لکھو کا ارد
شادیت ہم کو ہر مانی بیہودہ کا

قا کو خلق ہے ہے قصدا ! حیرت پرستوں !
نیں دگر سر سر نہ پھر مطلب ہا
سو کہ بھہ ہستی سے طوطا دھلتی ہے
نہیں ہیں ہار قوس میں دہانہ ہار ہوا

میں جگہ ہے سر زلفی ہوا خبر ہے
کہ دیا آواز سے ہوا رہا ہے ہام اس کا
ہے سہر نکلے غم ہوں گل گل صحت
ہوا ! ہر گل نکلے غم ہام اس کا
سو اسوانہ سربزی سے ہے حکیم رنگیں تر
کہ کھنڈ رنگ اس کا ہر ہے ہوا غم اس کا

زہنجی نہیں چلی تو جس چند سودا
نقشت آرائی ہواں پہ جی تھیں گل و گنج

اگر آسویں ہے معاملے ہوگا ہے کئی
یار گردلوں پیادہ سے روزگار اپنا

ہا کسو ہے غیری و غور و دہرہ دہم
بہلی دھل بہلی سے بہلی بہلی لہرہ
جولہ رنگ طار ہائے روشنی سمیت
دستور چٹہ دل ہائے دھن لہرہ

نہ کہوں کی سناں کہتا ہوں اپنی
سرت و سحر و شمع سلامت !
مہے غالبہ فتنہ طلبیہ گردوں
تو کیا ہے بڑائی ہے حقیر سلامت !

ہم سوزم بھر ، کئی نہیں پیدا نہ کی
گل ہوا ہے ایک دھڑ بید ، غولہ رو
چچہ رنگ لک پہ لب آا ہے کھل اس طرف
مڑہ ہا اسے کہلے مگر غالب ! مڑہ ہا !

بہ کہ لکھو دیا ہوئے نہ آ سوزم سرب
دوای صورت میں ہر آفتد بولتی مہٹ

اسے سو ا ہے ہا ہے ہر سوزم مڑہ یار
ماہر حلیم میں پہ دوا ترانی مہٹ

تو بہت ظہرت اور خیال بہا بند
اسے ظہرت خود سادہ ! تہ سے صا پند
موقوف کیجئے ۔ ۔ خلف نگاہوں
ہوتا ہے دود شہرہ رنگر کا بند

شرط گل جہنم میں ہے گواہ تما ہر گل
شہرہ شرط خیرہ گل میں کہ ہے دھن طراں

ہم داری طرب داری کھد ہا رنگ
طرح دلی تاکے دہرہ دھل تا چہ !
اسیر فتنہ گر لکھو دہ عالم لہام
شکل مہی کی یک طر ! تھل آ چہ ؟

نہت ہم ہر راہ چہ مجھ غولہ
اسی نہیں آ سوزم سناں دہا چچہ
کس بات پہ سوز ہے اسے بھر تہا
سناں دہا و شمع دہ لکھو دہا چچہ
آجک اس میں نہیں آ نور پیل
"عالم ہر شہرہ دہارہ ہا چچہ"

دی بھی ساتھ دل سے ہوتا ہے گل
ہے ۱۵۵۵ شمع دہارہ کا قلب آنکھ ،
دل کو دہا دھن ہا کئی سے کتاب ! کیا کیا
رنگ دہا پلو ہ دھن طراں آنکھ ،

اسے سادہ ہے مگر ہمنہاں بکر
میں کہ ہیں ہے خود دارک دہارہ گل و گنج

اے ہنس ! خاک و سر قہر کائنات
لگی جاتے صبر و ہمت استوار تر

آفتاب ایسی ہی دریاں کے آفتاب
درد کی کو سیرت انسان کی نمبر اجتماع

ہوں آجھ بھر دھوا کا سر سے
یوں عاشقوں میں ہے سبیر انہماک داغ

کون آہم چہ ہے نمبر استہلال ہے !
آفتاب سیرت ما ہے عشق و رفاہ داغ
آفتاب رنگہ سب ہر گئی کو نکلتے ہے فدا
ہے دل سو ما سے گزرا ہوا داغ

حق سیرت ہی جاتے کو اے کہ شعلہ رخ ا
نکھرے چاند خیر کے کوئی شہر سیرت ا

فرس و ہوا دھوا ہی ہو سو ہوا
ہم یک طرفہ چاندی شہر رخ یک طرف

اے آفتاب شہر دھوا غنیا ہوا نہ خاک
ہر دست و پادشہ قاتل دھواہ خاک

ہم ہے ہر گز فہم و یک آفتاب نکلا
کا شہر میں کہ خاک ہے فاضل ا ہوا نہ خاک

ہے سر شہر میں دہم دھواہ
ہوں ہوں ہوا شہر دھواہ ہر جا شہر ط

نمبر سیرت انہماک کا شہر دھوا
نکلا کس فوٹ و شہر آفتاب سیرت
ہوا اے اتر دھواہ رنگہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !

ہوا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !

نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !

اے آفتاب سیرت انہماک کا شہر دھوا
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !

نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !

نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !
نکلا کس فوٹ و شہر دھواہ دھواہ !

قلب سے غصہ ہے کیا ہے
ہیں ہنجر کو اظہار کیا ہے

خود مرآب کی بسے کی طرف دھکی ہے
مکڑی ہے، کھٹک ہیں، مہر ہیں

۱۱۔ اہل بھائی قلعہ بھر دوسرے قلعوں کی جیسی ہے
تک کہ اب راجہ لنگہ دھیرے منظور قلعہ ہے

تم کبھی کا کیا دل نے مصلہ پورا
ہو اس سے مصلہ کروں جو ہستہ حشر ہو

ان خیال بزرگ واعلم ہے کہ
 وہ ! جان شدہ نسل شکستہ !
 نکل بڑھو، نکل نکل
 ہم ہے آئی کر رہ رہ رہ رہ

۱۔ (ا) سے (آ) تک دس جملہ کتب کی
 (ب) سے (پ) تک خطوط و رسائل سے آجکے

ہم نے کہا کہ وہ عمر راز اپنے سے کہ تو !
ہم جہاں سے آئے تھے وہاں سے

یہاں پر خوشی ہے کہ اس کا کھوکھلا
 دل کر دیو افسانہ و قصہ و حکم و پند

میں نے اس وقت تک نہیں دیکھا تھا کہ ایک آدمی کو اس قدر غم ہو سکے جس نے اس قدر غم سے اپنے دل کو بھریا ہوا تھا۔

ذیل ملکی ہائے قصور اہل جرحہ ہے
 و عہدہ شریک دولت سے کھینچی ہیں قصیری
 عجم ملہ لڑی' پیادہ گوشہ مرغان ہے
 رنگ خواب کی دھڑ میں طلسمان میں قصیری
 سد! غزل مرعشہ طغاسیر دل کو کیا کہے
 کھتا ہوں بھل کو محبت جہاں کی جاہلی

کس کو ہوں پارہا | حشر سوز ناکہائے دل
تو دہشتِ نفسی :ۛ شعلہٴ بھڑکی نصیب

ہے۔ قسم در قسم شہر پڑائی میں
آجی مافلو کو ایک احمد ہے قورا نہیں

ہے۔ وطن سے باہر اہل دل کی قدر و حرمت
حرکت اہل عدل میں جستجو گوہر نہیں
ہفت اہل ہے رنگ غریب ہنس سرور
نہ لخت شیوہ شکستہ جگہ تخریب نہیں

میں نے کہا: "ہاں! یہ ہیں وہی کہے گئے اے اللہ !
 شے سلطان ہے، لیکن ظالم اور آزمودہ"

ہا دہل سے ٹھٹھڑا طہر میں لڑا
سہر تھا پہ کھڑا ہوا کھڑا تھا ہی ہے
جہا میں کسی کی یہ برہم ہوئی ہے دیر لکھا
کہ رنگ رنگوں میں ٹھٹھڑا رہے جس سے

ہے بچم دل نہ کہوں یہ وہ دار
میں سے ہر دہلی دہلی انکسب ہے

بچہ بہت غلغلہ طہر کر دے !
باب ! لے ہلاک دستہ دہا مجھے
یک بار چھٹو ہوں بھی ضرور ہے
اسے چٹو مٹن لپڑا ہو آنا مجھے

سو بھلا قیمت کھنوں کا دفتر آرائش
لپٹو تم میں بیدار مٹوں ہلی ہے
یہ سستی ہے دل خاک کو کھڑا ہلائی سے
تنگ ہلائی طرب سے ہمارے لبر سلا ہے
سو مت رکو جب فر دہلی پائے ستم کا
کہ یہ ہمارا ہی شیر اٹھو سہانو ہلی ہے

ہم چٹو طہر دہلی دہلی ہر سے سو !
دلی میں ہے جی طہر دہلی کے

سو ! پھر قہقہہ ہا ہے فوج کا قہ
اگر دا ہوتو دھوکوں کے یک عالم گھٹس ہے

لڑائیوں میں ہے دہلی کو سیر کت دہلی
ہے وطن کرد ز دہلی ضمیر دہلی
کلی انکس میں ہلائی ہم دہلی سے
ہے ہر ایک لڑ جہا میں دہلی ہلائی

شہر دہلی کو شرم دہلی کا کھ
خود آئی عرب ! دل نہ کھ دہلی کا کھ
کھ بہ طہر امیدوار بہ نیم نام دہلی
کہہ خدا کی یاد ہے گفت ہوا کھ
ہے لا لڑا تو دل دہلی کر دہلی
ہے یہ جہا کھٹو ایک نہ کھ لڑا کھ

سستی طہر ہمارے سستی عرب ہے
یک ہر ہر دہلی دہلی ہلائی

کا چٹو دہلی دہلی دہلی
دہلی کو بھی ایک ہا ہے دہلی نہیں سے
کہ تم کو رضا دہلی دہلی ہے دہلی
دہلی ہے دہلی آب ایسے سو سے
مت دہلی سو دہلی دہلی دہلی دہلی
دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی

کہ سستی دہلی دہلی دہلی دہلی
دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی

طہر یہ دہلی دہلی دہلی دہلی
کہ دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی دہلی

اسے دیوارِ قشائے کھنکھریات
دھڑلے والے طاریوں سے جانت ہے

تنگیوں میں غرض کرے میں ! کب تک
آئندہ خیال کو دیکھا کسے کوئی
غرض سرکے ، ہے غلطی یاد تک
صرا کیوں کر دعوت دیا کرے کوئی
" شمع اپنے صحن پہ غلوں ہے اسے !
دیکھا کے اس کو آگے توڑا کسے کوئی

یاد آپ ہمیں تو غلب میں بھی مسد دیکھو
یہ صخرہ خیال کو دیا کیسی شے

یاد نکلیا ہے سہلا دایمِ دولت ہوں اسے !
کیا سزا ہے میرے جرمِ قتلہ توہل کی ؟

کیا ہے ڈکھو دانا کھل سے
ہمیں حاصل نہیں ہے حاصل سے
خوابِ بزمِ دیوانہ کیے کھنکھریات
پایں غرض ہوں جیتی جاتی سے
خدا جانی پد سے مہویں تو
بہرے ہم دیوارِ آگلی سے

دھک ہے اسٹیلو ایسپر فکرت ہے اسے !
چل دیکھو دل لکھو خاطر آگ ہے

چھا کرے دیوارِ قشائے سوز و غم
صبرِ کھنکھریات کو سہل دھکا نہ ٹاہیے
دھنکوں میں مایہ دارِ غلوں خلق
اسے ہے تیز آنکھ کو دہرے ٹاہیے
خلقِ جہان سوہم گل ہے سوزِ غم
جس سے ہم گز کے یاد ٹاہیے

غرضِ ہر افسوسِ غیر افسوسِ ہمیں نہیں
یاد میں مسد ! غلوں گھوڑو وار ہے

آتشِ انقلابیہ یک شطربہ ایسا تھ ہے
پاک آگاہی مسد ضررِ پراگندہ تھ ہے

اسے ہم غلوں انوکھ خلقِ دہائی آہد
غرضِ سہا کب دھڑلے مسدِ واحد ہے

گھر معاصر صبرِ دایمِ آہد اپنے دہائی
کہ دھنکوں میں طرکِ دیوارِ کھنکھریات
اسے ! دایمِ قضا سے نہ دیکھو آہد
گداز و قضا نامہ مسدِ قضا ہے

دل سہلا وقتِ سہلے بھڑے ہو ہے
تو انہی غلوں جیتی مسدِ خاکِ بزم ہے
ہو نکلے کا خاکِ دست و پاؤں لہ سے
بہنوں لکھو گدازِ غلوں پاد ہے
ہے یاد بزمِ دھنکوں کھنکھریات
یک لکھو دیکھو گل مسدِ غلوں کھنکھریات

عصر سے ایک نئی نئی دنیا
جس میں ہر لمحہ نئی نئی بات ہے

دامِ کھنڈ میں ہیں ساری ساری
ہوئی گئی ہیں ساری ساری
کیا کہیں پہاڑ کی تھوڑی سی
میت سہارا بن کر کھڑی ہے
جس طرف سے آئے ہیں آفریں
مگر سے دھشت نہ کرنا دمِ دہشت ہے
کھنڈ کے مٹیوں پر ہے
ہر سرِ اعلیٰ کو کبرِ جلدِ فرس ہے

نعلینوں میں ہیں نودہ نودہ
دھڑکنے والی ہیں
کیوں نہ چاہے
دل میں گلِ سرخ کا مہر ہے

ہر دہانے سے تو نہ کیا
ہاں کو اس کے آگے

نہایت چمک سکی کی نہ
مٹی میں غبارِ اگردن ہوا کی ہے

لہر دھکی لہجہ آئینہ
ہاں میں وہ داغ کہ پہلوں میں
ہم پر وہ ہے
کس کا دل ہوں کہ وہ عالم سے نکلا ہے

خاکِ برباد میں
بہ ہوتے ہم نے گزشتہ کی کیا
کب ہو جائے ہیں گھر سے
فلک پیدا کر لیا اگر تو ہے

اندازِ نگاہِ بزمِ سلاطین
صور گھسی میں پل آواز
خز گھ کو گھ گھ کو
وہ گھ کو نہ میں پل
غیر سے بل دیکھ دیکھ
نہاں اس سے گھ کو نہ

آواز سے عائد آبادی
کیا کہیں اگر سلاطین
پادشاہی کا جہل ہے
کیوں نہ جہل میں ہر ایک

تو چلتے ہیں ہم ہم ہم
آپس سے چلتے ہیں

ہر دہانے سے
وگرنہ ہر دہانے
ہم سے ہر دہانے
کہ ایک دم ضیف دہانے

نکلتے ہیں ہر دہانے
ہر دہانے میں

مجھ سے غالب نے ملٹی لے کر مل کر
ایک میوہ کر کے خوار کر سی

ظن نہیں کہ بھل کے بھی آزمیہ ہوں
میں دشتِ قہم میں تھکے میوہ میوہ ہوں
ہر چاہیے نہیں یہ میری قد و منزلت
میں چاہیو یہ قیمت دل فریہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کام نظر نہ لے چشید ہوں
پانی سے گنگ گنگہ داسے جس طرح سودا
ڈرتا ہوں کیچے سے کہ موسم گنگہ ہوں

پہاڑے کا نہ قہم ہوتا ہر کسی لیے سودا
ہر دلت شیخ قہم سے لے تا ہر چلے

ظرا بھل میں دلت کون
سودا نہ مل ! قیمت ہے

کھا کرے کوئی انعام طالع مولود
کے ہر ہے کہ وہی جتن قہم کیا ہے !
نہ حشو شر کا کاکل نہ کہیں دلت کا
خدا کے واسطے ! ایسے کی ہر قسم کیا ہے !

نظم غلامہ جاتی دہم سہل آئے
پہن پہنے تو یہ ہے پُچھیں دل آئے
نہ کو کیا ظم کہ عشقی پہ مری کیا گزری
دوست ہر ساتھ رہے کہیں ساحل آئے

و میں ہم کہ چلے جائیں دم کہ اسے شیخ !
ساتھ لہجہ کے اکڑا کی جلی تھے
آئیں جس دم میں "دوگ پدا اچھے ہیں
لوگوں ہم دن بھر سہل تھے
دہو غل ہر ہے دت سے تھے آج غم !
دل کے ٹکڑے بھی کسی غن کے شل آئے
سچا سودا ہری نے نہ کیا ہے نہ کریں
کس حوا ہی مگر مجھے سہل آئے
سوت بس لہ کی ہے نہ مر کے دیں دلی آئے
دست لہ کی ہے نہ اس کوپے سے گھاس آئے

سجھ کے دیر سہل اک مگر نہ کیا ہے
یہ بلوہ کیڑا سہل دلتا ہے

یہ قیمت کہ یہ ایسے گزر پہنے کی مر
نہ لے دلت ہم دلتا ہے تو کسی
نہر سے دیکھنے کیا خوب پہن اس نے
نہ کسی ہم سے نہ اس بہت میں دتا ہے تو کسی
نقل کرتا ہوں اسے ہر اہل میں میں
کہ نہ کہ دلتا اہل تم نے کھا ہے تو کسی
بھی تہنے کی نہیں کرتے ہر جلدی غالب !
شہو بخوی عشیرہ دلتا ہے تو کسی

میں کسی کا میں حقیر لب سے ہار
میں بھی ہوں عزم اسرار میں ! نہ کون
شہر مجھ لے تا کوئی غلامہ
اپنی جاتی سے ہوں ہزار میں ! نہ کون
دل کے ہاتھ سے کہ ہے دھنور پانی بھرا
ہوں اک آفت میں کر لڑکوں ! نہ کون

آپ سے وہ مرا سوال نہ پڑھے تو اس
مہر مل لپٹا ہر شہد کوں یا نہ کوں؟

روایات

سایہ ہزار جنتی مل
سفر حق غلو کردہ مل
پشتہ اس آئینہ ہے دنیا دنیا
مظہر ہے وہاں سے لہجہ مل
اس کزبہ فخر ہے علم اعلیٰ
ہے اعلیٰ خود سے شمس اعلیٰ
یک قندہ ملن دہر مد شمس
یک دم دہر ہزار اعلیٰ
قطرہ

بس کہ لعل ہر ہے قند
ہر شہر اقلی کا
گھر سے ہزار میں نکلے ہوئے
دہر ہوا ہے اب لعل کا
چوک میں کو کہیں تو عقل ہے
گھر کا ہے لعل دنیا کا
شہر دلی کا وہ دہر خاک
تندہ ملن ہے ہر سلسل کا
کئی دلی سے نہ آئے ہیں تک
تو دلی دلی نہ پا سکے ہیں کا
میں نے ہا کر ہی کے ہر کیا
وہی دہر تو د مل وہی کا
تک جہل کر کیا کے شہر
سودا دلی ہائے پنہی کا
تک مد کر کیا کے ہام
ہوا وہ ہائے گراں کا
اس طرح کے دھل سے داب !
کا ملے مل سے دلی جہاں کا

سرا

لڑی ہو اسے جنت اگر ۔ لی تہہ سر سرا
یہہ خرد دلی جنت کے سر ، سرا
کھا ہی اس جہد سے خوراک پہ بعد لگا چھا
ہے تہہ حبیب مل لہر کا دہر سرا
مر پہ چھوٹے بیچ ہے لی اس طرف گھا !
تک کہ دار یہ کہ نہ چھوے دا لہر سرا
ظہر کر ہی ہونے لگے ہیں کے سوتلی !
دند کیوں لائے ہیں سکتی میں لک کر سرا
سلت دنیا کے فراہم کیے ہیں کے سوتلی
تب کا ہو گا اس لہر کا کر ہر سرا
مرا پہ دہر کے ہو گری سے بھتا چھا
ہے دگیہ لہر گھر ہر سرا
ہے بھی اک ہے لعل حق کہ تہ سے یہ ہائے
ہے کیا ہیں کے دہر کے ہائے سرا
لی میں انہیں نہ سوتلی کہ ہیں ہیں اک چھا
چھوٹے پھولوں کا بھی ایک ظہر سرا
بہ کہ اپنے میں جہاں نہ خوشی کے ہائے
گدھے پھولوں کا ہوا لہر کوئی لک کر سرا
سوتا دہن کی دیکھ گھر غفل کی چٹک
کیوں نہ دیکھائے لہر ۔ دلی سرا
ہر دہر کا نہیں ہے ہر دگیہ لہر ہوا
لے گا لہر گدھا دہر گدھا سرا
ہم حق ہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں
دیکھیں اس سرے سے کچھ دے کوئی دہر کر سرا

لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ كُفِّي لَيْلِي فَنِمْتُ جَاءَ

—

فَنِمْتُ لَمْ يَحْضُرْ كَأَنَّهُ سَارِي أَيْدِي

Lahore March, 98.

بیا کرتا آسمان گزینیم
 قضا بگردشیں دلی گراں بگردانیم
 اگر رخصت ہو گیسو از بند شیم
 و اگر ز شاد و سدا رنجان بگردانیم
 اگر کلیم شود سداں سخن بشیم
 و اگر خطیل شود سداں بگردانیم
 بجگ باج ستانان شاخساریا
 تنی سجد ز گراں گستاں بگردانیم
 بصلح بال فشانان صبا بگایا
 ز شاخسار سوئے ششیاں بگردانیم
 رحیم دین من و تو زما بعب نبود
 گر آفتاب سوئے خاواں بگردانیم

